دلِ ہارے
مومنہ جمیل
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

دل ہارے

مومنہ جمیل

نوٹ: دل ہارے پاک سوسائٹی کے لیے لکھی گئی خصوصی تحریر ہے۔

پورا لان درختوں سے لپٹے برقی قمقموں سے جگمگا رہا تھا۔
آج اس کی بڑی بہن زارا کی مہندی تھی۔ اکلوتی چھوٹی بہن ہونے کے ناطے تمام تر ذمے داریاں لیزا کے ناتواں کندھوں پر ہی تھیں۔ گرین کلر کی کڑھائی اور موتیوں سے مزین گھیر دار فراک پہنے اور چہرے پر میک اپ کے نام پر محض لپ اسٹک لگا کر وہ سب سے پہلے تیار ہو چکی تھی۔ جیولری کے نام پر کانوں میں لباس کے ہم رنگ آویزے جھول رہے تھے۔
وہ ایک مڈل کلاس گھرانے سے تعلق رکھتی تھی۔ جہاں روایت اور سادگی کو اختیار کیا جاتا تھا، اس لیے مہندی کے فنکشن میں دولہا کو آنے کی قطعاً کوئی اجازت نہیں تھی۔ البتہ زارا کے سسرال والے مہندی لے کر بڑی دھوم دھام سے آئے تھے۔ اس لیے لیزا نے ان کی خاطر مدارت میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی تھی۔ زازا کزنز کے نرغے میں گھری اسٹیج پر بیٹھی تھی۔ امی مہمانوں کو پروٹوکول دینے میں مصروف تھیں۔ ابا بھی مرد حضرات کے ساتھ خوش گپیوں میں لگے ہوئے تھے۔ کھانے وغیرہ کی سروسسز کے لیے اسپیشلی

ویٹرز کو ہائیر کیا گیا تھا، جن کو اب کھانا لگنے کے وقت لیزا اور احمر دونوں بوقتِ ضرورت ہدایات دے رہے تھے۔

زازا اور لیزا دو ہی بہنیں تھیں۔ انکے بعد اور کوئی اولاد نہ ہوئی تو انکے والد ہاشم صاحب نے اپنے بھائی کے بیٹے احمر کو گود لے لیا تھا۔ احمر کے اصل والدین سعودی عرب میں مقیم تھے، جن سے کبھی کبھار وہ مل آتا اور کبھی وہ اس سے ملنے چلے آتے۔ اپنے والدین کے بارے میں جان لینے کے باوجود احمر کو ہاشم صاحب اور زیب النساء سے بے پناہ محبت تھی۔ جنھوں نے لے پالک ہونے کے باوجود اسے اپنی اولاد جیسی محبت سے پال پوس کر بڑا کیا تھا۔

اللہ کی رحمت سے آج کا فنکشن بخیر و عافیت اختتام پذیر ہو گیا تھا۔ رات کو تھک ہار کر لیزا سونے کے لیئے کمرے میں آئی تو زارا کو چھپ کر سرگوشی میں کسی سے فون پر بات کرتے دیکھ کر ٹھٹھک کر رک گئی۔ آدھی رات کو کمرے میں تنہا ہوتے ہوئے بھی بھلا اتنے رازدارانہ انداز میں بات کرنے کی کیا ضرورت آن پڑی تھی۔ اپنی پشت پر کسی کے قدموں کی چاپ سن کر زازا نے فوراً کال کاٹ دی تھی۔ وہ پلٹی تو آنکھیں رو رو کر سرخ متورم ہو رہی تھیں۔

"کیا ہوا سب خیریت ہے؟" گلے میں جھولتا دوپٹہ نکال کر بیڈ پر اچھالتے ہوئے لیزا نے پوچھا۔

"پوچھ تو اس طرح رہی ہو جیسے کچھ جانتی ہی نہیں تم؟" زارا کے انداز میں ایک کاٹ سی تھی۔ لیزا کو اس کا انداز چبھا ضرور تھا مگر سکون سے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے وہ جیسے

معاملے کی طے تک پہنچی۔

"حارث کی کال تھی؟" لیزا نے سوال کیا تھا مگر انداز میں یقین تھا کہ جواب یہی ہو گا۔

"ہاں حارث کا فون تھا تو؟" زارا کا انداز باغیانہ تھا۔ لیزا نے گہرا سانس خارج کیا۔

"قصور تمہارا اپنا ہے زازا بی بی! کس نے کہا تھا برادری سے باہر عشق و معاشقی کرو اور بالفرض یہ ایڈوینچر کر ہی لیا تھا، تو پھر اپنے جائز حق کے لیے ابا کے سامنے ڈٹ کر کھڑی ہو جاتی۔ کس نے کہا تھا کہ انکے غصے سے دب کر، اپنے ساتھ ساتھ تم حارث کے ارمانوں کا بھی خون کر ڈالو۔ مجھے سمجھ نہیں آتی جب محبت نبھانے کا دم نہیں تو لوگ محبت کرتے ہی کیوں ہیں۔" لیزا کو محبت کرنے والوں سے اپنی دانست میں بڑے ہی گلے تھے۔

"چھڑک لو تم بھی میرے زخموں پر نمک۔ چھڑک لو۔ لیکن جس دن تمہارا پالا ابا کے بے رحم قسم کے حکم سے پڑا نا، ہمت و حوصلے چکنا چور ہو کر زمین بوس ہو جائیں گے اور خود پر یقین کا غرور ریزہ ریزہ۔ بیٹی حیادار ہو نا تو ماں باپ سے واضح لفظوں میں اپنی خواہش کا اظہار کر دیتی ہے۔ جو میں نے کیا۔ حالانکہ میں کورٹ میرج کر سکتی تھی لیکن میں نے آخری حد تک ابا کو منانے کی کوشش کی۔ مگر انہوں نے کیا کیا؟ میری بات سننے سے انکار کر دیا تھا۔ میں نے اپنی زبان سے ان کے سامنے حارث کا نام کیا لیا، ابا نے مجھے پر بگڑا ہوا ہونے اور بے حیائی کا ٹیگ چپکا دیا۔ میری بات کے جواب میں ہمیشہ سے ابا کے پاس ایک ہی جواب تھا وہ میرے لیے کچھ برا نہیں چاہتے اور میرے حق میں ان کا فیصلہ بہترین ہے۔ ان کا فیصلہ محض اسی لیے بہترین ہے کہ انہوں نے اپنے دوست کے گھر اپنی برادری میں میرا

رشتہ طے کیا اور میرا فیصلہ صرف اس لیے غلط ہے کہ میں نے خاندان سے باہر دوسری ذات کے کسی لڑکے کو چنا۔" زارا تو پھٹنے کو تیار بیٹھی تھی لیزا کی بات سنتے ہی اس کے شکوے اور شکایتیں شروع ہو گئیں تھیں۔

"تم بتاؤ کیا کمی ہے حارث میں؟ پڑھا لکھا ہے، ہینڈ سم ہے۔ بینک میں اچھی پوسٹ پر جاب کرتا ہے۔ اور ایسا بھی نہیں ہے کہ وہ کوئی اجنبی انسان ہے، پچھلے آٹھ سالوں سے وہ ہمارے پڑوس میں کرائے پر رہ رہا تھا۔ مگر ابا کی بے عزتی اور آتے جاتے کینہ توز نظروں کی گھوریوں سے دلبرداشتہ ہو کر اسے گھر بدلنا پڑا۔ بس ابا کو ذات برادری کے فرق کے سوا حارث میں کچھ اور نظر ہی نہیں آیا۔" زارا بولتے بولتے جذبات کی شدت سے ہانپنے لگی تو بیڈ پر بیٹھ گئی لیزا نے اٹھ کر روم ریفریجریٹر سے پانی کی بوتل نکال کر اسے تھمائی تو اس نے دو گھونٹ پانی پی کر بوتل سائیڈ ٹیبل پر رکھ دی جبکہ لیزا اب اس کے برابر آ بیٹھی تھی۔

"مجھے یہ بتاؤ! ان سب باتوں کا اب آخر کیا مقصد ہے، فائدہ تب ہوتا جب تم ابا کے سامنے اتنے ہی جوش و خروش سے یہ ساری تقریر کرتیں۔ تب ممکن تھا تمہیں شاباشے کہہ کر میں بھی تالی بجاتی مگر تب تمہاری ساری جسارتیں دم توڑ گئیں تھیں یا پھر تم ابا کی ڈبل بیرل بارہ بور بندوق سے ڈر گئیں تھیں۔"

لیزا میں جذباتیت تھی۔ مگر وہ جذباتی قسم کی لڑکی نہیں تھی۔ موقع پر ہمت حوصلے کا مظاہرہ کرتے ہوئے مذاکرات سے مسئلہ حل کرنے کی کوشش کرتی تھی، رونا دھونا واویلا مچانا اسے سخت ناپسند تھا۔ جبکہ زارا بالکل متضاد تھی، کسی بھی بات پر پہلے آنسو امڈتے پھر زبان سے لفظ اور جذباتیت تو کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ اب بھی لیزا کی بات پر شاکی اور

دکھ بھری نظروں سے رونے کا شغل جاری کر دیا تو لیزا نے اس کا شانہ تھپکا جیسے کہنا چاہ رہی ہو بہادر بنو یونہی تم نے فیشن ڈیزائننگ کرنے کے لیئے گھر میں شدید قسم کا واویلا مچایا تھا۔ ابا کی کھری کھوٹی بھی سنیں اماں کے ڈراوے بھی سہہ لیے کئی دن بھوک ہڑتال بھی کر دی مگر آخر میں تم ٹھس ہو گئیں تھیں۔ ابا کی بات مان کر ایم۔ ایس۔ سی کی اور گھر بیٹھ گئیں اس معاملے میں بھی تم نے ایسا ہی کیا ہے۔

"یہ تو وہ بات ہو گئی کھایا پیا کچھ نہیں گلاس توڑا بارہ آنے۔۔۔" لیزا انتہائی حقیقت پسند تھی۔ اس کی اس تلخ بیانی پر زازا کو اور رونا آنے لگا یہاں تک کے روتے روتے ہچکی بندھ گئی۔ لیزا کو بہن کے لیے اچھا تو نہیں لگ رہا تھا مگر اسکے رونے دھونے سے عجیب سی کوفت ہو رہی تھی۔

"ایک تو مجھے یہ سمجھ نہیں آرہا تمہیں اتنا رو دھو کر کیا ملے گا؟ ایک بات جب طے ہو چکی کہ تمہارا دولہا حارث نہیں جلال بنے گا تو پھر اب ٹسوے بہا بہا کر آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے ڈالنے کا کیا مقصد ہے۔ صبح تم دولہن بنو گی اس طرح روتی رہی تو کیا خاک روپ آئے گا۔" لیزا کی تو باتیں ہی نرالی تھیں۔ اپنی طرف سے اسے دانشمندانہ مشورہ دیا گیا تھا مگر زازا اندر تک جل کر خاک ہوئی۔

"آگ لگے ایسے روپ کو جو محبوب کے رقیب کے نام کا ہو۔" وہ تڑخ کر بولی تھی۔

"یہ محبوب، محبت اور ہجر و وصال کے قصے میری سمجھ میں تو بالکل نہیں آتے۔" لیزا تو اس شعر کا مجسم تھی کہ دنیا میں اور بھی کام ہیں محبت کے سوا!

"جب تم پر وقت آئے گا تم اچھی طرح سب کچھ سمجھو گی کسی دن تمہارے سامنے

بھی ابا میاں اپنی انا کا بلند و بانگ جھنڈا لہراتے ہوئے تمہیں تمہاری زندگی کا فیصلہ سنا ڈالیں ،تب تمہیں پتہ چلے گا کسی بھی لڑکی کے لیے اپنے ماں باپ سے بغاوت کرنا کس قدر کٹھن اور تکلیف دہ مرحلہ ہوتا ہے۔"

"میرا کیس تم سے مختلف ہے بنو رانی! میں نے اپنے دل و دماغ میں کبھی بے جا بے لاگ قسم کی خواہشات پالی ہی نہیں ہیں۔ میں پلان کر کے زندگی نہیں جیتی میری زندگی میں سب کچھ (unexpected) غیر قدرتی طور پر ہوتا چلا جاتا ہے۔ہاں یہ میری خوش نصیبی ہے کہ اب تک کچھ بھی (Unwanted) نہیں تھا، جیسے کہ ابا نے کہا کہ تم ایم۔اے اردو کر لو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوا کیونکہ اردو پہلے سے میری زندگی کا حصہ رہی ہے، میں نے نامور ادیبوں کو پڑھتے پڑھتے ہی تو نو عمری گزاری ہے۔اب ابا نے مجھ پر آگے جا کر بھی کچھ اچانک قسم کا حملہ کیا تو اس سے مجھے کوئی پرابلم نہیں ہو گا۔کیونکہ میں ذہنی طور پر تیار ہوں، میں جانتی ہوں میری زندگی میں اگر کوئی طوفانی ہلچل مچے گی تو اس میں خدا کے بعد ابا کا ہی ہاتھ ہو گا۔" وہ تمام تر حقیقت کے جزئیات کے ساتھ بولی تھی۔ زارا کو اس کی باتوں سے اختلاف تھا۔

"یعنی تمہارے کہنے کا مطلب ہے کہ لڑکیوں کو بھینس بکریاں سمجھ کر کسی بھی کھونٹے سے باندھ دینا جائز ہے؟ ان کی دلی وابستگی، ان کے جذبات کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی؟ میں یہ تو نہیں کہہ رہی کہ والدین اپنی اولاد کا برا چاہتے ہیں۔ میں تو بس اتنا کہہ رہی ہوں کہ اولاد سے زور زبردستی کر کے اپنے والدین ہونے کا ناجائز فائدہ اٹھانا سراسر غلط ہے،زیادتی ہے،ناانصافی ہے۔خدا نے بھی انسان کو پیدا کر کے صحیح غلط کا فرق سمجھا کر اسکی

مرضی پر آزاد چھوڑ دیا۔ جا میرے بندے جو مرضی کر۔ مگر ہمارے والدین اولاد کو اپنی ملکیت سمجھ کر ہر قسم کا جائز اور ناجائز حکم صادر کر دیتے ہیں۔ پھر اگر نہ مانو تو اولاد کو اولاد تسلیم کرنے سے سرے سے ہی انکاری ہو جاتے ہیں، نافرمانی کا ٹھپہ الگ سے لگا دیا جاتا ہے۔ یہ کیسی محبت ہے ابا کی، جس میں انہیں میری خواہش، میری خوشی کا دریغ ہی نہیں۔ ابا شاید بھول گئے ہیں جب ماں باپ ہی منہ موڑ لیں تو اولاد خود سر اور باغی ہو جاتی ہے۔" آخر میں آنسو پونچھتے ہوئے زارا نے بڑا پر اسرار لہجہ اپنایا تھا۔

"بغاوت کا اثر نسلوں پر پڑتا ہے اس بات کا بھی تمہیں اندازہ ہو گا۔ اب جب وقت گزر چکا ہے، کسی اور کے ہو جانے کا لمحہ دہانے پر کھڑا ہے، تب تمہیں جنگیں لڑنے کی سوجھ رہی ہے۔ اصل وقت پر تو تم بس ابا کے سامنے منمنا کر رہ گئیں تھیں۔ اماں اور میں تو خود ابا کی جلالی طعبیت کا شکار ہیں ہم پر کیوں توپیں چلاتی ہو۔ تمہیں چاہیئے تھا کہ اس رشتے پر ابا کو دوٹوک انکار کرتیں تب تو خاموشی اختیار کر لی تھی، خاموش طبع صدرِ ممنون حسین کی روح گھس آئی تھی غالباً۔ اب ہوائی فائرنگ سے کچھ نہیں ہو گا منہ ہاتھ دھو کر سو جاؤ۔ میں تمہارے راگ سنتی رہی تو فجر کی اذان ہو جائی گی۔ پہلے ہی بہت تھک چکی ہوں ایک تو سارا وقت کام کرو اوپر سے دکھڑے بھی سنو۔ تم میں کچھ کرنے کی ہمت نہیں تھی۔ اس لیے اب جو ہو رہا ہے اس پر صبر و شکر کر لو۔" اٹھ کر جانے سے پہلے لیزا نے ایک بار پھر اسکے شانے پر تھپکی دی تھی۔ پھر الماری سے اپنا ایزی سا شلوار قمیص نکال کر واش روم میں گھس گئی۔ رات کے تین بج چکے تھے۔ اس لیے بنا شاور لیے وہ لباس تبدیل کر کے باہر نکل آئی۔ لیزا اور زارا کا کمرہ تا حال مشترکہ تھا، جو کہ لیزا کی سوچوں کے مطابق کل پورا اسی کا ہو جانے

والا تھا۔

لیزا کو لیٹ نائیٹ جاگ کر کتابیں پڑھنے کی پرانی عادت تھی۔ جس پر زارا سے اسکی اکثر جھڑپ ہو جاتی۔ زارا کو مکمل اندھیرے کے بغیر نیند نہیں آتی تھی جبکہ لیزا کمرے کی ساری لائیٹس جلائے رکھتی تھی، مگر اب وہ خوشی سے نا سہی مگر اس گھر سے رخصت ہو رہی تھی۔ ایک بہن ہونے کے ناطے لیزا کو خوشی ضرور تھی۔ زارا حسب معمول لائیٹس آف کر کے سونے لیٹ چکی تھی۔ لیٹنے سے پہلے لیزا نے جھک کر زازا کو بغور دیکھا۔ آیا وہ سو گئی یا پھر سونے کا ڈرامہ کر رہی تھی۔ مگر وہ آنکھوں پر بازو رکھ کر چت لیٹی تھی۔ لیزا کو کچھ اندازہ نہ ہوا۔ اس لیے وہ بھی بستر پر لیٹ گئی۔ بدن تھکن سے چور چور تھا، لیٹتے ہی اسے پر سکون گہری نیند آگئی تھی۔ اس بات سے قطعی انجان، کل کا دن کونسا طوفان لے کر آنے والا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ اپنے آفس میں بیٹھا انتہائی اہم فائل پر جھکا اس کے چیدہ چیدہ نکات بڑے غور سے پڑھنے میں مشغول تھا، جب دھاڑ سے دروازہ کھول کر وہ اندر داخل ہوئی تھی۔ فارس نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا۔ اس کی نظر نووارد پر جم کر رہ گئی۔ فائل ہاتھ سے چھوٹ کر زمین بوس ہو گئی تھی اور خود وہ سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اتنے عرصے بعد مرحا کو اپنے سامنے پا کر وہ ششدر رہ گیا تھا، اس کے خیال میں تو وہ کبھی واپس نہ آنے کے لیے اس کی زندگی سے چلی گئی تھی۔ مگر سامنے موجود حقیقت کا آئینہ کچھ اور ہی عکس دکھا رہا تھا۔ مرحا جس طرح بنا اجازت کے اندر داخل ہوئی تھی ویسے ہی پورے استحقاق سے فارس کے مقابل کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی، اب وہ ٹانگ پر ٹانگ جمائے پورے آفس کا جائزہ لے رہی

تھی، اس کا آفس سادگی سے بھرپور مگر دلکش تھا۔ فارس بھی خود کو حیرت کے جھٹکے سے نکال کر سنبھال کر اب اپنی راکنگ چیئر پر براجمان ہو گیا تھا۔ کچھ لمحے کمرے میں سکوت چھایا رہا پھر مرحا نے سخت جذبات سے عاری لہجے میں بولنا شروع کیا۔

"تم سوچ رہے ہوگے کہ تمہاری زندگی سے آفت ٹل گئی۔ اپنی زندگی اب سکون سے گزار سکتے ہو، مگر میری اچانک آمد نے تمہاری ساری خوش فہمیوں کو خاک کر دیا ہو گا۔" وہ کہہ کر طنزیہ مسکرائی۔

"جس طرح میرا جانا بے مقصد نہیں تھا ٹھیک ویسے ہی میرے واپس لوٹنے کی بھی کئی وجوہات ہیں جو وقتاً فوقتاً تم پر وقت کے ساتھ ساتھ کھلتی رہیں گی۔ اس لیے اس معاملے میں تمہیں زیادہ متجسس ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ ایک بڑی خبر تمہیں دینا چاہتی ہوں۔" کہتے ہوئے وہ تھمی اور اپنے پرس میں ہاتھ ڈال کر چند کاغدات نکال کر سامنے میز پر رکھ دیئے۔ فارس اسی کی جانب پوری طرح متوجہ تھا۔ اس کی ساری باتیں خاموشی سے سن کر اس کی آمد کا بھید جاننے کی چھوٹی سی کوشش تھی۔ فارس نے تہہ شدہ پیپرز کھول کر پڑھنا شروع کیا تو دماغ بھک سے اڑ گیا۔ ماتھے پر تیوری پڑنے کے ساتھ ساتھ چہرے پر شدید تناؤ کی بدولت سرخی بھی پھیل گئی۔

"واٹ ربش!" فرطِ جذبات میں آکر اس نے کاغذ مرحا کے سامنے میز پر پٹخ دیا۔

مرحا کے دل پر سکون کی ٹھنڈی میٹھی سی پھوار پڑی تھی، فارس خاکان کو تڑپانا اسے جلانا اس کی زندگی کا واحد مقصد تھا، اس کے چہرے پر یہ تاثرات دیکھنے کے لیے ہی تو اس نے انتھک محنت کی تھی۔ اب جب جدوجہد کا ثمر ملنے کا وقت آیا تھا تو کیونکر نہ خوشی ہوتی۔

"تمہاری کمپنی کی ففٹی پرسنٹ کی مالکہ اب میں ہوں بیرسٹر فارس خاقان۔ کیوں کیا ہوا؟ اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا، پھر سے پڑھنا۔ اس بار انتہائی غور سے پڑھنا، تم تو بڑے وکیل ہو، پہلی سنوائی ہی میں کیس جیت لینے کا فن رکھتے ہوئے اچھی طرح پرکھ سکتے ہو یہ پیپرز، اصلی ہیں۔" مرحا کا کاٹ دار لہجہ فارس کے وجود اور روح دونوں کو چھلنی کر رہا تھا، مگر وہ اسے برا بھلا کہہ سکتی تھی اس پر طنز کرنے کا حق تھا مرحا کو وہ کوئی احتجاج نہیں کر سکتا تھا اس لیے لب بھینچے بیٹھا رہا۔

"دس دس فیصد کے مالکان تمہاری کمپنی کے شئیر ز ہولڈرز جن سے دگنی قیمت پر میں نے تمہاری کمپنی کا ہاف پرسنٹ خرید لیا ہے، ٹھیک ویسے ہی جیسے تمہارے باپ نے ہمارے گواہوں کا ایمان چند سکوں کے عوض خرید لیا تھا نہ۔ اس کو مظلوم پر رتی بھر ترس آیا تھا اور نہ ہی روز محشر کا خوف۔۔۔" مرحا کے لہجے میں گہری چوٹ کا صدمہ اور تلخی کی کاٹ برف کی طرح گھلی ہوئی تھی۔ اس بات کا جواب دینا تو دور فارس کو اس سے نظریں ملانا بھی دوبھر محسوس ہوا تھا۔

"تم کیا چاہتی ہو؟" اس نے مصالحت آمیز اندار اپنایا تھا اس کے سوا مرحا نے اس کے لیے کسی قسم کا کوئی آپشن نہیں چھوڑا تھا۔

"سکون۔۔۔" وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی تھی۔ فارس کو اس کی آنکھوں سے وحشت ٹپکتی محسوس ہو رہی تھی، اس کی کالی بڑی بڑی آنکھوں کا اضطراب، بے چینی وہ واضح پڑھ سکتا تھا۔ اس کے چہرے کی اداسی، ہونٹوں پر چھایا سکوت، اس کی تکلیف، اس کی مضطرب زندگی کی غمازی تھیں۔ فارس اگر سب کچھ بیچ کر بھی اس کا نقصان

پورا کرنا چاہتا تب بھی اس کے غم اور اپنی زیادتی کا ازالہ نہیں کر سکتا تھا۔ یہ بات وہاں بیٹھے دونوں نفوس جانتے تھے اس لیے اس موضوع پر مزید کوئی بات چیت سے ارادی طور گریز برتا گیا تھا۔

"تم میرے پاٹنر کی حیثیت سے کمپنی جوائن کرنا چاہتی ہو تو مجھے اس بات سے کوئی اعتراض نہیں۔" اپنے پھینکے ہوئے پیپرز اٹھا کر طے کرتے ہوئے فارس نے مرحا کی جانب بڑھائے جنہیں اس نے تھام کر واپس پرس میں مقید کر دیا۔ پہلے چند انجان اس کے ساتھ شریک تھے، اب اس کی منکوحہ اس کے بزنس میں حصے دار بن گئی تھی۔ دیکھا جاتا تو دونوں باتوں میں فارس کے لیے کوئی خاص فرق نہیں تھا، اس کے نکاح میں ہونے کے باوجود مرحا اس کے لیے پرائی اور اجنبی ہی تھی، خیر نکاح بھی کوئی عام معمولی نکاح نہیں تھا، اس لیے وہ دونوں ایک دوسرے سے روایتی بندھن میں بندھنے کی نہ تو کوئی توقع رکھتے تھے اور نہ ہی دلِ مضطر میں ایسی کسی خواہش نے دبے پاؤں پھن پھیلائے تھے، یہ نکاح صرف ایک کاغذی کاروائی کی طرح صفحات پر محیط تھا۔ ان کی زندگی میں نہ اس کی کوئی جگہ تھی اور نہ ہی ضرورت۔

"تمہارے لیے یہی بہتر ہو گا۔" نظروں ہی نظروں میں اسے کچھ جتا کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ دائیں کلائی پر بندھی گھڑی پر نگاہ دوڑائی تو پونے دو کا عندیہ ملا۔

"اپنے ڈرائیور سے کہو کہ مجھے تمہارے گھر ڈراپ کر دے۔" کھڑے کھڑے ہی مرحا نے جیسے نیا حکم صادر کر کے فارس کو ایک بار پھر سے اچھنبے میں مبتلا کر دیا۔

"تمہارے کہنے کا مطلب ہے۔۔۔۔" فارس نے دانستہ طور پر جملا ادھورا چھوڑا

اسے جیسے اپنی سماعت پہ شبہ ہوا تھا۔

"کیوں تمہارے خیال میں تمہاری بیوی کو کہاں ہونا چاہیئے۔" یہ بات کہتے ہوئے مرحا بالکل بھی شرمائی لجائی نہیں تھی، دل میں سامنے والے کے لیے کوئی جذبات ہی نہیں تھے۔ تعلق کی نوعیت ایسی تھی جس میں محبت اور شرم دونوں کے لیے کوئی گنجائش نہیں تھی۔

فارس اس سے کہنا چاہتا تھا کہ اس کی بیوی کو زندگی اور دل میں ہونا چاہیئے تھا مگر خاموش رہا۔ مزید باز پرس کیے بغیر اس نے اپنے موبائل سے ڈرائیور کو کال کر کے مرحا کو گھر ڈراپ کرنے کا کہا تھا۔

"تمہارے آفس میں شاید دشمنوں کو چائے کافی پوچھنے کا رواج نہیں خیر چلتی ہوں۔" اس کے فون بند کرتے ہی ہلکا سا طنز اچھال کر اپنے اور اس کے رشتے کی نوعیت اس پر بہانے سے ظاہر کی اور وہاں سے چلی گئی۔

"دشمن۔۔۔" فارس نے زیر لب دہرایا۔ نازک سی نظر آنے والی وہ بائیس تیئس سالہ خود کو چالاک سمجھنے والی سادہ سی لڑکی، اس سے دشمنی نبھانے نکل کھڑی ہوئی تھی۔ وہ اس کی زندگی میں آندھی طوفان کی طرح شامل ہوئی تھی۔ اب تھپیڑے برساتی یہ تیز ہوا اسے کس رخ لے کر جانے والی تھی یہ وہ خود بھی نہیں جانتا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

بارات کا فنکشن بھی رات کے وقت مختص ہوا تھا اس لیے لان میں آج بھی سرِ شام گہما گہمی لگی ہوئی تھی۔ زارا پالر جانے سے پہلے اس سے ملنے آئی تھی جہاں لیزا دودھ پلائی کی

رسم کی تیاری کر رہی تھی۔ لیزا میک اپ کی خاص شوقین نہیں تھی اور آج تو یوں بھی اس کے پاس پارلر جانے کا وقت نہیں تھا اس لیے زارا اکیلی ہی کو احمر ڈارپ کرنے جا رہا تھا۔

"میں جا رہی ہوں۔" کہہ کر زارا اس کے گلے لگ گئی تھی۔ لیزا نے بھی کس کر اسے اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا۔

"جاؤ اور اچھے سے تیار ہونا بہت خوبصورت لگنا ہے تمہیں۔" لیزا نے اپنی جانب سے اسے تاکید کی۔ زارا اس سے جدا ہوتے ہوئے کچھ مضمحل سی دکھائی دی۔

"کیا ہو گیا ابھی اماں سے چمٹ کر روئے جا رہی تھی اور اب گھر کو یوں دیکھے جا رہی ہو کہ مانو آخری دیدار ہو پارلر سے ہی تھوڑا رخصت ہونا ہے تمہیں؟ گھر ہی واپس آؤ گی۔ خیر میں بھی فضول بول رہی ہوں۔ جلدی سے جاؤ تم، بارات آنے والی ہو گی اور بہت سے کام کرنے والے باقی پڑے ہیں۔ اسٹیج پر بھی بچوں نے عجیب ہی ادھم مچا رکھا ہے۔" لیزا بولتی ہوئی کچن سے نکل گئی۔ زارا لب کچل کر رہ گئی۔ پھر وہاں مزید رکے بغیر وہ باہر پورچ میں چلی آئی۔ جہاں احمر اور ابا دونوں ہی اس کے منتظر کھڑے تھے۔

"دیکھو بیٹا دھیان سے جانا اور جلدی واپس آجانا ایسے موقعوں پر زیادہ دیر کرنا مناسب نہیں ہوتا۔" ابا نے اس کے سر پر دستِ شفقت دراز کیا تو اس کی پلکیں آنسوؤں سے بھیگ گئیں۔ زارا اور احمر کو رخصت کر کے ہاشم صاحب لیزا کے پاس چلے آئے۔

"سب انتظامات ہو چکے ہیں اور اب بس بارات بھی آنے ہی والی ہے۔ تھوڑی ہی دیر میں تم جاؤ اپنی ماں کو بلا لاؤ اور خود بھی جلدی سے تیار ہو جاؤ۔"

ابا نے اطلاع اور حکم ساتھ ساتھ دیئے تھے۔ وہ بھی جی اچھا کہہ کر گھر کے اندرونی

حصے کی جانب بڑھ گئی۔

گھر میں خاندان کے اکا دکا مہمانوں کی آمد بھی شروع ہو چکی تھی۔ گھر میں رونق کا سماں بندھنے لگا تھا۔ اماں کو مہمانوں اور محفل کا خیال رکھنے کا کہہ کر وہ اپنے کمرے میں آگئی تھی۔ دس منٹ میں جلدی سے نہا کر ڈرائیر سے اپنے بال سکھا کر اس نے کاسنی کلر کا شیفون کا سوٹ زیب تن کیا جس پر پرل کے موتی جڑے تھے۔ بالوں کی فرنچ چٹیاں بنائی دوپٹہ گلے میں ڈالا پیروں میں میچنگ ایڑھی والا جوتا پہن کر آج بھی اس نے ہلکی سی لباس کے ہم رنگ ہی لپ اسٹک لگالی۔ جانے سے پہلے شیشے میں کھڑے ہو کر اس نے خود کو بغور دیکھا۔ وہ آج بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔

"چشمِ بددور" اس نے خود پر ہی پیار جتایا اور پھر کھکھلا کر باہر کی جانب دوڑی، جہاں بارات کی جانب کا شور اٹھا تھا۔ جلدی سے ساری کزنز کو پھولوں کی تھالیاں پکڑاتی اور خود بھی ایک تھال پکڑے سب کے ساتھ اسٹیج کے راستے میں بچھے سرخ قالین کے راستے میں قطار بنائے جم کر کھڑی ہو گئی۔ ہر سو ڈھول باجے کی آوازیں گونجیں۔ پٹاخیں شرلیاں چلی اور لوگوں کے نرغے میں گھرے گولڈن شیروانی میں ملبوس سر پر سرخ کلہ سجائے پیروں میں شیروانی کے ساتھ میچ کھسہ، اڑسے اپنی گھنی مونچھوں کو تاؤ دیتے دولہا میاں داخل ہوئے۔

"سبحان اللہ!" جلال کے چوڑے چکلے جاذب نظر چہرے پر لیزا کی نگاہ ٹھہر کر نہیں دے رہی تھی۔ اس پر آئے روپ کو دیکھ کر بے ساختہ ہی لیزا کے لب پھڑپھڑائے تھے۔ مہمان کرسیوں کی جانب بڑھ گئے جبکہ دولہا میاں اپنی والدہ اور اکلوتی بہن ایمان کے ہمراہ

چلتے ہوئے اسٹیج کی طرف چلے آئے جہاں تشریف رکھنے کا بقلم خود ابا میاں نے کہا تھا۔ آدھے راستے تک ساتھ بھی آئے مگر پھر پھولوں کی برسات ہوتے دیکھ واپس پلٹ گئے۔ جلال جب تک اسٹیج پر بیٹھ نہیں گیا تھا پھولوں کی بارش جاری و ساری رہی آخر میں لیزا کی تھال میں کچھ پھول باقی بچ گئے تھے وہ اسٹیج پر چڑھ گئی۔

"اسلام علیکم!" بڑے والہانہ پن سے جلال کو سلام پیش کیا۔ ساتھ ہی ساجدہ آنٹی اور ایمان کو بھی مسکرا کر دیکھا انہوں نے بھی مسکان سے ہی جواب دیا۔

"وعلیکم اسلام" جلال نے انتہائی پر تکلف انداز میں اس کے سلام کا جواب دیا تھا۔ لیزا نے بڑے بوڑھوں کی طرح سر کو جنبش دی۔ پھر پھولوں والا تھال سارا کا سارا اس پر اچھال کر قہقہے اچھالتی بنا رکے پلٹ گئی۔ جبکہ وہ اس حملے کے لیے بالکل بھی تیار نہیں تھا۔ کرنٹ کھا کر ہی بیٹھے بیٹھے حرکت میں آیا تھا۔ ساجدہ بیگم اور ایمان نے بھی لیزا کی اس حرکت کو دل کھول کر انجوائے کیا۔ جبکہ جلال نے ان کے اس طرح ہنسنے پر شاکی نظروں سے ماں اور بہن کو دیکھا تھا۔

"واہ بھائی ایسی رنگین مزاج، شرارتی سالی ہو تو زندگی میں لطف برقرار رہتا ہے۔ کاش بھابھی بھی اپنی بہن جیسی ہوں، ایسی شوخ و چنچل لڑکی کی اشد ضرورت تھی آپ کی زندگی میں۔ قربان جاؤں میں لیزا کی جسارت پر، بڑے بڑوں کا خون آپ کے سامنے خشک ہو جاتا ہے اور انھوں نے بھری محفل میں آپ کو مزاح کا عنصر بنا کر پیش کر دیا۔" کسی جانب سے بر آمد ہوتے شہریار نے جلال پر جملہ کسا تھا۔ جلال نے ٹیڑھی نظروں سے اسے دیکھا۔

"اچھا اگر ایسی بات ہے تو تمہارا وقت بھی قریب تر ہے۔" دھیما دھیما سا مسکرا کر جلال نے اسے اپنی طرف سے اس کے مستقبل سے خبر دار کرنا چاہا تھا۔ شہریار اس سے چھوٹا تھا اس لیے دونوں کی شادی اکٹھے طے کرنے کے باوجود مرزا صاحب (ان کے والد) نے جلال اور شہریار کی بارات میں دو دن کا وقفہ رکھا تھا۔ وہ نہایت پرانے خیالات کے روایت پسند اور اصول پرست انسان تھے اس لیے ہر کام طریقے سے کرنے کے قائل تھے۔ آج سے ٹھیک دو دن بعد شہریار کی شادی تھی اور پھر اس سے اگلے روز شہریار اور جلال کا مشترکہ ولیمہ ہونا پایا تھا۔

"میں تو کب سے ان چٹکلوں کے لیے تیار ہوں اب پتہ نہیں دو دن کس طرح کٹیں گئے۔" جلال کی بات پر شہریار جھوم کر بولا ساتھ ہی ٹھنڈی ٹھار آہ بھری۔

"نہایت ہی بے صبرے واقع ہوئے ہو تم۔" جلال نے تاسف سے اسے دیکھ کر سر دائیں بائیں ہلایا جیسے کہنا چاہ رہا ہو تمہارا کچھ نہیں ہو سکتا۔

"ایسا بھی کیا صبر کہ انسان اپنی بنیادی خواہشات کا قلعہ قمعہ کر دے۔ آپ سی پتھر دلی ہم سے تو نہ ہو گی۔" شہریار نے جذبات میں آکر ہاتھ ہی کھڑے کر دیئے۔

"کوئی بات نہیں۔ بھابھی آ جو رہی ہیں بھائی کی کایا پلٹنے کے لیے۔ یہ ساری اکڑ شادی سے پہلے تک کی ہوتی ہے۔ ادھر آپ کی زندگی میں بھابھی کی انٹری ہو گئی اور ادھر آپ مجنوں بنے ان کے آگے پیچھے گھومتے ہوئے پائے جائیں گے۔" ایمان نے بھائیوں کی ذو معنی گفتگو میں پہلی مرتبہ شریر سی مداخلت کی تھی۔ جس پر شہریار نے "بالکل" کہہ کر فوری تائید کی تھی جبکہ جلال نے "دیکھیں گے" کہا اور جیسے اس جرح سے اپنی جان چھڑائی۔ تب ہی

اسٹیج پر زیب النساء چلی آئیں۔

"ہماری بہو کہاں ہے؟" ان کے آتے ہی ساجدہ نے اشتیاق سے زارا کے بابت پوچھا تھا۔

"جی بس احمر اسے پارلر سے لینے جا ہی رہا ہے، آپ کو تو پتہ ہے آج کل کے فیشن، پہلے زمانوں میں تو لڑکیاں گھر پر ہی سج سنور لیا کرتی تھیں، مگر اب تو ذرا ذرا سی بات پر پارلروں کے چکر لگانے لگتیں ہیں، اور آج تو خیر سے زارا کی شادی ہے وہ کسر نہیں رکھے گی اپنے بناؤ سینگھار میں۔ زارا تو یوں بھی بناؤ سنگھار کی شروع سے ہی شوقین ہے، مگر میری لیزا اس معاملے میں بالکل ہی اناڑی ہے، بہت ہی سادہ مزاج۔" زیب النساء نے سمدھن کو خاصا طویل جواب دیا تھا۔ جلال بھی ان کی باتوں کی جانب ہی متوجہ تھا۔ زارا کی یہ خصوصیت سن کر اس نے بھنوئیں اچکائیں۔ اسے اس معاملے میں کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی۔ لڑکیاں میک اپ کریں یا نہ کریں اس بات پر کبھی بھی جلال نے کوئی رائے نہیں دی تھی، اس کے خیال میں شخصی آزادی ہر انسان کا بنیادی حق ہے۔ کوئی جس طرح چاہے ویسا طرزِ زندگی اختیار کرنے پر مکمل طور پر قادر ہے۔ کسی دوسرے کو تنقید یا اعتراض کا حق بہر حال اس کی نظر میں نہیں تھا۔

"بس بچیوں کو شوق ہوتا ہے میری ایمان بھی میک اپ کی بڑی شوقین ہے۔ آج بھی سب سے آخر میں اس کی تیاری مکمل ہوئی اور پھر زارا کی زندگی کا تو یوں بھی یہ انتہائی اہم دن ہے۔" ساجدہ نے بھی ان کی رائے سے اتفاق کیا تھا۔

"ویسے بہن آپ کی چھوٹی بیٹی بالکل ہیرا ہے۔ قدرتی حسن کی مالک ہے۔ اسے دیکھ

کر یہ بناؤ سینگھار کے مصنوعی لوازمات سب بیکار ہی لگتے ہیں۔" انہوں نے تعریف کی تو زیب النساء نے بھاگ دوڑ کر سارے کام بڑی مہارت سے نبٹاتی لیزا کو محبت بھری نظروں سے دیکھا ساتھ ہی بے اختیار "-ماشائاللہ" بول اٹھیں۔

"ویسے برا نہ مانیں تو ایک بات پوچھوں؟" ساجدہ ساتھ بیٹھی زیب النساء کے ہاتھ پر اپنائیت سے دباؤ ڈالتے ہوئے خاصے رازدارانہ انداز میں گویا ہوئیں تھیں۔

"کیسی باتیں کر رہی ہیں بہن جی بلا جھجک پوچھیئے۔" زیب النساء نے فوراً ہی اپنے پن کا غرور جتاتت ہوئے کھلا حق بخشا۔

"آپ نے لیزا کی نسبت کہیں طے کی ہے یا نہیں؟" سوال حاضر تھا انداز کرید نے والا تھا۔ زیب النساء شش و پنج میں پڑیں آیا دل کا بھید کھولیں یا نہیں۔ ساجدہ کی نظریں ان کے بدلتے تاثرات پر ہی جمی تھیں۔ زیب النساء کو ٹال مٹول مشکل لگی۔

"دراصل احمر کے بارے میں تو آپ جانتی ہیں۔ میرے بیٹے جیسا ہے مگر ہے میرے جیٹھ کا بیٹا۔ بڑی محبت سے پالا ہے ہم نے اسے۔ لیزا کے ابا میاں اور شفیق بھائی دونوں کی ہی دلی آرزو ہے کہ لیزا کا رشتہ احمر سے ہو جائے، میری بیٹی گھر میں ہی رہ جائے اس سے بڑھ کر مجھے اور کیا چاہیئے۔" بلاآخر انھوں نے اپنا ارادہ ان کے گوش گزار کر ہی دی تھا، جس پر ساجدہ کے چہرے پر حقیقی خوشی کے رنگ جھلک پڑے تھے۔

"چلیں بس اللہ سب کی بچیوں کے نصیب اچھے کرے۔" انہوں نے تہہِ دل سے دعا دی تو زیب النساء نے بڑی شدت سے آمین کہا۔ جبکہ جلال نے ان کی گفتگو سن کر اک سرسری سی نظر سامنے پورچ میں کھڑی لیزا پر ڈالی۔ احمر کے ساتھ کھڑی جانے کس

موضوع پر اس سے محو گفتگو تھی۔ فطری تجسس سے مجبور ہو کر بالکل غیر ارادی طور پر جلال نے لیزا اور احمر کے تاثرات سے ان کے درمیان موجود تعلق کی نوعیت کا اندازہ لگانا چاہا تھا، آیا وہاں بھی ایک دوسرے کے لیے پسندیدگی موجود ہے یا پھر یہ محض بڑوں کی سوچ اور منصوبہ بندی ہی ہے، احمر کی کسی بات پر ہنستے ہوئے لیزا ایڑھیوں کے بل زرا سا اوپر اٹھ کر احمر کے بکھرے بال سنوار رہی تھی کچھ تھوڑا احمر بھی نیچے کو جھکا ہوا تھا۔ لیزا کا قد پانچ فٹ چھ انچ کے قریب تھا۔ جبکہ احمر چھ فٹ لمبا بھرپور مرد لگ رہا تھا۔ جلال کو دونوں کی جوڑی پرفیکٹ اور بھرپور لگی گو کہ خود جلال بھی لمبا چوڑا وجیہہ مرد تھا اس کی پرسنیلٹی شاندار تھی۔

یونیورسٹی کالج کے زمانے میں لڑکیاں اسے دیکھ دیکھ کر آہیں بھرا کرتی تھیں۔ مگر اس نے کسی کو گھاس نہیں ڈالی تھی۔ وہ اپنے انسٹیٹیوٹ کا سب سے جاذب نظر اور ہینڈسم نوجوان تھا۔ طعبیت میں زرا سا اکڑاؤ پیدا ہو جانا کوئی ایسا معیوب نہیں تھا۔ حتیٰ کہ اپنا بزنس جوائن کر لینے کے بعد بھی اس نے کبھی کسی لڑکی میں اپنی دلچسپی ظاہر نہیں کی تھی۔ اس لیے مرزا صاحب نے اپنے ایک پرانے، گہرے دوست کی بیٹی کا پرپوزل اس کے سامنے پیش کیا تھا۔ وہ ابھی شادی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ مگر مرزا صاحب کے اصرار پر اسے ماننا پڑا تھا۔ کچھ اس رشتے میں ایسی کوئی برائی بھی نظر نہیں آئی تھی جس کی بنیاد پر وہ یہ آفر رد کرتا۔ لڑکی پڑھی لکھی اور گھریلو ہونے کے ساتھ ساتھ شکل و صورت میں بھی کم نہیں تھی۔ ایک روایتی، عام مشرقی مرد کو اس سے زیادہ کی توقع اپنی شریک حیات سے اور کیا ہو سکتی تھیں۔ کچھ شہریار کی شادی بھی اسی کی بدولت لیٹ ہو رہی تھی۔ وہ کسی اور کی خوشیوں کی رکاوٹ

نہیں بننا چاہتا تھا۔ اس لیے وہ تمام تر حیلے بہانے چھوڑ کر شادی جیسا رسک اٹھانے پر تیار ہو گیا تھا۔ ہاں ارینجڈ میرج اس کے نزدیک ایک رسک ہی تھی۔ وہ شروع سے ہی ارینجڈ میرج کے خلاف تھا۔ یونیورسٹی کے میگزین میں اس ٹاپک پر وہ کئی تڑکتے بھڑکتے ہوئے آرٹیکل بھی لکھ چکا تھا۔ لو میرج کے بارے میں اس کی رائے جاننے کے بعد کئی لڑکیوں کے دل کی آرزو امید میں بدلی تھی۔ مگر اظہار کے حوالے سے وہ ایک کھلی بند شخصیت کا مالک تھا۔ نہ کسی پر پوری طرح سے عیاں ہوتا تھا نہ ہی بند کتاب ثابت ہوتا۔ اوپر سے جلال کی یہ خواہش کوئی ایسی لڑکی ہو جو اس کے من، اس کی روح کو سمجھے، محسوس کرے۔ مگر آج کل کے نفسا نفسی کے دور میں ہر کسی کے اندر انا میں کوٹ کوٹ کے بھری تھی۔ کسی دوسرے کے بارے میں تو کوئی سوچنا گوارہ ہی نہیں کرتا تھا۔ کجا کہ کسی کے جذبات و احساسات کو قیمتی آبگینے کی طرح دل کے صندوق میں سنبھال رکھنا۔ یہی وجہ تھی کہ کوئی بھی لڑکی اس تک رسائی حاصل کرنے میں اب تک ناکامیاب رہی تھی۔ وہ سب اس کی ظاہری شخصیت کی دیوانی تھیں۔ اس کے حسن پر مر مٹی تھیں۔ جبکہ اسے کسی روح کی متلاشی، جذبوں سے لبریز لڑکی کی تلاش تھی۔ اب چونکہ اس کی تلاش تھم گئی تھی لیکن امید سی تھی کہ اس کی جیون ساتھی اس کے رنگوں میں رنگ جائے گی یا پھر شاید وہ وہی لڑکی ہو جسے وہ ہمیشہ سے اپنی سنگت میں دیکھنا چاہتا تھا۔ جلال کوئی سو فیصد رائے تو نہیں دے سکتا تھا مگر لیزا اور احمر کو ساتھ ساتھ دیکھ کر یہی لگ رہا تھا جیسے ان میں بلا کی انڈراسٹینڈنگ ہو۔

فوٹوگرافی کے لیے بلوایا گیا شہر کا سب سے بڑا فوٹوگرافر پہنچ چکا تھا، شہریار، ایمان اور جلال نت نئے پوز بنا بنا کر تصویریں اتروانے لگے تھے۔ مزید چند ایک دوست احباب اور

اماں ابا نے بھی اس مشغلے میں حصہ لیا تھا۔ احمر زارا کو لینے جا چکا تھا۔ باقی بھی سب انتظامات مکمل تھے۔ پروگرام وقت ست تاخیر کی جانب مائل ہوا تو ابا میاں کے حکم پر نکاح سے پہلے ہی کھانا لگوا دیا گیا۔ دلہن کی تاحال غیر حاضری پر اب سب کو ہی کھد بھد سی مچنے لگی تھی۔ نکاح کے لیے بھی مولوی صاحب کب سے آئے بیٹھے تھے۔

جلال کے لیے کھانا لیزا نے بطورِ خاص اسٹیج پر ہی رکھے میز پر چنوا دیا تھا۔

"میری تو بھوک ہی اڑ گئی ہے کھانے کو دیکھ کر۔" جلال نے برجستہ کہا۔ اس کے اس جملے پر قریب بیٹھے شہریار اور ایمان دل کھول کر ہنسے تھے۔ لیزا بھی کافی لطف اندوز ہوئی۔ وہ اس کا ہونے والا بہنوئی تھا اس لیے وہ اسے جی بھر کر پروٹوکول دے رہی تھی۔ زبردستی کھانا اس کی پلیٹ میں بھرتی جا رہی تھی۔ جبکہ وہ بس بس کہتا بے حد ہی بے کس و مجبور لگ رہا تھا۔ کچھ شہریار کی آنکھوں سے ٹپکتی شرارت اسے مزید جھینپ میں مبتلا کر رہی تھی۔

"جلال بھائی اپنی شادی کے کھانے کا جو مزہ ہے وہ اور کسی کھانے میں نہیں ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ آپ اس ذائقے سے محروم رہ جائیں۔" لیزا نے اپنے اصرار کی وجہ بتائی۔ اسی پل ایمان موبائل لیے سیلفی لینے کو تیار ہو گئی۔ لیزا وہاں سے جانے لگی تو ایمان نے اسے ہاتھ سے پکڑ کر روک لیا۔

"تم بھی تو اس سیلفی کا حصہ بنو آخر جلال بھائی کی آدھی گھر والی ہو۔" ایمان نے جلال اور لیزا دونوں کو چھیڑا تھا۔ لیزا کے چہرے پر شرم سے ہلکی سی سرخی پھیل گئی تھی۔ جلال بھی زیر لب مسکرایا تھا۔ یہ دھیمی دھیمی سی مسکراہٹ اس کی شخصیت کا خاصہ تھی۔

لیزا اس کی مسکراہٹ کی دلکشی کو بطور خاص کتنی دیر تک دیکھا تھا۔ بے اختیار اسے زارا کی قسمت پر رشک ہوا۔

جلال کی شخصیت میں کسی قسم کی کوئی کمی نہیں تھی۔ اللہ نے چن کر ہیرو جیسا انسان اس کے لیے بھیجا تھا مگر انسان بڑا بے صبرا اور ناشکرا ہے۔ اللہ کی مصلحت کو دیکھنے والی آنکھ نہیں رکھتا اس لیے جلد بازی میں اپنی تقدیر کے فیصلے کرنے خود نکل کھڑا ہوتا ہے۔ انجام کا رسک سر پر اٹھائے، بعد میں بے شک پچھتاوں کی گٹھڑی ہی سر پر لاد کر عمر کیوں نا گزارنی پڑے۔

ایمان نے اسی وقت اپنے موبائل میں اس منظر کو ہمیشگی کے لیے قید کر لیا تھا۔ اب تصویر کچھ یوں آئی تھی کہ جلال لیزا اور شہریار کے درمیان میں کھڑا اپنے ہی ترنگ میں زیریں مسکراہٹ بکھیر رہا تھا لیزا گہری اور متاثر کن نظریں اس پر جمائے ہوئے تھی، جبکہ شہریار وکٹری کا نشان بنائے اپنی فتح پر نازان دکھائی دے رہا تھا کہ آخر جلال کی شادی کی شرط پوری ہوئی تھی۔ تب ہی مرزا صاحب نے اس کے دل کی مراد پوری کرنے کا بھی فیصلہ کیا تھا۔ سیلفی میں ایمان پاوٹ بنائے ان سے چند قدم آگے کھڑی تھی۔ بلاشبہ یہ تصویر زندگی کے رنگوں سے بھرپور تھی۔ اسی وقت لیزا کے ہاتھ میں اس کا موبائل وائبریٹ ہوا تھا۔ اسکرین پر زارا کا نام روشن ہوتا دیکھ کر وہ دوسری سائیڈ چلی آئی۔

"میں ابا کی بندوق سے نہیں ڈرتی لیزا، مجھ میں اپنی محبت کو نبھانے کا دم ہے۔" ہوا کی ہتھیلی پر رکھ کر بھیجا گیا پیغام لیزا کے سیدھا دل پر لگا تھا۔ ٹھاہ۔ دماغ چکرا گیا، کان سائیں سائیں کرنے لگے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

مرحا گھر کے ملازمین سے معلوم کر چکی تھی، فارس کا کمرا نیچے والے فلور پر ہی تھا۔ گھر خاصا بڑا اور کشادہ ہونے کے ساتھ ڈبل اسٹوری بھی تھا۔ نیچے فارس خود رہائش پذیر تھا جبکہ اوپر کا پورشن خالی ہونے کے باعث سناٹے میں ڈوبا رہتا تھا۔

وہ فارس کے کمرے میں داخل ہوئی۔ کوئی سامان اس کے ہمراہ نہیں تھا۔ اپنا بیگ وہ باہر لاؤنج میں چھوڑ آئی تھی۔ اس نے جوں ہی سوئچ بورڈ تلاش کر کے کئی بٹن پش کیے تو کمرہ روشنی میں نہا گیا۔ وہ کمرہ گھر کا ماسٹر پیس تھا شاید تمام کمروں کی نسبت بہت زیادہ وسیع اور بڑا تھا۔ کمرے کے عین وسط میں ڈبل بیڈ بچھا ہوا تھا جبکہ بیڈ کے پائنتی والی دیوار کے اوپر ایل ای ڈی نصب تھی۔ اسکرین کے نیچے صوفہ اور صوفے کے آگے خوبصورت شیشے کا میز پڑا تھا۔ بائیں دیوار پر رائٹنگ ٹیبل رکھا ہوا تھا جس کے ساتھ جڑی دیوار پر خوبصورت سٹائلش بک ریک طرح طرح کی کتابوں سے بھرا تھا۔ بائیں دیوار پر فریم میں قید اس کی مختلف اقات کی یادگار تصویر دیوار کی زینت بنیں ہوئیں تھیں۔ اس دیوار کے ساتھ ڈریسنگ روم کا دروازہ تھا جسے کھول کر وہ اندر چلی آئی۔ وہاں ڈریسنگ ٹیبل اور تین پٹ والی ایک الماری دھری تھی۔ اٹیچڈ واش روم تھا جو بے حد کھلا اور شاندار تھا۔

"میری زندگی میں ذہر گھول کر اس طرز کی عیاشیاں تمہیں زیب نہیں دیتی فارس۔ "اس کے عالی شان بنگلے اور سہولیات سے پر زندگی کو دیکھ کر بے اختیار اسے قبرستان کی کچی سخت مٹی اور وہاں کی ہولناکی یاد آئی تھی۔ اس کی خود کلامی میں نفی اور پھنکار تھی۔ "میں تمہاری زندگی اتنی تنگ کر دوں گی فارس چاہ کر بھی تم بے سکونی اور اضطراب

سے چھٹکارا حاصل نہیں کر پاؤ گے یہ میرا تم سے وعدہ ہے۔" اس کے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے مرحا نے اس کی ہنستی مسکراتی شاید کسی تقریب میں کھینچی تصویر کو مخاطب کیا تھا۔ مرحا کا ارادہ مصمم اور نفرت بے پناہ تھی وہ اپنے کیے پر پورا اترنے کو بلکل تیار تھیں اسی لیے آنکھیں بند کر کے بیڈ پر آڑی ترچھی لیٹ کر اگلا لائحہ عمل طے کرنے لگی۔ اس بات سے کسی حد تک بے نیاز کہ ساری پلاننگ تو ہمیشہ کن فیکون کرتا ہے انسان تو بس ایک کٹھ پتلی ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

جلال، مرزا صاحب، ہاشم، زیب النساء اور ساجدہ اس وقت اندر حال کمرے میں دروازہ بند کیے بیٹھے تھے۔ میسج لیزا کے موبائل میں آیا تھا اس لئے وہ سب کی عدالت کے کٹہرے میں سر جھکائے کھڑی تھی۔ ساری حقیقت جان کر وہاں موجود سب ہی لوگوں کو جیسے سانپ سونگھ گیا تھا۔ لیزا نے میسج بعد میں دکھایا تھا زارا کے لاپتہ ہونے کی خبر سب سے پہلے پارلر سے تنہا لوٹ کر آئے احمر نے سنائی تھی۔

"ہاشم ہمارے مذہب کے مطابق ہمیں ان معاملات میں پہلے اپنی اولاد خاص طور پر بیٹیوں سے ان کی رائے معلوم کرنے کا حکم ملا ہے اس کے باوجود تم نے ایسی حرکت کی مجھے شرمندگی ہے۔ جب تمہیں سارے معاملے کا علم تھا پھر بھی زور زبردستی کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اب سارے خاندان کے سامنے کتنی رسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا صرف تمہیں نہیں بلکہ ہمیں بھی، ہم خاندانی لوگ ہیں۔ اب کس منہ سے باہر جا کر سب کو سچ بتائیں۔ "مرزا صاحب کو رنج اور پریشانی نے گھیرا ہوا تھا جبکہ ہاشم صاحب ان کے سامنے سر جھکائے شرمندگی کے زیر اثر تھے۔ بیٹی نے ان کی ناموس کو سر بازار رسوا کر دیا تھا وہ بھلا

اپنی صفائی میں کیا کہتے۔

"آپ لوگوں نے بہت زیادتی کی ہے اپنی بیٹی کا حق مارنے کی کوشش تو ایک طرف بھائی صاحب ہماری عزت کا بھی ذرا خیال نہیں کیا آپ نے۔ بے جا جبر کا یہی نتیجہ نکلتا ہے۔ آپ لوگوں کو اس بات کا پہلے ہی اندازہ ہونا چاہیے تھا میرے بیٹے کی زندگی کا تماشا بنا دیا آپ لوگوں نے۔ ایسی لڑکی کو میری بہو بنانا چاہتے تھے آپ مرزا صاحب جس کے دل میں میرے بیٹے کے لیے ذرا برابر جگہ نہیں تھی۔ اب بھی اتنے آرام سے یہاں بیٹھے ان کو صحیح غلط کا فرق سمجھا رہے ہیں آپ۔ اب یہاں رکنے کا مقصد کیا ہے آخر؟ "ساجدہ بیگم غیظ و غضب کا شکار ہوتیں مرزا صاحب سے بھی خفا ہو کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

تیوری چڑھائے لب بھینچے اپنے اشتعال کو قابو میں کرتا جلال زمین پر نظر گاڑے پشت پر ہاتھ باندھے ہوئے کھڑا تھا۔ لیزا نے ایک کانی نظر اس پر ڈالی تو اس کی سنجیدگی، غصہ دکھاتا تاثر دیکھ کر لرز سی گئ نامعلوم وہ اب کیا کرے۔

مرزا صاحب بھی اٹھ کھڑے ہوئے تھے وہ لوگ تن فن کرتے وہاں سے چلے جاتے اور ان کی زندگیاں اندھیروں میں ڈوب جاتیں ایسا ہاشم صاحب سوچتے تھے۔ زیب النساء بیچاری تو کچھ سوچنے سمجھنے کے قابل ہی نہیں رہی تھی۔ بے عزتی کا دکھ الگ سے اور زارا کی خیرت کی فکر الگ ستا رہی تھی۔ آیا وہ ٹھیک تو تھی محفوظ ہاتھوں میں تھی نا کہیں کچھ برا نہ ہو جائے اس کے ساتھ ماں کا دل تھا اس لئے کئی طرح کے خدشے سر ابھار رہے تھے۔

"مرزا صاحب آپ میرے بے پناہ قریبی دوست ہیں ہر مشکل میں کام آنے والے میں جانتا ہوں یہ میری عزت کا بھی معاملہ ہے مگر میرے ذاتی مفاد سے ہٹ کر اگر آپ

سوچیں تو آپ کے خالی ہاتھ لوٹنے سے آپ کے خاندان آپ کے پرکھوں کی عزت پر بھی بدنامی کا ٹھپہ لگ جائے گا۔ مرزا صاحب اسے ایک باپ کی التجا سمجھیے میں آپ کی مصیبت کا ذمہ دار نہیں بننا چاہتا۔ "ہاشم صاحب کے لہجے میں پہلے جیسا رعب و دبدبہ مفقود تھا۔ وہ بڑی لجاجت سے ان کی منت کر رہے تھے۔ عمر بھر کی ریاضت کا صلہ ان کی عزت ہی تھی اسے گنوا کر وہ کیسے جیتے۔ اس لیے اس معاملے کی فوری تدبیر کرنے کی کوشش کی۔ مرزا صاحب ان کی بات پر چونکے تھے بلکہ وہاں موجود سب ہی افراد ششدر سے رہ گئے تھے۔ ہاشم صاحب کا اشارہ لیزا کی طرف جاتا تھا، سب بخوبی سمجھتے تھے۔

"لیکن مرزا صاحب۔۔۔ "شاہدہ بیگم نے اعتراض کے لئے لب کھولے ہی تھے کہ مرزا صاحب نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں کچھ بھی کہنے سے روک دیا۔ انداز دوٹوک تھا گویا وہ اس بارے میں کچھ نہیں سنیں گے اور ان کے فیصلے کے سامنے کبھی بھی کچھ کہنے کی ہمت ساجدہ میں نہیں ہوئی تھی۔ زارا کے ساتھ جلال کی نسبت انہوں نے ہی طے کی تھی اپنی مرضی سے اور لیزا ابھی انہی کا انتخاب تھی۔

"ہاشم مجھے تمہاری بات منظور ہے۔ "مرزا صاحب کے اعلان پر جلال نے شاکی نظروں سے انہیں دیکھا تھا۔

"بابا یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ "جلال کے احتجاج پر مرزا صاحب نے آنکھوں ہی آنکھوں میں گھورا۔ "برخودار ابھی تم چپ رہو تم سے بھی مذاکرات ہوں گے۔ "ان کا لہجہ فیصلہ کن تھا جلال نے طیش کے عالم میں مٹھیاں بھینچ لیں۔ یہ عجیب بات تھی بری طرح سے پھنسا دیا تھا ابا نے اسے اور تو اور کچھ کہنے کا حق بھی چھین لیا تھا۔ ایک ترچھی اندر تک چیرتی

ہوئی نگاہ لیزا پر ڈالی تھی جو اب تک اس محاذ پر مجسمہ حیرت بنی ہوئی تھی جیسے یقین ہی نہیں آرہا ہو جیسے وہ کسی کے چٹکی کاٹنے کی منتظر ہو۔

"دیکھو بھائی اپنی اور تمہارے ناموس مجھے بے حد عزیز ہے بیٹیاں سب کی سانجھی ہوتی ہیں تمہیں رسوا کر کے میں بھی یہاں سے نہیں جانا چاہتا آخر میں بھی بیٹی کا باپ ہوں تمہارا حال سمجھ سکتا ہوں مگر اس کے باوجود میری ایک شرط ہے، بغیر کسی دباؤ اور اصرار کے تم ہم سب کے سامنے اپنی بیٹی کی رضامندی معلوم کرو اگر وہ ہمارے بیٹے کی زندگی کا حصہ بننے کے لیے رضامند ہے تو میں تم سے وعدہ کرتا ہوں آج اس گھر سے ڈولی ضرور اٹھے گی۔ "مرزا صاحب نے مزید یقین دہانی کروائی تھی ہاشم صاحب جتنے مشکور ہوتے وہ کم تھا۔ اپنے انتخاب پر انہیں مزید یقین کامل ہوا۔

وہ دروازے کے قریب کھڑی گم صم سی لیزا کے سامنے جا کھڑے ہوئے جو ابھی بھی شدید حیرت کے جھٹکے سے سنبھل کر اس اچانک افتاد سے نمٹنے کے لئے تیار ہو رہی تھی۔ لیزا کا جی چاہ رہا تھا کہ کچھ بھی پوچھنے سے پہلے وہاں سے بھاگ جائے یا پھر وہ انہیں صاف انکار کر دے، بھلا جو شخص کچھ دیر پہلے تک اسکی بہن کا شوہر بننے والا تھا وہ خود کو اس کی سنگت میں کیسے سونپ سکتی تھی۔ ہاشم صاحب نے جھکے سر کے ساتھ اس کے روبرو ہاتھ جھوڑ دیے۔

"ایک بیٹی میری پگڑی پیروں تلے کچل کر اپنی من مانی کر چکی ہے چاہو تو تم بھی اپنے باپ کی ناموس کی پرواہ کیے بغیر انکار کر سکتی ہو۔"

"لیکن ابا۔۔۔۔۔ "لیزا کے لب پھڑ پھڑائے۔

"لیزا اپنے ماں باپ کی خاطر اس رشتے کو منظور کر لو۔ "وہ ایک مضبوط لڑکی تھی حالات سے مقابلہ کرنے والی مگر وہ ایک بیٹی تھی، ہار مان گئی۔ بیٹیاں بہت کمزور ہوتی ہیں اور یہی ان کی اصل طاقت ہے۔

سب کے ساتھ جلال بھی یہ تمام کاروائی بڑی باریک بینی سے دیکھ رہا تھا انکار کی امید لیے مگر لیزا کے ہونٹوں کی جنبش ہاں میں ہوتے دیکھ وہاں موجود افراد کے اندر سکون کی گہری لہر دوڑ گئی ماسوائے جلال کے۔ اس نے انتہائی مشتعل ہو کر چبھتی ہوئی نظروں سے لیزا کو گھورا تھا۔ اس کے مطابق لیزا کو انکار کر دینا چاہیے تھا مگر اس نے الٹ ہی کر دیا تھا اسی پل لیزا نے بھی ایک بے بس سی نگاہ اس پر ڈالی تھی مگر اس کی کھاری نظروں اور سخت تاثرات دیکھ کر احساس توہین پر وہ خون کے گھونٹ بھرتی منظر سے فوراً غائب ہو گئی۔

جلال کو اپنا آپ تماشہ بنتا محسوس ہو رہا تھا اور وہاں موجود اپنے ہی ماں باپ اسے تماشائی کے کرداروں میں ڈھلتے نظر آ رہے تھے۔ قسمت کے اس مار اور اپنی اس شدید تذلیل پر اس سے صبر کرنا شدید دشوار ہو رہا تھا۔

"ایسے سمجھوتے کو اگر آپ شادی سمجھتے ہیں تو یہ آپ سب کی خوش فہمی کے سوا اور کچھ نہیں۔ "تھوڑی دیر بعد جب وہ مرزا صاحب کے ساتھ ڈرائنگ روم میں اکیلا رہ گیا تو اس نے واضح لفظوں میں انہیں حقیقت سے آشنا کروانا مناسب سمجھا تھا۔ صاف صاف بتلا دیا کہ یہ زور زبردستی کی نازل شدہ آفت وہ اپنے گلے میں لٹکا تو رہا ہے، لیکن عمر بھر کا نباہ اس سے نہ ہو پائے گا۔

نکاح کی تیاریاں شروع ہو چکی تھی ابھی مولوی صاحب لیزا کے کمرے میں جاتے

دکھائی دیے تھے۔

"ابھی تو بابا جان آپ ہاشم انکل کو سمجھا رہے تھے کہ انہوں نے اپنی بیٹی کی بات نہ مان کر اس کے ساتھ زیادتی کی ہے اب جو زور زبردستی آپ میرے ساتھ کر رہے ہیں اس کے بارے میں آپ کیا کہیں گے۔ "جلال جانتا تھا مرزا صاحب اپنے کہے پر پورا اتریں گے۔ وعدہ نبھا کر ہی دم لیں گے۔ زبان خلافی ان کا خاصا نہیں تھا۔ اور باپ کو جھوٹا ثابت کر کے جلال ان کا مان نہیں توڑ سکتا تھا اس لیے وہاں رکنے اور اس ساری ٹریجڈی سٹوری کا حصہ بننے پر بری طرح سے مجبور تھا۔

"غالباً تمہاری زندگی میں کوئی دوسری لڑکی نہیں ہے۔ جب تمہارے جذبات بھی کسی دوسری لڑکی سے نہیں جڑے تو پھر ان کی قدر کرنے کا شرف مجھے کیسے حاصل ہو سکتا ہے۔" ابا کا طنزیہ لہجہ اس کو اندر تک جلا گیا۔ یہ بھی خوب تھی کہیں محبت جرم تھی تو کہیں محبت نہ ہونا سزا کا باعث۔ مزید بحث میں الجھنے سے قبل مولوی صاحب گواہوں کے ہمراہ دلہن سے مثبت جواب لے کر حاضر ہو گئے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

مرحا کے جانے کے بعد پورا دن فارس اسی کے بارے میں سوچتا رہا تھا وہ کیوں آئی تھی آخر پورے تین سال بعد وہ اس کی زندگی میں اپنا حق جتاتی اس کے گھر میں بنا دستک داخل ہو گئی تھی۔ کسی حد تک زندگی میں مدخل تھی ماسوائے دل کے۔ مرحا کے گھر پہنچ جانے کی اطلاع اس کے خاص ملازم دینو نے اسے فون پر دی تھی۔

دینو ان کے وفادار خاندانی ملازموں میں سے ایک تھا جو گو کہ فارس سے عمر میں

بہت چھوٹا تھا سولہ سترہ سالہ سا نوجوان مگر گھر چلانے کی تمام تر ذمہ داری اس پر تھی۔ فارس اسے گاؤں سے شہر ساتھ لایا تھا۔ نوکری کے ساتھ ساتھ شہر میں اچھی تعلیم بھی دلوا رہا تھا۔ گھر کے کام کاج کے لئے دوسرے ملازم موجود تھے۔ صغری آپا کھانا بنانے آتی تھی جبکہ ان کی بیٹی جو کم و بیش دینو کی عمر کی ہو گی، گھر کے باقی ماندہ کام کاج نبٹاتی تھی۔ دینو صرف چیدہ چیدہ معاملات کو سپروائز کیا کرتا تھا۔ اب بھی اس نے ایک انجان لڑکی کی آمد پر فوراً فارس کو کال کی تھی مگر فارس نے جب صاف لفظوں میں بتایا کہ وہ میری بیوی ہے تو حیرانی کے شدید جھٹکے سے دوچار ہو کر دینو نے فون بند کر دیا تھا۔ مگر اس خبر نے اس کے چودہ طبق روشن کر دیئے تھے۔ اب بھی معمول کے مطابق وہ گھر لوٹا تو دینو ٹرے میں پانی کا گلاس رکھ کر اس کے سامنے حاضر ہوا۔

"مرحا کہاں ہے؟ "پانی کا گلاس تھامتے ہوئے اس نے کھوج بھری نظروں سے یہاں وہاں دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔ مرحا کا نام لیتے ہوئے اسے عجیب سی فیلنگ محسوس ہوئی تھی۔

"آپ کے کمرے میں ہیں۔ مرحا باجی جب سے آئیں ہیں وہیں ہیں نہ باہر نکلی اور نہ ہی کوئی بات چیت کی۔ "دینو نے اضافی تفصیل سے اسے آگاہ کیا تھا جسے سن کر اسے زحمت ہر گز نہیں ہوئی تھی بلکہ وہ تو مرحا کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جاننے کے لئے متجسس تھا۔

"فارس بھائی ویسے آپ نے اچھا نہیں کیا چھپ کر شادی کر لی مجھے بھی شریک نہیں کیا آپ کو پتہ ہے نادار جی کو پتہ چلا تو کتنا غصہ ہوں گے۔ "فارس اور دینو میں خاصی بے تکلفی تھی اس سے چھوٹا ہونے کے باوجود دینو نے اسے اس کی غلطی کا احساس دلانے کی

کوشش کی تھی۔

"دارجی کو بھی اچھی طرح جانتا ہوں میں دیکھی جائے گی جو بھی ہوا فی لحال دارجی کو اس بارے میں کچھ نہیں پتہ اور بتانے کی بھی کوئی ضرورت نہیں حویلی سے فون آئے تو کوئی بھی بات مت کرنا آگے میں خود ہی سنبھال لوں گا سب کچھ۔ "پھر پانی کا گلاس گھونٹ گھونٹ کرکے ختم کیا اور جیکٹ اتار کر بازو پر ہینگ کرتا اپنے کمرے کی جانب بڑھا۔ صبح سے وہ حیرت اور انکشافات کی زد میں تھا۔ خدا جانے اب کونسی نئ حقیقت اس کی منتظر تھی۔

اس نے کمرے کا دروازہ کھولا تو آنکھیں بھی پوری طرح پھیل کر سکڑیں۔ مرحا نہایت بے تکلفی سے اس کے پلنگ پر سیدھی چت لیٹی اس کا کمبل خود پر اوڑھے سو رہی تھی۔ اس نے بغور مرحا کے چہرے کی جانب دیکھا کیا واقعی وہ اس قدر گہری نیند میں تھی جیسا وہ سمجھ رہا تھا مگر کیسے؟ دماغ میں ایک سوال نے پہلے سے الجھی گرہ اور الجھائی اس کے خوبصورت چہرے پر اس وقت نفرت، انتقام، غصہ، ضد کسی چیز کا کوئی شائبہ تک نہ تھا اگر تھا تو بے ضرر معصومانہ سا تاثر۔ فارس کو یہ مرحا صبح والی پھنکارتی نفرت کے شعلے برساتی مرحا سے بالکل مختلف سی لگی، سادہ، پر امن۔ ایک گہری پر سوچ سانس خارج کرکے اپنا کوٹ صوفے پر ڈال کر اندر واش روم میں گھس گیا تھوڑی دیر بعد ایزی سے شلوار سوٹ میں ملبوس ہو کر وہ واپس لوٹا تو وہ جاگ چکی تھی اپنے کھلے بالوں کو رول کرکے جوڑا بناتی وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ آنکھ کھلتے ہی صوفے پر پڑی اس کی جیکٹ سے نظر ٹکرائی تھی۔ اس کی آمد کی خبر وہ تب ہی جان گئی تھی سو کوئی غیر متوقع بات نہیں ہوئی تھی۔ اس وقت اس کمرے کا منظر دیکھ کر کوئی بھی یہ نہیں بتا سکتا تھا کہ یہ جو کچھ بھی ہو رہا تھا معمولات زندگی سے ہٹ کر

تھا۔ فریش نکھرے دھلے وجہیہ شکل فارس کو مرحانے گہری نظروں سے دیکھا تھا۔ اس شخص کی ایک جھلک اپنے روبرو دیکھنے کے لیے کبھی مرحا اپنے کالج کے آڈیٹو ریم میں سٹوڈنس کے جمگھٹے میں گھنٹوں کھڑی رہی تھی۔ ماضی کی تلخ یاد نے مرحا کے تاثرات کو سپاٹ بنادیا تھا۔ وہ نیند سے جاگ کر پوری طرح حواسوں میں آچکی تھی اس لئے نفرت کی سانسیں رفتار سے چلنے لگیں۔ فارس اسے واپس جون میں لوٹتے دیکھ کر بے ساختہ ہنس دیا حلانکہ کہیں سے بھی یہ کوئی مزاحیہ سچویشن نہیں تھی۔ مرحانے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"Whats wrong with you?"

اس کے ہنسنے پر مرحا سے زیادہ دیر صبر نہیں ہو سکا۔ تڑخ کر اسے ٹوک دیا۔

"کچھ خاص نہیں بس کچھ لوگ خود کو پھن پھلائے ناگ کی طرح سمجھتے ہیں پر درپردہ اندر سے وہ بناڈنک والا مچھر ثابت ہوتے ہیں۔ نفرت نفرت کا راگ الاپنے والے اپنے دشمن کے بستر پر دراز ہو کر ان کے لمس سے آشنا ہوتے، وجود کی مہک کو محسوس کرکے دنیا کے سب سے پر سکون جذبے سے دوچار ہوتے نظر آتے ہیں۔ "فارس کی گفتگو کی بدولت ہی تو اس کا ڈنکہ بجتا تھا۔ ماضی میں کبھی وہ بھی اس کی حاضر بیانیوں کی مداح رہ چکی تھی مگر اس وقت اس کی فنکاریاں مرحا کو زہر لگی تھیں۔ اس کی بات میں کوئی خاص بات اچھوتا پن محسوس نہیں ہوا تھا البتہ اس کی ذہنیت گھٹیا لگی۔

"تمہیں کیا لگتا ہے تمہارے گھر اور کمرے میں آجانے سے میں تمہارے عشق میں مبتلا ہو جاؤں گی، بھول ہے تمہاری، تمہاری شخصیت کی ساری پرتوں سے میں خوب واقف

ہوں۔ بظاہر ہمدرد لوگوں کے انصاف کی خاطر بڑے بڑے اقدام اٹھاتے اپنی باتوں سے فتح کے جھنڈے گاڑتے اور اندر سے مفاد پرست، دوغلی پالیسیوں پر چلنے والے بہروپیے تمہاری شخصیت میں جو چاند جڑے لوگوں کو نظر آتے ہیں بیرسٹر فارس خاکان حیدر ان کے بدنما داغوں سے میں اچھی طرح واقفیت رکھتی ہو۔ "لہجے میں نفرت گھلی ہوئی تھی۔ انداز تخاطب ہتک آمیز طریقہ آگ لگا دینے کے لیے کافی تھا۔ مگر فارس میں بہترین وکلاء کے سارے اوصاف موجود تھے جن میں سے ایک ہر حال میں متحمل رہنا بھی تھا۔ ویسے بھی اسے غصہ بھڑک کر نہیں آتا تھا۔ کبھی زیادہ مشتعل ہو بھی جاتا تو خاموشی اختیار کرتا تھا۔

فارس کا تعلق پیدائشی طور ایک گاؤں سے تھا جہاں کے کرتا دھرتا اس کے اپنے دار جی تھے۔ اس نے ہمیشہ دار جی کو غصہ کے وقت لڑتے، جھگڑتے، چلاتے اور بحث کرتے ہوئے سنا تھا۔ ان کی یہ عادت اسے خاص پسند نہیں تھی۔ اس کے خیال میں تمام مسائل کا حل شائستگی سے مذاکرات کر کے نکالا جا سکتا تھا۔ وہ دار جی کی عادت تو نہیں بدل سکا تھا مگر خود اس نے یہ وصف نہیں اپنائے تھے۔ اسی لیے مرحا کی بات پر بھی سکون سے سر کو جنبش دی جیسے اس کے کہے کو من و عن سمجھ اور ضبط کر لیا ہو اس وقت وہ اپنی صفائی میں کچھ بھی کہتا تو وہ بے کار جاتا کیونکہ مرحا اپنے دل کی عدالت میں اسے مجرم ٹھہرا چکی تھی۔ ایک بار کٹہرے میں کھڑا کر کے کسی سنوائی کا موقع فراہم کیے بغیر۔

"تم خود ترسی و خود پسندی کے اعلیٰ درجہ پر فائز ہو چکی ہو جہاں سے تمہیں دوسروں میں صرف برائیاں ہی دکھائی دیتی ہیں۔ حقائق کو پرکھنے کا حوصلہ تم میں نہیں رہا۔ کیونکہ تم جانتی ہو اپنی غلط فہمیوں کے مینار سے تم ایک ہی پل میں نیچے ڈھلک جاؤں گی۔"

"کون سی غلط فہمیاں بیرسٹر صاحب! وہ جو دو سال پہلے مجھ پر گزرا جس غم کے اندھے کنویں سے نکلنے کی جدوجہد میں، میں بے حال ہو رہی ہوں وہ سب کچھ غلط فہمی تھا، اپنے گناہوں اور کرتوتوں کا الزام تم میری عقل سمجھ پر دھر رہے ہو۔ یہ بھول گئے ایک عدالت خدا کی بھی ہے جہاں جھوٹے فریبی وکیل کبھی فتح یاب نہیں ہوتے۔ "

"اللہ کی عدالت پر یقین رکھتے ہوئے بھی فیصلہ کرنے کا اختیار تم نے خود لے لیا مرحا۔ "اس بار فارس کا لہجہ نرم سا تھا۔ وہ اس کے سامنے پڑے صوفے پر بیٹھا ہوا تھا اٹھ کر بیڈ پر اس کے قریب ہی پیروں کی جانب ٹک گیا۔

"اس بات کا فیصلہ تم خدا کو ہی کرنے دو تو کیسا ہے اس سے بہتر منصف کوئی نہیں ہے۔ تم مجھے مطلبی سمجھو یا دھوکے باز لیکن میں تمہیں حقیقت میں یہ مشورہ ضرور دوں گا کہ کسی بھی قسم کی بے وقوفی مت کرنا تم بدلے اور نفرت کی آگ میں جل رہی ہو۔ یہ ایسی آگ ہے جو کندن کو بھی راکھ بنا ڈالے اور میں تمہیں راکھ بنتے نہیں دیکھنا چاہتا۔ "مرحا نے اس کی آنکھوں میں دیکھا وہ اسی کی جانب دیکھ رہا تھا۔

"اتنی جلدی ڈر جاؤ گے تم میں نے سوچا ہی نہیں تھا۔ میرے خیال میں تو تم مجھے انتہائی سخت **کمپیٹیشن** دینے والے تھے مگر بظاہر اتنا مضبوط جنگجو قسم کا فارس اندر سے بھیگی بلی نکلے گا میں نے کبھی سوچا نہیں تھا۔ جو بویا ہے وہ تو تمہیں کاٹنا ہی پڑے گا۔ چاہے تمہارے ہاتھ زخمی ہوں، وجود لہولہان یا روح شل۔ میں نے بالکل اللہ کی قدرت کو ہاتھ میں لینے کی کوشش نہیں کی اگر میں ایسا کرتی تو آج اس روئے زمین پر تمہارا گھٹیا اور کمینہ بھائی اتنی آسانی سے سانسیں نہ لے رہا ہوتا۔ میں تو بس وہی کر رہی ہوں جو ایک انسان کر سکتا

ہے تم سے شادی کر کے تمہارے گناہوں کا احساس میرے سوا کون دلا سکتا تھا۔ تمہاری زندگی کو جہنم بنتے دیکھنا میری واحد آرزو ہے۔ تمہارے کانوں میں کسی کی زندگی کی آخری ہچکی ہمیشہ گونجتی رہے گی۔ میں تم لوگوں کو کچھ بھی بھولنے نہیں دوں گی۔ تاحیات اسی کرب میں مبتلا رہو گے تم فارس خاقان کہ تم نے اپنے پیشے کے ساتھ کیسا انصاف کیا تھا۔ "مرحا کے چہرے سے چھلکتی اس کی تکلیف ہی اس کی زندگی کا مقصد بن چکی تھی۔ اسی دکھ کے ساتھ جینے کی عادت اپنا چکی تھی وہ۔ فارس کے سمجھانے بجھانے کی کوشش توقع کے عین مطابق رائیگاں ہی گئی تھی۔

"ٹھیک ہے بہت اچھی بات کہی تم نے۔ تمہارے سب باتوں کے بعد کم از کم میں تمہیں سمجھانے کی ذمہ داری سے آزاد ہو گیا ہوں۔ اب اپنے ہر قدم کی ذمہ دار تم خود ہو گی۔ میں اپنی طرف سے جتنی مفاہمت دکھا سکتا تھا دکھا چکا مزید کی توقع مت رکھنا۔ "سرد جذبات کے ساتھ کہہ کر وہ اٹھا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ وہ اب اس سے مزید کوئی بحث نہیں کرنا چاہتا تھا اور مرحا اس کی جھوٹی صفائیاں نہیں سننا چاہتی تھی۔

فارس بے حد ماہر وکیل تھا مگر اپنی زندگی کا کیس وہ نہیں لڑ پا رہا تھا۔ بہر طور بنا کسی ثبوت کے مایہ ناز سے مایہ ناز وکیل بھی بے بس ہو جاتا ہے۔

"توقع اور تم سے۔۔۔۔ "اس کے جانے کے بعد مرحا نے بڑبڑاتے ہوئے تنفر سے سر جھٹکا اور اٹھ کر فریش ہونے چل دی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

تاریکی شب نیم دریچہ وا تھی۔ ادھورا چاند آسمان کی سیاہ چادر پر اداس سا چمک رہا

تھا۔ اندر کمرے میں لیزا دلہن بنی سجی سنوری جلال کی زندگی میں نہ چاہتے ہوئے بھی شامل ہو چکی تھی۔ جسے شام تک بہن کا ہونے والا شوہر سمجھ کر وہ اٹھکیلیاں کر رہی تھی، وہ اس کے مجازی خدا کے رتبے پر فائز ہو گیا تھا۔ قسمت انسان کی سوچ سے زیادہ بے دریغ اور کٹھور ہوتی ہے، نامعلوم کس طریقے سے کبھی بھی کہیں بھی کاری وار کر دیتی ہے، سنبھلنے تک انسان کا تختہ پلٹ چکا ہوتا ہے۔

لیزا کو زارا سے کوئی گلہ شکوہ نہیں تھا۔ اس کے ساتھ زیادتی ہو رہی تھی اس نے تو بس ایک دم اپنے حق میں اٹھایا تھا۔ غلط وہ اماں ابا کو بھی نہیں کہہ سکتی تھی۔ آبرو کی نازک چادر پھٹی تو انہوں نے لیزا سے پیوند کی درخواست کر دی تھی۔ اس کی حامی سے چادر پہلے جیسی کوری تو نہیں ہو سکتی تھی البتہ عیبوں کا پردہ ضرور ڈھک گیا تھا۔ ماں باپ کی عزت رکھنے کے چکر میں لیزا کا اپنا وجود ضرور تار تار ہو گیا تھا۔ جس کینہ توز اور شعلہ باز نظروں سے اس کے اس اقرار پر جلال نے اسے دیکھا تھا اس کی آنکھوں میں دھاڑ اسے اندر تک چھلنی کر گئی تھی۔ وہ بھی ان لوگوں کے بارے میں کیا سوچتا ہو گا بڑی بہن ہی موقع پر گھر سے غائب ہو گئی اور چھوٹی نے فوراً سے شادی کے لئے حامی بھر لی۔ جلال کی نظروں میں جتنی ان کی تذلیل ہو چکی تھی اسکا ازالہ اب ممکن نہیں تھا۔ اس گھر میں اس کے آنے پر سناٹا سا چھا گیا تھا نہ ہی کوئی رسم ہوئی تھی نہ ہی کوئی چھیڑ چھاڑ۔ ایمان اسے خاموشی سے اس کے کمرے میں چھوڑ گئی تھی۔ ایمان کو اپنا آپ کسی مجرم کی طرح لگنے لگا تھا۔ مگر یہ بے جرم سزا اسے بہت کھل رہی تھی۔

وہ پیر نیچے لٹکائے بیڈ پر بیٹھی تھی، ابھی اٹھ کر لباس تبدیل کر لینے کا ارادہ بنایا ہی تھا

کہ کلک کی آواز سے دروازہ کھلا۔ لیزا کا دل پسلیاں توڑ کر باہر آنے کو ہوا۔

"ہائے اللہ میں کیسے سامنا کروں گی۔ " ٹانگیں لرزنے لگی تھی مضبوطی سے مٹھیوں میں بیڈ کے کنارے دبوچے وہ جم کر بیٹھی رہی۔ وہ اس کے سامنے کرسی گھسیٹ کر بیٹھ چکا تھا۔ جلال کے بدن سے اٹھتی کلون کی ہلکی ہلکی مہک لیزا کو اپنے اندر اترتی محسوس ہوئی اس نے نظر اٹھا کر بھی سامنے والے کو نہیں دیکھا تھا اس کی نظریں جلال کے پیروں پر جم سی گئی تھی جبکہ جلال اس کے چہرے پر نگاہ کیے ہوئے تھا شام کو جو چہرہ تروتازہ اور سادہ تھا، اب اس کو تیز میک اپ سے سجا کر مزید چار چاند لگا دیئے گئے تھے کمرے کی روشنی سے زیادہ جلال کو لیزا چہرہ جگمگاتا ہوا لگا۔

"کہنا پڑے گا حسن، سادگی اور شوخی تینوں کا خوبصورت امتزاج ہو تم مگر تم کسی بھی قسم کی خوش فہمی میں گھر کر کچھ الٹا سیدھا تصور کرو اس سے قبل ہی میں تمہیں بتا دینا چاہتا ہوں حسن کبھی بھی میری پہلی ترجیح نہیں رہا۔ میں نے ہمیشہ ظاہری چہرے کے بجائے اندر چھپی شخصیت کو اہمیت دی ہے اور ماشاء اللہ آپ کے اندرونی اوصاف تو اچھی طرح مجھ پر واضح ہو ہی چکے ہیں جن کے بعد میری زندگی میں تمہاری کوئی گنجائش نہیں بنتی۔ اس لئے اٹھ کر منہ دھو لو اور رات بھر سوچتے رہنا صبح اٹھ کر مائیکے واپس لوٹنا ہے یا پھر بلا ضرورت کسی کی زندگی میں گھس کر اپنی تذلیل کا سامان بننا چاہتی ہو۔ " جلال کے لفظ کسی طمانچے کی طرح اس کی سماعتوں سے آ ٹکرائے تھے۔ دل پہلے بھی کسی گمان میں مبتلا نہیں تھا۔ مگر اس بات پر دل پر گہری چوٹ لگی تھی۔

"آپ کو اگر یہ شادی نہیں کرنی تھی تو آپ نے اسی وقت منع کیوں نہیں کیا۔ "

ایک آنسو پلکوں کی باڑ پھلانگ کر گالوں پر بہہ نکلا۔ وہ کمزور نہیں تھی مگر یہ لمحہ تو اس کے لیے بڑا امتحان واقع ہو رہا تھا۔ جلال پہلے ہی غصے میں تھا اس کے جواب پر مزید مشتعل ہو گیا۔

"بہت خوب چور ہی کو توال کے گلے پڑ رہا ہے۔ سب سے پہلے حامی کس نے بھری تھی۔ "جلال کا کچھ جتلا تا انداز لیزا کو بھی آگ لگا گیا۔

"کسی نے زبردستی باندھ کر بندوق کی نوک پر تو آپ سے نکاح نہیں پڑھوایا۔"

"ہنہہہ!۔ "جلال نے طنزیہ ہنکارہ بھرا۔

"بابا کے ذلت کے خوف نے مجھے وہاں باندھ رکھا تھا اور ان کی ناراضگی کا ڈر بندوق کی طرح میرے سر پر لٹک رہا تھا۔"

"آپ کی طرح میری بھی مجبوری تھی مجھے بھی زبردستی کسی کے گلے پڑنے کا شوق نہیں ہے۔ "لگے ہاتھ لیزا نے بھی اپنی طرف سے اسے اس کے گمانوں سے آزاد کروایا کہیں وہ یہی سمجھتا رہتا کہ وہ بڑے شوق سے بیاہ کر آئی تھی۔

"یہ تو اور بھی اچھی بات ہے۔ جب ہم دونوں ہی اس رشتے کو نہیں اپناتے تو ہم ایک دوسرے سے دور رہیں گے اور وقت آنے پر تعلق ختم کرنے کے لیے بھی کوئی دقت نہیں ہوگی۔ "جلال نے تو اس کی بات پر بالکل ہی ہاتھ جھاڑ دیے تھے۔ یہ سچ تھا لیزا کے ساتھ زبردستی ہوئی تھی۔ مگر اب وہ اس کا شوہر بن چکا تھا۔ مشرقی عورت طلاق کو اپنے دامن پر ایک بدنما دھبہ سمجھتی ہے اور لیزا اس کے لیے ہرگز بھی تیار نہیں تھی۔ جلال کی باتیں اسے متفکر کر رہی تھی۔ عزت نفس نے اسے دل کی بات کہنے سے روک دیا تھا۔

"آپ کے لیے رشتے کھیل ہوں گے مگر میں کوئی بھی اس قسم کی پلاننگ کئے بغیر اس خاندان اور آپ کی زندگی میں شامل ہوئی ہوں اس لیے اس باہمی مشاورت کے لیے میرا آپ کو مشورہ ہے جو کچھ بھی کرنا ہے بلا جھجک کر گزریے مجھے کوئی اعتراض نہیں مگر مجھ سے یہ امید مت رکھیے گا کہ اس رشتے کو ختم کرنے کے لیے میں کسی بھی عمل میں آپ کا ساتھ دوں گی۔ "تڑخ کر جواب اس کے منہ پر دے مارا اور اٹھ کر جانے لگی۔ جلال نے اسے کلائی سے تھام کر بڑی شدت سے اپنی جانب کھینچا تھا وہ توازن برقرار نہ رکھتے ہوئے اس کی جھولی میں آگری۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے؟ "شرم، لاج، غصہ سبھی کچھ عیاں تھا مگر وہ چیخی۔

"اسے بدتمیزی نہیں رومانس کہتے ہیں۔ جب دور نہیں جانا تو پھر پاس آجاؤ۔ "جلال کی لو دیتی سانسیں لیزا کا تن من سلگانے لگی تھی۔ وہ اس پر جھکا اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ لیزا نے اٹھنے کی کوشش کی مگر جلال نے اس کی کلائی جکڑ رکھی تھی واپس کھینچ لی۔ لیزا دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا کر رہ گئی عجیب انسان تھا۔ اس کے عمل اس کی گفتگو کی بالکل نفی کر رہے تھے۔

"ساتھ رہو گی تو کچھ بھی ہو سکتا ہے کسی بھی بات کی میں کوئی بھی گارنٹی نہیں دیتا۔ "اس نے ہاتھ کھڑے کر دیے یا شاید اس نے لیزا کو ٹارچر کرنے اور خود سے دور کرنے کا نیا طریقہ اپنایا تھا۔

"پاس آکر، اپنی قربت کا شدید احساس دلا کر اپنا حق جتلا کر جب آپ نے مجھے کوئی حق دیا ہی نہیں ہے تو پھر مجھ پر اس طرح سے ملکیت کا رعب جھاڑنا بھی آپ کو زیب نہیں

دیتا۔ "سرد مہری جلال کے بھڑکتے گرم جذبوں کا جواب دیا گیا تھا۔ لیزا نے اس کی نظروں کا پیام یکسر رد کر دیا تو جلال نے بھی اسے گرفت سے آزاد کیا۔ لیزا جان بچی سو لاکھوں پائے کے مترادف فوراً اٹھ کر واش روم میں بند ہو گئی جبکہ پیچھے بیٹھے جلال نے بڑی محظوظ کن سی مسکراہٹ اچھالی تھی۔

"آہ "!کرسی کی پشت سے سر ٹکراتے ہوئے اس نے بڑی شدت سے آہ بھری۔

بہر حال کچھ بھی تھا لیزا کے نازک وجود نے اس پر گہرے اثرات مرتب کئے تھے۔ نکاح ہوتے ہی اسے دیکھنے کا انداز فطری طور پر بدل گیا تھا۔ مگر کچھ بھی ہو وہ آج کی بے عزتی اور زیادتی وہ کبھی نہیں بھول سکتا تھا۔ ایک بہن نہ سہی تو دوسری صحیح، والی اسکیم اس پر اپلائی ہونے والی نہیں تھی ویسے بھی وہ لیزا اور احمر کو ساتھ ساتھ خوش دیکھ چکا تھا۔ اب ایک ایسی لڑکی کے ساتھ اپنی زندگی کا تصور وہ کیسے کر سکتا تھا جو صراصر اس سے محبت ہی نہیں کرتی تھی بلکہ اس کے دل کی ناؤ تو کسی اور کے عشق میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اور جلال کی تو ہمیشہ سے ایک ہی ڈیمانڈ رہی تھی، چاہے جانا بے پناہ چاہے جانا، کوئی ایسی لڑکی ہو جو اس کی محبت میں اپنا سب کچھ لٹا دے اس کے نام پر جیسے اس کی خاطر مرنے کو تیار ہو جائے، اس کی ایک نظر کے لیے تڑپے اس کی زرا سی بے اعتنائی پر اس کا دل سہم جائے۔ غرض جلال اپنی بیوی کی کل کائنات بننے کا تصور لیے بیٹھا تھا جبکہ یہاں تو تھوڑی بہت اپنائیت بھی نہیں تھی۔ جلال خوابوں کا مارا ہوا شخص نہیں تھا۔ وہ انتہائی حقیقت پسندانہ شخصیت کا حامل تھا۔ جلال کی نظروں میں محبت سے بڑی حقیقت اس دنیا میں اور کوئی نہیں تھی۔ جو لوگ محبت کے تصوّر کو نہیں مانتے دراصل وہ بھی محبت میں بے اعتنائی اور ناکامی کی چوٹ کھائے ہوئے ہوتے

ہیں۔ اس لیے اپنے اندر کی تکلیف کو جھوٹ کا نام دے دیتے ہیں۔ جلال کو نہ محبت ملی تھی، نہ ہی تہہ در تہہ اس کی شخصیت کو بھانپنے والی۔ فطرتی طور پر وہ بہت حساس انسان تھا، اور پھر یہ تو بہت بڑی باتیں تھیں جن پر کمپرومائیز کرنا اس کے لئے ناممکن تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

رات کو فارس دوسرے کمرے میں سویا تھا صبح اٹھ کر وہیں سے تیار ہو کر واپس چلا گیا مرحا تب تک سو رہی تھی۔ ابھی تو دینو نے اس کے لئے ناشتہ تیار کر دیا۔ گھر کے سارے ملازمین سے فارس کی بیوی اور گھر کی نئی مالکن کے طور پر وہ متعارف ہو چکی تھی۔ بڑے سکون سے ڈٹ کر ناشتہ کرنے کے بعد وہ گھر کا جائزہ لیتی رہی دماغ میں ایک خیال کوندے کی طرح لپکا تھا۔ اس کے حکم پر سارے ملازم حرکت میں آئے تھے، شام ہونے تک گھر کی ساری سیٹنگ مرحا نے بدل کر رکھ دی تھی۔ ٹھیک اسی طرح وہ فارس کی زندگی کی بھی کایا پلٹ کر دینا چاہتی تھی۔ فارس گھر میں داخل ہوا تو اسے لگا وہ شاید کسی غلط جگہ آ گیا ہے۔ مگر سامنے ہی ٹی وی لاؤنج میں بیٹھی ٹی وی دیکھتی مرحا کو دیکھ کر اسے یقین ہوا وہ اسی کا گھر تھا۔ ساتھ ہی اس تبدیلی پر دل میں ابھری حیرت بھی معدوم ہو گئی۔ مطلب یہ مرحا کا کارنامہ تھا۔

وہ اس کی زندگی میں چھیڑ چھاڑ کر کے اسے اپنی موجودگی کا احساس دلانا چاہتی تھی۔ وہ شاید سوچتی تھی ان چھوٹی چھوٹی تبدیلیوں سے چڑ کر وہ الجھے گا۔ مگر وہ نہیں جانتی تھی فارس کو یکسانیت اچھی نہیں لگتی وہ ایک انتہائی غیر مستقل مزاج آدمی تھا۔ گو کہ اس کے پیچھے موجود مرحا کی نیت کو جانتا تھا مگر پھر بھی اس ردوبدل نے اس کی طبیعت پر اچھا اثر ڈالا

تھا۔ اب مرحا کو ناکامی کا احساس دلانا بھی بہت ضروری تھا اس لئے کوٹ صوفے پر ڈال کر خود بھی ایک طرف بیٹھ گیا اور بغور ایک ایک چیز کا جائزہ لینے لگا۔ ہر چیز پہلے سے زیادہ اچھی لگ رہی تھی۔ مرحا نے اس کو ٹیڑھی نظر سے دیکھا۔ اس کے خیال میں وہ گرجنے والا تھا مگر شکل پر سنجیدگی کچھ اور ہی کہہ رہی تھی۔

"تمہیں فیشن ڈیزائنگ کے اتنے گٹس ہیں مجھے علم نہیں تھا، بہت اچھی طرح گھر کی سیٹنگ کی ہے ماننا پڑے گا۔ ہمارے آفس میں بھی تم اچھا اضافہ ثابت ہو گی۔ لیکن تھوڑی بہت رہنمائی کی ضرورت ہے تمہیں اس تبدیلی کے بعد یہ پردے کچھ خاص اچھے نہیں لگ رہے فریش فریش ماحول پر کافی پرانا اثر چھوڑ رہے ہیں دینو سے کہہ کر انہیں اتروا دو۔" لو یہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ مرحا کے خوشی بھرے وہموں کے ساتھ ٹھس والا معاملہ پیش آیا تھا۔ اپنی محنت اکارت دیکھ کر اچھا نہیں لگا تھا اس لئے لفظوں کے تیر سے اسے چھیدنا چاہا۔

"بعض اوقات ہمارے حال پر ہمارے ماضی کے سائے اتنے گہرے ہوتے ہیں چاہ کر بھی اسے نہیں مٹا سکتے۔ " فارس کو اسکی ذو معنی باتوں سے تکلیف پہنچی تھی اب بھی لب بھینچ لیے۔ دینو پانی لے کر آیا تھا مگر وہ پینے سے انکار کر کے اپنے کمرے میں چلا گیا۔

اس کی روٹین میں یہ پہلا چینج تھا جب مرحا کی بدولت آیا تھا۔ آج سے پہلے ہمیشہ سے وہ گھر آکر پہلے پانی پیا کرتا پھر کچھ اور کرتا تھا۔ مگر مرحا نے اسے خون کے گھونٹ پلا دیے تھے۔

"لاؤ مجھے دے دو۔ " مرحا نے گلاس دینو سے لیا اور کمرے میں آگئی جہاں وہ بنا لباس بدلے بیڈ پر لیٹا ہوا تھا۔ مرحا نے گلاس سائیڈ ٹیبل پر رکھا اور ہاتھ اس کے ماتھے پر

رکھ کر جسے بخار چیک کرنے لگی ہو گی۔

"کیا ہوا فارس خاقان آج کل دلائل کی بہت کمی ہو گئی تمہارے پاس کہیں طبیعت تو ناساز نہیں ہے۔ مجھے آج بھی یاد ہے، عدالت کے کٹہرے میں تم کس تواتر سے دلائل پیش کیا کرتے تھے، سننے والے دنگ اور بولنے والے لاجواب رہ جاتے تھے۔" مرحا کی اس طنز و تضحیک کے جواب میں فارس نے اس کے دونوں ہاتھ انتہائی نرمی سے اپنے ہاتھوں میں لے لیے جیسے کہ وہ بے پناہ محبت کرنے والا بہترین شوہر ہو۔ مرحا نے کرنٹ مار نظروں سے اسے گھورا مگر اس نے اگنور کر دیا۔

"اب تک میں تم سے جنگ کرنے کے لئے میدان میں نہیں اترا میری لمبی چوڑی برداشت اس لیے ہے کیونکہ مجھے تم سے ہمدردی ہے اور اس معاملے میں کہیں نہ کہیں میری بھی غفلت تھی۔ مگر اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ میں نے کوئی جرم کیا ہے یا میں گنہگار ہوں مجھ سے غلطی ضرور ہوئی ہے جس کا ازالہ تمہیں اپنی زوجیت میں لے کر کرنے کی کوشش کی ہے۔" مرحا نے اس کی بات سننے کے دوران انتہائی آرام سے اپنے ہاتھ اس کے ہاتھوں سے چھڑا لئے۔

"ازالہ۔۔۔۔۔۔" وہ اس کے لفظ کو دہراتے ہوئے قہقہہ مار انداز میں ہنسی۔

"تم مجبور تھے فارس تمہارے بھائی کا کچا چٹھا میں پوری دنیا کے سامنے کھول کر رکھ دیتی۔ اس وقت تمہارے بھائی کی مکروہ شکل سے پردہ اٹھ جاتا تو تم کسے منہ دکھاتے۔ وہ نکاح تم نے ہمدردی میں نہیں خوف کے زیر اثر پڑھا تھا۔ خیر میں تمہیں کھلی دعوت دیتی ہوں میدان جنگ میں اتر آؤ فارس کیونکہ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں۔" مرحا کی ٹھنڈی

میٹھی مسکراہٹ کسی بات کسی راز کی آئینہ دار لگ رہی تھی۔ فارس ٹھٹکا۔

"کیا کیا ہے تم نے؟ "وہ کہتے ہوئے اٹھ کر اس کے روبرو کھڑا ہوا۔ وہ چپکی کھڑی ناخنوں سے کھیلتی رہی۔ یہ فارس کو چڑانے کی ایک کوشش تھی۔

"کیا کیا ہے مرحا تم نے بتاؤ مجھے۔ "اس نے مرحا کو شانوں سے تھام کر جھنجھوڑا تھا۔ آواز گرجدار تھی۔ مرحا نے خونخوار نظروں سے اس کی سوال بھری نظروں میں اپنی نفرت انڈیلی۔

"تمہاری حویلی سے فون آیا تھا غالباً تمہاری اماں جی تھیں۔ میں نے تو بس ان سے اپنا تعارف کروایا تھا۔ بھئی ایسا بھی کیا غلط کر دیا؟"

"تم۔۔۔۔۔ "فارس نے خود کو کچھ بھی سخت کہنے سے روکا اشتعال میں آ کر اس نے مرحا کے شانوں پر مزید دباؤ ڈالا جس سے وہ درد سے کراہ اٹھی۔

"بالکل اچھا نہیں کیا تم نے اب نتائج کی ذمہ دار تم خود ہو گی "وہ بھڑک کر اسے ایک جھٹکے سے چھوڑتا ہوا وہاں سے چلا گیا تھا۔ پیچھے شانہ سہلاتی ہوئی مرحا مسرور ہو کر بستر پر دراز ہو گئی تھی۔ اب اصل معنوں میں فارس اور اس کے پورے خاندان کی بربادی کا دور شروع ہوا تھا۔ اس شروعات نے مرحا کے دل پر ٹھنڈی میٹھی سی راحت برسائی تھی آج اتنے عرصے بعد وہ پہلی مرتبہ دل سے مسکرائی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شادی ہو چکی تھی۔ اور اب اس حقیقت کو جیسے سب نے تسلیم کر لیا تھا۔ ایمان کمرے میں ہی ان کے لیے ناشتہ لے آئی تھی۔ جلال نے صرف ایک کپ چائے پر ہی اکتفا

کیا تھا۔ جبکہ لیزا نے جوس اور سلائس لیا تھا۔ اس دوران ایمان ان کے کمرے میں ہی موجود رہی تھی۔ جلال کی سرد مہری اور لیزا کی خاموشی اس نے محسوس کی تو دل بُرا سا ہو گیا۔

"ویسے سچ کہتے ہیں۔ جوڑے آسمانوں پر بنتے ہیں۔ کل تک کون کہہ سکتا تھا۔ اتنی چنچل سی لڑکی بھائی کی ہونے والی بیوی بھی ہو سکتی ہے۔ نا کوئی خیال تھا نہ ہی کوئی منصوبہ بندی۔ قسمت اسی کا نام ہے۔ جب اپنا رنگ دکھاتی ہے تو سب دنگ رہ جاتے ہیں۔ لیکن کچھ بھی ہو یہ چاند سورج کی جوڑی خدا نے سوچ سمجھ کر ہی بنائی ہے۔"

کھلے دروازے پہ دستک دیتا شہریار اندر داخل ہوا تھا۔ ساتھ ہی جلال اور لیزا کی جوڑی پر مختصر سا تبصرہ بھی کر ڈالا۔

"وہی تو میں بھی سوچ رہی تھی۔ لیزا بھائی کے ساتھ بہت جچ رہی ہے۔ خواہ مخواہ ہی میں نے کل رات رستہ رکوائی کا نیگ وصول نہیں کیا۔ لیکن بخشنے والی میں بھی نہیں۔ شہریار بھائی کے ساتھ آپ کی جیب پر بھی ڈاکہ ڈالنے والی ہوں تیار رہیے گا۔" ایمان نے ڈراوا دیا۔

"شہریار کی شادی تو عشقیہ لیول پر ہو رہی ہے۔ وہ تو پورا اکاؤنٹ بھی خالی کرنے پر آمادہ ہو جائے گا۔ مجھے کس چیز کی سزا مل رہی ہے۔ ویسے یہ رستہ رکوائی جیسی فضول رسم ہے کس کی ایجاد؟" جلال چائے پی چکا تھا۔ جانے سے پہلے ایمان کو جواب دیا۔

"اتنی رومانوی قسم کی رسم ہے بھائی! دلہن کے کمرے میں جانے سے قبل بھاری قسم کا تاوان بھرا جاتا ہے۔" ایمان احتجاجاً بولی۔

"کوئی بات نہیں ایک رات میں کمرے سے باہر سو جاؤں گا۔ کمرے میں کونسا

میرے لیے عشق و عاشقی کے صحیفے رکھے ہیں۔" جلال نے بیزار کن سے انداز میں شانے جھٹک دیئے۔ لیزا احساسِ توہین سے سرخ پڑ گئی۔

ایمان اور شہریار بھی جلال کے تیور سمجھ کر اپنے آپ میں چور سے ہو گئے۔ کچھ حد تک لیزا اسے ہمدردی بھی محسوس ہوئی تھی۔ مگر وہ جلال کو بھی قصور وار نہیں ٹھہرا سکتے تھے۔ جلال تیار شیار ہو کر آفس چلا گیا تھا۔ مرزا صاحب نے سنا تو ماتھے پر بل پڑ گئے۔

"بیچارہ میرا بچہ!" ساجدہ کو اپنے سپوت کے جذبات کی بے قدری پر دکھ ہوا۔

"وہ جِسے کل بیاہ کر لائے تھے وہ بھی آپ کی ہی بچی ہے۔ اب اس کے ارمانوں کی بھی فکر کریئے۔" مرزا صاحب کا تو کہنا ساجدہ کو خاصا ناگوار گزرا تھا۔

"اسی کی بہن کا کیا دھرا ہے۔ اب وہی بھگتے گی۔" انتہائی نخوت سے دو ٹوک جواب دیا۔ مرزا صاحب نے ان کے جواب پر **خشمگین** نظروں سے انہیں گھورا۔

"محترمہ خوفِ خدا کیجئے۔ آپ کی بیٹی بھی کسی روز بیاہی جائے گی۔ ویسے بھی جو کچھ ہوا اس میں جلال کی طرح لیزا بیٹی بھی بے قصور ہے۔ وہ تو اتنی صابر بچی ہے۔ سب کی خوشیوں کی خاطر اپنی مرضی قربان کر دی اس نے۔ اب اس کے صلے میں اسے خوشیاں ملنی چاہیے اور ایک بات یاد رکھیے ساجدہ بیگم! آپ کے بیٹے کی خوشیاں لیزا بیٹی سے جڑی ہوئی ہیں۔ اس لیے ان دونوں کو بسانے کی کوشش کیجئے۔ ورنہ ساری عمر آپ بھی پچھتائیں گی۔" مرزا صاحب نے صاف صاف لفظوں میں انہیں سمجھایا تھا۔

وہ کل ہوئے واقع پر رنجیدہ تو تھیں۔ مگر یہ بھی اچھی طرح سمجھتی تھیں کہ مرزا صاحب جو کچھ بھی کہہ رہے تھے وہ سب کچھ ٹھیک تھا۔ اس شام وہ لیزا کو ہمراہ لے کر

اس کے میکے معمول کی رسم نبھانے آئیں تھیں۔ اگرچہ ان کا انداز سب سے لیا دیا سا تھا۔ مگر لیزا کے والدین کے لیے یہ بھی غنیمت تھا۔

"جلال کا رویہ تمہارے ساتھ کیسا ہے؟" شام کی تیاری کرتی زیب النساء کے پاس لیزا کچن میں آئی۔ تو انہوں نے موقع پاتے ہی پوچھ ڈالا۔ رات سے ان کا دل دونوں بیٹیوں کی طرف سے پریشان سا تھا۔

"جیسا ہونا چاہیے۔" لیزا نے ابرو اٹھا کر پیچیدہ سا جواب دیا۔

"صاف صاف بتا دو لیزا! اس نے تم سے کوئی ایسی ویسی بات تو نہیں کی۔ رات سے میرا دل ہول رہا ہے۔" اماں کی پریشانی وہ سمجھ سکتی تھی۔ اب جب ڈھول اس کے گلے میں پڑ ہی چکا تھا تو وہ خاموشی سے اسے بجانا چاہتی تھی۔

"شل ہوتے وجود کی شکایتوں سے ویسے بھی کچھ حاصل ہونے والا نہیں تھا۔ مطلب یہ کہ ان کا رویہ نارمل تھا کسی قسم کا غلط رویہ نہیں تھا۔" لیزا نے مزید کہا تو ان کا بے چین دل ذرا سنبھلا۔

"پھر وہ تمہارے ساتھ کیوں نہیں آیا۔" زیب النساء کی جرح پر لیزا بیزار ہو گئی۔

"اماں انہیں مرزا انکل نے کسی کام سے بھیج دیا تھا۔ میں نے کہا نہ، آپ فکر مند نہ ہوں۔ سب ٹھیک ہے۔" لیزا نے اکتاہٹ سے کہہ کر قصہ ختم کیا۔

زیب النساء نے بھی اسی دنیا میں زندگی گزاری تھی۔ اس لیے سمجھ تو گئیں مگر خاموش ہو گئیں۔ مزید سوال جواب کر کے وہ لیزا کا دل بُرا نہیں کرنا چاہتی تھیں۔ سب کچھ اللہ کے آسرے چھوڑ کر صبر کر لیا۔

"زرانے بھی بوڑھے ماں باپ کا ذرا خیال نہیں کیا۔ میں پوچھتی ہوں آخر کیا کمی تھی جلال میں۔" زیب النساء کی بات پر لیزا تپ گئی۔

" اماں آپ نے ابا میاں کی غلطی تو کبھی تسلیم نہیں کی۔ ان کی زور زبردستی جائز نہیں تھی۔ اب خود بھی بھگت رہے ہیں نتیجہ۔ خود تو مصیبت مول لی ہی لی، میرے سر پر بھی آفتوں کی گھڑی رکھ کر اپنے فرض سے سبکدوش ہو گئے۔ جلال میں واقعی کوئی کمی نہیں ہے۔ مگر دلی وابستگی بھی کسی چیز کا نام ہے۔ ایسے کیسے اچانک پکڑ کر آپ کسی اجنبی کو کسی کی زندگی میں گھسا سکتے دیتے ہیں؟

خیر میرے ساتھ تو آپ لوگوں نے یہ بھی کیا ہے۔ جسے میں کب سے بہن کا ہونے والا شوہر سمجھ رہی تھی اسے اب اپنا شوہر قبول کرنے میں مجھے جھجک کا سامنا ہے۔ اس کا اندازہ ہے آپ لوگوں کو؟" نا چاہتے ہوئے بھی غصے میں اس کے منہ سے سچ نکل ہی گیا تھا۔وہ صبر و تحمل والی تھی مگر جو کچھ بھی اس کے ساتھ ہوا تھا اس کے بعد اس کا پھٹ پڑنا کوئی ناجائز بات نہیں تھی۔

" خبردار! لیزا آہستہ بولو۔ تمہاری ساس نے سن لیا تو اچھا نہیں ہو گا اور اب بھولے سے بھی اس بات کا تذکرہ کسی سے مت کرنا۔ وہ تمہاری بہن کا ہونے والا شوہر تھا مگر اب وہ تمہارا شوہر ہے اور حقیقت یہ ہی ہے۔ لڑکیاں اپنے شوہروں کا نام دوسری عورت کے ساتھ کبھی نہیں لیا کرتیں پھر چاہے وہ ان کی سگی بہن ہی کیوں نہ ہو۔ اب بہن نہیں بیوی بن کر سوچو تمہاری زندگی کی آبادی اور بربادی دونوں جلال کے دم سے ہیں۔ عورت میں بڑے گن اور بڑی لطافت ہوتی ہے۔ وہ چاہے تو اپنے شوہر کا دل جیت کر ہمیشہ کے لیے اسے اپنا بنا

سکتی ہے۔ مرد محبت اور وفاداری کا غلام ہوتا ہے۔ خدمت اور وفا شعاری سے تم یہ جنگ بآسانی جیت سکتی ہو۔"

وہ کھانا تیار کر چکی تھیں برتنوں میں نکالتے ہوئے اس سے یہ ساری باتیں کہہ رہی تھیں۔ جنھیں لیزا سن تو ضرور رہی تھی مگر اس کے خیال میں ان باتوں سے کوئی افاقہ ہونے والا نہیں تھا۔ جلال تو سرے سے ہی اس رشتے کے حق میں نہیں تھا۔ پہلے دن ہی علیحدگی کی بات کر دی تھی۔

واپسی پر ساجدہ بیگم نے بصدِ اصرار جلال کو وہاں بلوایا تھا۔ کچھ مرزا صاحب کی بھی بڑی سخت لتاڑ کا اثر تھا۔ جلال کو انہیں وہاں سے لینے آنا ہی پڑا تھا۔

رات کا وقت تھا۔ لیز اور احمد لان میں کھڑے تھے احمد سینے پر ہاتھ رکھ کر جھکا اسے چاکلیٹ پیش کر رہا تھا۔ بُرے موڈ میں بھی اپنی من پسند چاکلیٹ دیکھ کر وہ مسکرا دی تھی۔ اسے بچپن سے ہی چاکلیٹ سے عشق رہا تھا۔ جلال کے لیے یہ منظر کسی حد تک ناقابلِ برداشت تھا۔

تنے ہوئے تاثرات لے کر وہ آگے بڑھا تو لیزا کی مسکراہٹ سُکڑ گئی جبکہ احمد نے بڑی گرم جوشی سے اس سے مصافحہ کیا۔ کھانا وہ لوگ کھا چکے تھے۔ جلال نے کھانے پر آنے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ ساجدہ نے بھی بہانا کر دیا۔ کافی کی ایک نشست کے فوراً بعد وہ اٹھ کھڑا ہوا تو لیزا اور ساجدہ نے بھی اس کی تقلید کی تھی۔

"رسم کے مطابق تو لیزا کو آج رات یہیں ٹھہرنا چاہیے تھا۔" انکے جانے کے بعد زیب النساء نے دل کی بات کی۔

"ابھی لیزا کا اپنے سسرال میں ہونا زیادہ ضروری ہے۔ یہاں کا کیا ہے، بعد میں آتی جاتی رہے گی۔" ہاشم معاملے کی نزاکت کو گہرائی سے سمجھ رہے تھے۔ زیب النساء 'ہنہ' کہہ کر خاموش ہو گئیں۔ اب خدا ہی ان کی بیٹیوں پر رحم کر سکتا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

فارس سے مرحا کی ملاقات اگلے روز آفس میں ہوئی تھی۔ وہ اپنے کام میں مصروف تھا۔ جب وہ اندر داخل ہوئی۔ اس نے مرحا کی آہٹ کو محسوس کر کے سر اٹھا کر دیکھا تھا۔

"تمہارا کیبن تمہیں مس روزی دکھا دیں گی۔" فارس نے اپنی پرسنل اسسٹنٹ کو ساری تفصیلات سمجھا دیں۔ مرحا اس کے انداز سے اچھی طرح اس کا مطلب سمجھ گئی تھی۔ وہ اسے اپنے روم میں نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔

اب یہ کیسے ممکن تھا کہ مرحا وہاں سے چلی جاتی اسے تنگ کرنے کا کوئی بھی موقع وہ ضائع نہیں کر سکتی تھی۔ اس لیے کرسی گھسیٹ کر وہیں آرام سے بیٹھ گئی۔ جیسے اُٹھنے کا کوئی ارادہ نہ ہو۔ فارس نے ترچھی نظروں سے اسے یکھا اور پیپر فائل بند کر کے میز پر پٹخ دی۔

"بزنس پارٹنر ہونا ایک اچھی حیثیت ہے مگر یہ پوسٹ تمہیں ہرگز بھی میرے کیبن یا میری ذاتیات میں گھسنے کی اجازت نہیں دیتی۔" قرارا سا جملہ کسا گیا تھا۔

"لیکن تمہاری بیوی ہونے کی حیثیت سے تو تمہاری ساری ذاتیات مجھ سے ہی جڑی ہونی چاہئیں۔" آرام سے کہہ کر مرحا نے اس کی حالت کا مزا لیا۔

اس نے ہاتھ کی دو انگلیاں ہونٹوں پر سجائے ہوئے، پُر سوچ نگاہیں اس پر ڈال کر کرسی کی پشت سے سر ٹکا دیا۔ جیسے فرصت سے اسے جھیلنے کا ارادہ ہو۔

"تم میری بیوی کی حیثیت سے یہاں موجود ہو۔" یہ کہہ کر وہ سر ہلاتے ہوئے اٹھ کر اس کے قریب چلا آیا۔ مرحا ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے بیٹھی ناخن کھرچ کر اسے نظر انداز کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ اس کی پشت پر کھڑا تھا دونوں ہاتھ اس کے شانے پر رکھے اور اس پر جھکا۔ مرحا برف کی طرح جم گئی دل رک کر دھڑکا تھا۔

فارس نے شہادت کی انگلی سے اس کے گال کو چھوا تھا۔ اس سے قبل کے جسارت گالوں سے پھسل کر ہونٹوں تک آتی، وہ تڑپ کر اس سے دور ہٹتی کھڑی ہو گئی۔

" یہ کیا گھٹیا حرکت ہے۔" اس کی زہر میں بجھی آواز کمرے کے سناٹے کو چیر کر گہری سانس بھرتے فارس کے کانوں سے ٹکرائی۔

"کم آن مرحا میں تو بس اپنی بیوی سے اپنی زندگی کا ایک ذاتی اور رومانٹک سا لمحہ شیئر کر رہا تھا۔" فاتحانہ سا انداز مرحا کو چڑا رہا تھا۔ اس اینگل کے بارے میں مرحا نے اب تک نہیں سوچا تھا۔ اس لیے جل کر رہ گئی۔ فارس کی ایسی قربت کی توقع اس نے بہر حال نہیں کی تھی۔

"اپنی چیپ حرکتوں کا مظاہرہ تم نہ بھی کرو، تو بھی تمہارے اندر کی غلاظت کو میں اچھی طرح جانتی ہوں۔ لڑکی کو دیکھ کر تم جیسوں کے دماغ میں بس گھٹیا سوچ ہی وارد ہوتی ہے۔ ایک بدکار شخص کے بھائی سے اور امید بھی کیا رکھی جا سکتی ہے۔" یہ کہہ کر وہ جانے لگی تھی کہ فارس اس کے راستے میں حائل ہو گیا۔

"کسی پر حیا سازی اور بدکاری کا فتوا لگانے والی تم کون ہوتی ہو مرحا احسان۔؟ غالباً دو راتیں بخیر و عافیت تم میرے گھر پر گزار چکی ہو۔ وہ بھی ایسی حالت میں جبکہ تم میری

منکوحہ تھیں۔ جسے تم پر ہر قسم کا قانونی اور شرعی حق حاصل ہے۔ اس کے باوجود یہ میں ہوں جس نے تمہاری مرضی کے خلاف کچھ نہیں کیا۔ کسی بھی شریف سے شریف تر انسان کی زندگی میں تم اپنے حسن کا فتنا لے کر داخل ہو جاؤ گی۔ اسے اکساؤ گی اور پھر سامنے والے کو ہی موردِ الزام ٹھہرا کر چلتی بنو گی۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ اگر اپنے شوہر سے ہی تحفظ کی توقع نہیں رکھتیں تم، تو میری زندگی سے چلی جاؤ مرحا۔ اس سے پہلے کے بہت دیر ہو جائے۔" وہ بُری طرح حالتِ غیض میں تھا۔ مرحا کے پاس اس کی باتوں کا کوئی جواب نہیں تھا۔ اس لیے بنا کچھ کہے دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔

فارس لب بھینچے کھڑا خود کو نارمل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ جب اس کا موبائل بجنے لگا۔ اسکرین پر بڑے بڑے لفظوں میں ''دار جی'' لکھا جگمگا رہا تھا۔ فون اٹھا کر کان سے لگانے سے پہلے فارس نے خود کو اس اگلے محاذ کے لیے تیار کیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

کل رات اس کے سونے تک جلال اسٹڈی میں گھسا رہا تھا۔ پھر گزشتہ رات کی طرح صوفے پر سو گیا۔ اگلے دن گھر میں معمول کی چہل پہل تھی۔ ناشتہ سب نے ساتھ مل کر کیا تھا۔ لیزا کو سادہ سے لباس اور بنا مہندی والے ہاتھوں میں دیکھ کر ساجدہ بیگم نے پارلر والی کو بلا کر خاص طور پر اسے مہندی لگوائی تھی۔ اس کی پس و پیش بھی کام نہ آ سکی۔

شام کو سب چائے پر جمع تھے۔ جب ایمان نے بطورِ خاص لیزا کے رنگ چڑھے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے کر دیکھا۔

"کہتے ہیں جس دلہن کے ہاتھ پر مہندی کا رنگ گہرا ہو اس کا شوہر بے حد پیار کرنے

والا ثابت ہوتا ہے۔" ایمان نے بلند و بانگ اعلان کرتے ہوئے جلال کو چھیڑا۔ چائے کا گھونٹ بھرتے جلال کو زور کا اچھو لگا تھا۔ ساتھ ہی چہرے پر طنز سے بھرپور ہنسی رقص کرنے لگی۔ لیزا سب کے سامنے کی جانے والی اس کی حرکت پر دانت پیس کر رہ گئی۔

"بڑے بوڑھوں کی باتیں مذاق میں نہیں اڑانی چاہیئے۔" ساجدہ بیگم کو بھی بیٹے کا طریقہ کچھ خاص پسند نہیں آیا۔ بہو کے ارمانوں کا خیال کرتے ہوئے اسے ٹوک دیا۔

" یہ صرف فضولیات ہیں جنہیں آپ لوگ اتنی اہمیت دیتے ہیں ان باتوں میں ذرا بھی سچ نہیں ہے۔ کیوں کیا خیال ہے لیزا!" جلال نے کچھ جتانے کو اسے بھی رگڑ ڈالا۔

" دراصل جلال ٹھیک کہہ رہے ہیں، یہ اس زمانے کی باتیں ہیں، جب بیویاں گائیں بھینسوں جیسی بے ضرر ہوا کرتی تھیں ۔ شوہر محبت کرے نا کرے، زمانے بھر میں رسوا کر ڈالے۔ مگر بس مہندی کا رنگ چڑھتا دیکھ کر ان کی خوشی کا پارہ بھی آسمان پر چڑھنا شروع ہو جایا کرتا تھا۔ مگر اب زمانہ بدل گیا ہے۔ لڑکیاں حالاتِ حاضرہ کو بخوبی سمجھتی ہیں۔ اور پھر میں تو انتہائی پریکٹیکل لڑکی ہوں گمان کو نہیں مانتی عمل پر یقین رکھتی ہوں۔" سب کے سامنے لیزا نے کمال جسارت سے جلال کی بولتی بند کروائی۔ جلال کے چہرے پر ایک خفت کی لہر پل بھر کو ابھری اور پھر معدوم ہو گئی۔

"بھائی غور سے سنیں بھابھی کے پاس بھی عمل کا ردِ عمل موجود ہے۔" شہریار اپنے مطلب کا نقطہ کہیں سے بھی ڈھونڈ لاتا تھا۔ اب کی بار پہلو بدلنے کی باری لیزا کی تھی۔

"کس قسم کی فضول کی بحث میں الجھ گئے ہو تم لوگ؟ شادی والا گھر ہے صبح بارات لے کر نکلنا ہے۔ بجائے اس کے تم لوگ تیاری کرو یہ الٹے سیدھے فلسفے جھاڑنے بیٹھ گئے

ہو۔" ساجدہ بیگم نے سب کو جھاڑا تو محفل منتشر ہو گئی۔

" جو کچھ بھی ہوا ہو اسے بھول کر تمہیں اب جلال کا دل جتنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ لیزا گھر بسانا ہمیشہ عورت کے اختیار میں ہوتا ہے۔ مرد تو ایک اتھرا گھوڑا ہے۔ جسے صرف محبت اور اطاعت کی نکیل سے ہی قابو کیا جا سکتا ہے۔ تم جلال کو احساس دلاؤ گی کہ وہ تمہارے لیے بہت خاص ہے۔ تب ہی وہ تمہارے اور اپنے رشتے کی حیثیت کو تسلیم کرے گا۔ عورت تو موم کی طرح ہوتی ہے۔ بس تم پگھل کر اس کے پہلو میں ڈھیر ہو جاؤ۔ تمہاری چاہت کا جواب وہ کبھی بھی دھتکار سے نہیں دے سکے گا۔"

اس وقت وہ کمرے میں اکیلی اپنی وارڈ روب ٹھیک کر رہی تھی۔ جب ساجدہ بیگم وہاں آکر اسے سمجھانے لگیں۔ وہ بنا کوئی تاثر دیئے ان کی پوری بات سنتی رہی۔ ان سے کہہ نا سکی کہ اپنی عزتِ نفس کو کچلنا اگر اتنا آسان ہوتا تو اسے کسی بات کا غم نہ ہوتا۔ کہ نکاح کے دو بول پڑھنے کے بعد اس کے دل نے تو جلال کو اپنا شوہر تسلیم کر لیا تھا۔ وہ تو اپنا آپ اسے سونپنے پر تیار ہو گئی تھی۔ لیکن جلال کی زندگی میں اس کے لیے کوئی گنجائش ہی نہیں۔ اس نے بری طرح سے لیزا کی ذات کی نفی کر دی تھی۔ تو پھر وہ کیسے زبردستی اس کی زندگی میں گھستی چلی جائے۔

" اپنا گھر بسانے کے لیے عورتیں کیا کچھ نہیں کر گزرتیں۔ تمہیں تو بس ایک اپنے شوہر کا ہی دل لبھانا ہے۔ اسے یقین دلانا ہے کہ تم ایک اچھی شریک حیات ہو۔" وہ اس کے جذبوں سے بے پرواہ کہتی جا رہی تھیں۔

"گھر پر تو ملازمین کی کمی نہیں ہے۔ اس لیے کسی کام کی فکر کرنے کی تمہیں ضرورت

نہیں۔ لیکن جلال کے سارے کام تم خود کرو تو یہ تم دونوں کی آئندہ زندگی کے لیے خوش آئندہ ثابت ہو گا۔ تمہاری بہن نے اگر یہ سب کارنامے نا کیے ہوتے تو شاید تمہیں یہ دن نا دیکھنے پڑتے۔"

ان کی آخری بات پر لیزا کو شدید اختلاف ہوا تھا۔ اگر پوری دنیا نے مل کر زارا کے قدموں میں من گھڑت رسم و رواج کی بیڑیاں نا ڈالی ہوتیں تو وہ کیوں باغی ہو کر سارے بندھن چھڑاتی۔ یہ بس وہ سوچ ہی سکتی تھی، کہہ کر تو سب کے طعنوں کو سنوں کا شکار بنتی۔

جلال کا ایک جوڑا خود ہی منتخب کر کے اسے پریس کروا دیا تھا۔ جلال رات کو کمرے میں داخل ہوا تو لیزا کو اپنے جوتے صاف کرتے دیکھ کر جیسے اسے کرنٹ لگا۔

"یہ تم کیا کر رہی ہو؟" اس کی جانب لپکا اور ہاتھ سے شوز چھین لیا۔

"آپ کے جوتے صاف کر رہی ہوں۔" جواب سادگی سے بھرپور تھا۔

"نظر آتا ہے مجھے۔ لیکن تم یہ سب کام کیوں کر رہی ہو؟" جلال معترض ہوا۔

"دیکھیے صبح جو لباس آپ پہنے گے اس کے ساتھ تو یہ والے جوتے ہی اچھے لگ رہے تھے۔ اس لیے میں نے سوچا ابھی سے صاف کر دیتی ہوں۔ صبح ممکن ہے دوسرے کاموں کا بوجھ زیادہ ہو۔" لیزا کی معصومیت آسمانوں کو چھو رہی تھی۔

"اور میں صبح کون سا لباس پہننے والا ہوں۔" جلال چاشنی بھرے لہجے میں بولا۔

"وہ سامنے وارڈروب میں پریس کر کے لٹکا دیا ہے۔ ڈیزائنر کا سفید شلوار کرتا ہے۔ صبح کے لحاظ سے بالکل مناسب لباس ہے۔"

"اور تم سے کس نے کہا میری ڈریس ڈیزائنر کے عہدے پر فائز ہو جاؤ۔" اب کے

سنجیدہ طنز ابھرا۔

" دیکھیے ! آپ مجھے بیوی تسلیم نہیں کرتے، مت کریں۔ لیکن ساجدہ آنٹی اور مرزا انکل مجھے بہو مانتے ہیں۔ اور میں ان کی بہو کی حیثیت سے یہ سارے کام کر رہی ہوں۔" لیزا کی بات پر جلال جھوم اُٹھا۔

" تو پھر جاؤ اور جا کر مرزا صاحب کی جوتیاں صاف کرو، اس چاپلوسی سے وہی خوش ہو سکتے ہیں۔ اور تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے تم اگر میری عزیز از جان محبوبہ بیوی ہوتی تب بھی قطعی تمہیں اپنے جوتوں کو ہاتھ نہ لگانے دیتا۔ یہ کام میں ہمیشہ سے خود کرتا ہوں اور اب بھی خود ہی کروں گا۔" ہٹو اسے اٹھنے کا کہہ کر وہ خود صوفے پر بیٹھ گیا اور اپنے جوتے چمکانے لگا۔

لیزا ہلی نہیں وہیں بیٹھی رہی۔

" ٹھیک ہے آپ کریں خود۔ میں جا کر مرزا انکل کے جوتے صاف کرتی ہوں۔" وہ دھمکانے پر اتر آئی۔ جلال نے اسے جاتے ہوئے دیکھا۔ پھر دانت پیستے ہوئے کہا۔ "رک جاؤ!" وہ جاتے جاتے رکی مگر پلٹی نہیں۔

" میں نے اپنی ماں اور بہن سے کبھی اپنے جوتے صاف نہیں کروائے کیونکہ وہ میرے لیے مقدس ہیں۔ اب چاہے میں جتنا بھی اس سچ سے بھاگ لوں کوئی فائدہ نہیں تم میری بیوی ہو۔ اور یہ حقیقت حالیہ لمحوں میں نہیں بدل سکتی۔ اس لیے میری نظروں میں تمہاری عزت کا معیار بھی وہی ہے۔ جو مجھ سے جڑی باقی تمام اہم عورتوں کا ہے۔" انتہائی سیریس اور نپے تلے لفظوں میں کہہ کر وہ اپنے جوتے صاف کرنے میں دوبارہ مصروف ہو

گیا تھا۔ جبکہ لیزا کو جیسے اپنی سماعتوں پر یقین ہی نہیں ہوا تھا۔ جلال اتنی حساس سوچ اتنے پاکیزہ جذبات کا مالک بھی ہو سکتا ہے۔ اس نے سوچا ہی نہیں تھا۔

حالانکہ یہ معمولی سی بات تھی۔ وہ شروع سے ابا اور پھر احمد کے جوتے صاف کرتی رہی تھی۔ مگر کبھی بھی کسی نے بھی اتنی شفقت اور احترام سے نہیں ٹوکا تھا، نہ ہی لیزا نے کبھی اس نہج پر پہنچ کر سوچا تھا۔ وہ پلٹ کر اسے دیکھے جا رہی تھی۔

" تم چاہو تو جا کر اپنے مرزا انکل کے جوتے صاف کر سکتی ہو۔" جلال واپس اسی جون میں لوٹا۔ جس میں اکثر ہوا کرتا تھا۔ لیزا چونک کر مسکرائی پھر واپس اس کے قریب آئی۔ " اس حساب کتاب کے مطابق تو آپ بھی میرے شوہر ہیں اور میرے لیے اتنے با ادب اور اتنے ہی مقدس ہیں کہ میں بلا کسی جھجک اور کراہیت کے آپ کے جوتے خوشی خوشی صاف کر سکتی ہوں۔"

"ہیلو! میڈم کن ہواؤں میں پھر رہی ہو۔" جلال نے اُس کے سامنے چٹکی بجائی۔

" اس شادی کا پسِ منظر مت بھولو۔" اسے خوش فہمیوں کی چوٹیوں پر پہنچتا دیکھ کر جلال بادل کی طرح گرجا۔

" آپ کبھی تو اچھا بھی سوچا کریں۔ ماضی میں جو ہو گیا اسے بھول جائیں۔ حال پر توجہ دیں۔ وہ جوتے صاف کر کے فارغ ہو چکا تھا۔ لش پش جوتوں کو اٹھا کر لیزا نے ٹھکانے لگایا۔

" جلال صاحب! اس دن جو کچھ بھی آپ نے کہا میں اس کی قدر کرتی ہوں۔ آپ کے بھی جذبات ہیں۔ ایسے حادثے کے بعد کوئی بھی ہوتا ایسی ہی بات کرتا۔ لیکن میں

تھوڑی مختلف ہوں۔ آپ کی توقع کے مطابق تو مجھے اس تذلیل پر بوریا بستر سمیٹ کر یہاں سے چلے جانا چاہیے تھا۔ لیکن میں نہیں گئی۔ پتا ہے کیوں؟" کہتے کہتے توقف کے لیے رک کر لیزا نے اس کی آنکھوں میں جھانکا جہاں جواب سننے کا انتظار پھیلا ہوا تھا۔

" میں ایک مشرقی لڑکی ہوں۔ سادہ، بے لوث، استقامت پسند۔ مجھے گھر بسانا آتا ہے۔ لیکن اُجاڑنا نہیں۔ آپ سے شادی بھی میں نے اسی لیے کی تھی کیونکہ میں خود تو قربان ہو سکتی تھی۔ مگر اپنے ماں باپ کی عزت کی بلی چڑھتے دیکھنا میرے لیے بہت زیادہ مشکل تھا۔

مجھ میں عزتِ نفس بے تحاشا ہے مگر بلا ضرورت انا سے میں کتراتی ہوں۔ میری عزتِ نفس نے ہی مجھے خود کو آپ پر مسلط کرنے سے روکا ہوا ہے اور انا نے تعاون کا ہاتھ بڑھانے سے نہیں ٹوکا۔

اب میرا مستقبل آپ سے اور آپ کی خوشی مجھ سے جڑی ہوئی ہے۔ ہم دونوں کو اپنے اپنے حصے کی ذمہ داریاں نبھانی آنی چاہئیں۔ غرض محبت مجھے بھی نہیں ہے۔ لیکن بہت سی شادیاں محبت کے بغیر بھی ہوتی ہیں۔ تعلق کی خوبصورتی خوش اسلوبی سے نبھانا ہے۔"

لیزا نے بنا کسی جھجک شرم اور اکڑ کے اس سے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ وہ محبت کو اہمیت دیئے بغیر بھی اس سے یہ رشتہ نبھانا چاہتی تھی۔ جبکہ جلال جو صم ''بکم'' اسے سن رہا تھا۔ بے تاثر مسکراہٹ پھینک کر کھڑا ہو گیا۔

" میاں بیوی کے رشتے کی بنیاد ہی محبت ہوتی ہے۔ جب اس رشتے کی بنیاد سے ہی واقف نہیں ہو پھر اس رشتے کی سانس کا کیا کرو گی۔ لیزا ہاشم! معذرت کے ساتھ تمہارے

اس سمجھوتے کی آفت کو میں بالکل قبول نہیں کر سکتا۔" وہ اس کی مفاہمت کو ٹھکرا کر چلا گیا۔لیزا شل ہوتے اعصاب کے ساتھ بیٹھی رہ گئی۔وہ شخص اسکے لیے بہت برا معمہ بن چکا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

فارس اور مرحا میں مزید فاصلہ در آیا تھا۔فارس اس کو مسلسل اگنور کر رہا تھا اور وہ بھی فی الحال اس سے الجھنے سے گریز کر رہی تھی۔ فارس کی اس روز والی حرکت کے بعد اس کے چودہ طبق روشن ہو گئے تھے۔ ان دونوں کی شادی کی اطلاع گاؤں پہنچ چکی تھی۔
شروع کے دنوں میں فون پر ہی دار جی فارس پر گرجتے برستے اسے گاؤں بلاتے رہے تھے۔ مگر فارس نے مصروفیت کا کہہ کر ٹال دیا تھا۔ شادی کرنے کا سچ گو کہ وہ ان کے سامنے تسلیم کر چکا تھا۔ مگر فی الحال کوئی بھی وضاحت دینے کے موڈ میں نہیں تھا۔
نتیجے کے طور پر دار جی شہر آ گئے تھے۔ وہ اور مرحا انتہائی ضروری میٹنگ نبٹا کر فارغ ہوئے تو پی اے نے بتایا کہ دار جی اندر فارس کے روم میں بیٹھے ہیں۔ خبر سن کر جہاں فارس کی بھنویں تن گئیں وہاں مرحا کے لب دھیرے سے مسکرائے۔
وہ اپنے آفس کی جانب بڑھ گیا جبکہ مرحا باہر ہی میگزین لے کر اس کی ورق گردانی کرنے لگی۔ گھر میں تو مرحا نے فارس کے کمرے پر قبضہ کر ہی رکھا تھا مگر یہاں اس کے کیبن پر حملہ ناکام ثابت ہوا تھا۔ اس لیے وہ اپنے الگ کیبن میں بیٹھتی تھی۔ بزنس سے بھلا اسے کیا خاص دلچسپی ہو سکتی تھی۔ وہ تو آفس میں فارس کو زچ کرنے آتی تھی۔ بات بات پر اپنا نکتہ اعتراض اٹھا کر بلاوجہ کی جرح کر کے وہ اسے اشتعال دلاتی تھی جبکہ عملے کا خیال کر

کے وہ صبر و حوصلے سے کام لیتا تھا۔

وہ بیرسٹر تھا مگر وکالت چھوڑ کر اس نے ایونٹ مینجمنٹ کمپنی کھول رکھی تھی۔ جو تھوڑے ہی عرصے میں اتنی مقبول ہو گئی تھی کہ بڑی بڑی سلیبر یٹیز اور مایہ ناز اپر کلاس طبقہ خصوصی طور پر انہیں ہائیر کرتا تھا۔ یہ سب کچھ فارس کی محنت اور قابلیت کا نتیجہ تھا۔

اندر کا حال احوال جاننے کی مرحا کو بڑی بے چینی تھی مگر صبر کے علاوہ اور کوئی راستہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ جبکہ اندر فارس رسمی علیک سلیک کے بعد دار جی کی گرج برج سن رہا تھا۔

"فارس تم اچھی طرح جانتے ہو ہمارے ہاں خاندان سے باہر شادیاں نہیں ہوتیں۔ پھر بھی تم نے ایسی حرکت کی۔ اس کا نتیجہ جانتے ہو تم؟ اپنے ورثے سے عاق کر دیئے جاؤ گے اور شادی بھی کس سے کی تم نے؟ جس کی بہن بد نامِ زمانہ ہے۔" دار جی کی بات فارس کو سرخ کر گئی تھی۔ بڑی مشکل سے اس نے اپنے آپ کو باپ کے سامنے اونچا بولنے سے روکا تھا۔

"بدنام زمانہ آپ کا اپنا بیٹا ہے دار جی! جس کے سیاہ کرتوتوں پر آپ کی دولت نے پردہ کا ڈال رکھا ہے۔ میں ساری حقیقت اچھی طرح سے جان چکا ہوں۔ اس لیے بہتر ہے میرے سامنے ایسی بات کہہ کر خود کو مت گرائیں۔ رہی بات ورثے کی تو آپ کی وراثت میں لوگوں کی اتنی بددعائیں شامل ہیں دار جی! کہ انہیں سمیٹنے کا حوصلہ مجھ میں نہیں ہے۔ میرے پاس جو کچھ ہے، وہی میری حیات ہے۔ میں اپنی زندگی میں مگن ہوں۔ آپ اس میں مداخلت مت کریں۔"

صاف کھرے لہجے میں فارس نے سیدھے جواب دیئے اور یہ سن کر حشمت خاقان کی شعلہ بار روح بلبلا اُٹھی۔

"مت بھولو تم اپنے باپ سے مخاطب ہو۔"

"نہیں بھولا اسی لیے انتہائی احترام سے کہہ رہا ہوں۔" وہ دو بدو بولا۔ چند ثانیے وہ چپ رہے۔

" فارس یہ لڑکی تمہاری زندگی میں کسی بُری نیت سے داخل ہوئی ہے۔ کوئی بڑا نقصان پہنچائے گی تمہیں اور مجھے تو حیرت ہے اس سے نکاح کر کیسے لیا تم نے؟"

"یہ نکاح دو سال پرانا ہے۔" ابھی اس حقیقت سے وہ ناواقف ہی تھے۔

" بے فکر رہیے دار جی میرے کسی بھی نقصان سے آپ کو کوئی ضرر نہیں پہنچے گا وہ میری بیوی ہے اور میری بیوی کسی اور کا نہیں میرا مسئلہ ہے۔ اس لیے مجھے کسی کی مداخلت گوارہ نہیں ہے۔" وہ مستحکم انداز میں بولا تھا۔

"مگر تم میرے بیٹے ہو۔ میں نے تمہیں پالا ہے۔ ایسے ہی کسی کے حوالے نہیں کر سکتا۔ اس لڑکی کو جتنا جلدی فارغ کر دو بہتر ہو گا۔ اس کے لیے بھی اور تمہارے لیے بھی۔ میں اسے تمہاری زندگی میں مزید برداشت نہیں کر سکتا۔ ویسے بھی تمہاری منگنی بچپن سے لالہ رُخ سے طے ہے فارس! اور ہم زبان کر کے مکرنے والوں میں سے نہیں ہیں۔ میری بہو میرے بھائی کی بیٹی ہی بنے گی۔ یہ شہر میں چھپا کر رکھی جانے والی خفیہ بیویوں کی حیثیت مرد کی زندگی میں کسی دھندے والی سے زیادہ کی نہیں ہوتی۔"

"دار جی!" فارس کی پاٹ دار آواز کمرے میں گونجی تھی۔ مارے غیرت کے خون

ابل ابل کر شریانیں پھٹنے والی ہو گئی تھی وہ بیٹھا تھا پشت پر ہاتھ باندھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"وہ میری بیوی ہے۔ مت بھولیے آپ میری عزت پر حملہ آور ہیں۔ میں ایسی بات دوبارہ بالکل برداشت نہیں کرونگا۔ میرا آپ کے گاؤں سے بس اتنا سا تعلق ہے دار جی کہ وہاں میری ماں رہتی ہے۔ باقی کسی بھی چیز میں میری کوئی دلچسپی نہیں اور نہ ہی میں نے آپ کے بڑے سپوت کی طرح دولت کی ہوس پال رکھی ہے۔"

آگ اُگلتا لہجہ اور لفظون سے چھلکتی حقارت کو محسوس کر کے دار جی جانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔

" تم اپنے باپ سے جو دشمنی پال کر بیٹھے ہو یہ تمہیں بہت مہنگی پڑے گی۔ اصل دشمنی کی حق دار وہ لڑکی ہے جسے تم نے اپنی زندگی تباہ کرنے کا راستہ خود ہی دے دیا ہے۔ تم بہت پچھتاؤ گے فارس۔" وہ اسے دھمکا کر وہاں سے چلے گئے جبکہ فارس پر ان کی کسی بات کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا وہ سر جھٹک کر رہ گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

شام کو گھر پر مرحا سے سامنا ہوا تو وہ بڑی محفوظ کن سی ہنسی ہنس دی جس کا راز اور مقصد فارس اچھی طرح جانتا تھا۔ اس کو مرحا کا یہ انداز سخت ناگوار گزرا تھا۔

"ایک وہ ہیں کہ جنہیں اپنی خوشی لے ڈوبی

ایک ہم ہیں کہ جنہیں غم نے ابھرنے نہیں دیا"

مرحا کی انشاء پرور روح کلبلائی تو شعر اچھال پھینکا۔ فارس کمرے میں بیٹھا لیپ ٹاپ پر مصروف تھا جب یہ حملہ ہوا وہ بھی کام کرنا چھوڑ کر اس کی جانب متوجہ ہوا۔

"کیوں آپ کی خوشیوں کو میرا غم کرے اداس

اک تلخ حادثہ ہوں بھلا دیجیئے مجھے"

مرحانے تالی بجا کر اسکے اعلیٰ ذوق کو داد پیش کی۔

"میں تمہیں بھول بھی تو سکتی تھی

مگر یہ نہیں ہوا مجھ سے"

مرحانے جون ایلیا کے مذکر کو موقع کی مناسبت سے مؤنث میں بدلا تو فارس نے متاثر ہوتے ہوئے شانے اچکا کر مزید شاعری کے پروگرام سے معذرت کرلی۔

"ویسے تم نے بتایا نہیں تمہارے ابا کیوں آئے تھے۔" وہ کافی پی رہی تھی۔ فارس کو کافی کی شدید طلب محسوس ہوئی، تو اٹھ کر اس کے ساتھ ہی آ بیٹھا اور بنا اجازت کافی کا کپ اس سے لے کر لمبا سا گھونٹ بھرا۔ تھکے ہوئے وجود میں دوڑتی حرارت سکون کا باعث بنی تھی اس حرکت پر مرحا اس کی شکل دیکھ کر رہ گئی۔

" ابا کہہ رہے تھے بہو کو گھر کیوں نہیں لائے۔ منہ دکھائی کی رسم کرنی تھی۔" فارس نے چڑانے کے لیے بڑی ترنگ میں کہا۔

" خیر یہ تو نہیں کہا ہو گا۔ اتنا تو میں بھی اچھی طرح سے جانتی ہوں۔" اس کی من گھڑت پر مرحا کو سرے سے یقین ہی نہیں آیا۔

" ویسے اگر تم تعلیم ادھوری نہ چھوڑ تین تو ایک بہترین وکیل بنتی۔"

مہکے مہکے سے ماحول میں فارس کی بات نے سرد مہری طاری کر دی تھی۔

" تم اپنی بات کرو فارس! تم نے کیوں بنا بنایا کیریئر تباہ کر دیا۔ وکالت چھوڑ دی۔"

چبھتی ہوئی نظروں اور کاٹ دار لہجے میں سوال در سوال ہوا۔اس بات پر فارس کو رنج پہنچا تھا۔وکالت اس کا جنون تھی مگر زندگی نے اسے اس دہانے پر لا کھڑا کیا جہاں اس کے دل نے ہی اس کو اس پیشے سے دوری پر مجبور کر دیا تھا۔

" اگر میں اس بات کا جواب دوں، تو کیا تم مجھ پر بھروسہ کر لو گی؟" وہ کسی گہری سوچ میں گم ہو کر بولا تھا۔

" اگر تم سچ بولو گے فارس، تو یقینا میں یقین کروں گی۔ لیکن تم اپنے سچ کو پہلے سچ ثابت تو کر کے دکھاؤ۔" مرحا رکھائی سے بولی۔

نہ جانے کیوں فارس کا دل چاہا تھا کہ بغیر ثبوت کے بھی ساری وضاحتیں اس کے روبرو کھول کر رکھ دے۔اپنا مقدمہ اس کی عدالت میں پیش کر کے خود فیصلے کا منتظر ہو جائے مگر مرحا کی اس بے اعتنائی کے بعد یہ ممکن نہیں رہا تھا۔وہ اٹھ کر گیسٹ روم میں آ گیا ۔مرحا کی آمد کے بعد سے وہ اب تک گیسٹ روم میں ہی سو رہا تھا۔

وہ پچھتاوے کی ایک ان دیکھی بھٹی میں جل رہا تھا۔جہاں سے صرف مرحا ہی اسے رہائی دلا سکتی تھی۔خدا کے حضور سجدہ ریز ہو کر تو وہ بارہا معافی کی درخواست کر چکا تھا۔ لیکن اس نے سن رکھا تھا کہ جب تک اپنے ساتھ ہونے والی زیادتی پر انسان اپنے مجرم کو معاف نہیں کرتا ،تب تک اللہ بھی معاف نہیں کرتا۔ خدا کی معافی بھی فارس کے لیے مشروط تھی اور وہ ہر صورت میں اللہ کی یہ شرط پوری کرنا چاہتا تھا۔

وہ بستر پر دراز ہوا تو کروٹیں بدلتے کئی گھنٹے گزر گئے۔ ذہن پر سوچوں کی یلغار حملہ آور ہو تو کسے نیند آتی ہے۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔کمرے کی لائیٹ آن کی تو وال کلاک پر نظر

پڑی، گھڑی رات کے ڈھائی بجا رہی تھی۔ فارس پر عجیب سی بے کلی چھانے لگی تھی وہ پچھلے چند سالوں سے اکثر ہی راتوں کو بے خوابی کا شکار رہنے لگا تھا۔

اس کی نیندوں پر کوئی اور نہیں، مرحا قابض تھی آج بھی اسے ماضی کی یادیں بے چین کر رہی تھیں۔ بے اختیار اسے مرحا سے ہونے والی اپنی پچھلی ملاقات یاد آئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

فارس خاقان حیدر، ملک کا سب سے کم عمر اور کامیاب وکیل تھا۔ اس روز مرحا کی یونیورسٹی کے ایک فنڈ ریزنگ ایونٹ کے سلسلے میں مہمانِ خصوصی کے طور پر فارس خاقان حیدر کو مدعو کیا گیا تھا۔ مرحا چونکہ خود لاء یونیورسٹی میں پہلے سمسٹر کی طالبہ تھی اس لیے ملک کے نامور وکیلوں کی کارکردگی پر اس کی گہری نظر رہتی تھی۔ ان دنوں اپنے ہی باپ کے خلاف زمینوں کا کوئی کیس جیت کر فارس خاقان انصاف کا علمبردار بنا، ہر نیوز چینل پر چھایا ہوا تھا۔

"مخالفین کی زمین پر حشمت خاقان کا قبضہ درست نہیں تھا۔ میں نے اپنے والد کے خلاف نہیں بلکہ انصاف کے حق میں کیس لڑ کر جیتا ہے۔" یہ بیان فارس نے سب سے ٹاپ ریٹڈ نیوز چینل پر ریکارڈ کروایا تھا۔

سیاسی رہنماؤں کا ذاتی وکیل ہونے کے ناطے وہ اکثر ٹاک شوز پر بھی چھایا رہتا ۔اس کی شاندار پرسنلٹی اور سحر انگیز باتوں سے مرحا بُری طرح متاثر ہو چکی تھی۔ حتیٰ کہ ایک وقت ایسا آیا کہ وہ مرحا کا آئیڈیل بن گیا۔

"بابا ایسے لوگ دنیا میں نادر و نایاب ہو گئے ہیں۔ دوسروں کے بارے میں اتنی فکر

مندی آج کل کے زمانے میں کون دکھاتا ہے۔ میں تو بہت متاثر ہوں فارس خاقان سے۔ ایک دن میں بھی انہیں کی طرح سچی اور اچھی وکیل بننے کے ساتھ ساتھ اتنی ہی مصروف وکیل بھی بنوں گی۔" ایک دن ٹی وی دیکھنے کے ساتھ ساتھ چلغوزوں سے انصاف کرتے ہوئے مرحا نے بابا سے کہا تھا۔ احسان صاحب نے شاباشی دے کر حوصلہ مزید بڑھایا۔

"باقی سب تو ٹھیک ہے مرحا۔ لیکن اگر تم نے بھی یوں ٹاک شو میں آنا شروع کر دیا تو لوڈ شیڈنگ تمہارے خوف سے بڑھ جائے گی۔" اس کی اکلوتی بڑی بہن ثانیہ نے چھیڑا۔

وہ ایک ڈاکٹر تھی اور ابھی ابھی ہاسپٹل سے آئی تھی۔

"میری فکر چھوڑو۔ تم اپنے مریضوں کا حال سناؤ۔ بیچارے تم جیسی ڈاکٹر سے اپنا علاج کروانے پر مجبور ہیں، اللہ رحم کرے ان کے حال پر۔" مرحا کی جوابی کاروائی پر احسان صاحب ہنسنے لگے۔

مرحا کی پیدائش پر ان کی اہلیہ کا انتقال ہو گیا تھا۔ تب سے اب تک دونوں بیٹیوں کو مادر پدر شفقت سے پال پوس اور پڑھا لکھا کر معاشرے میں ایک اچھے مقام تک پہنچایا تھا وہ دونوں ہی ان کا کل اثاثہ تھیں۔

" ویسے لوگ ڈاکٹر کو مسیحا سمجھتے ہیں، حالانکہ کیسے ظالمانہ ہتھیار چلاتے ہیں انسانوں پر اور وہ بھی اتنی پتھر دلی سے۔ فرشتہ نما انسان تو فارس خاقان جیسے ہوتے ہیں جو مظلوموں کو انصاف دلاتے ہیں۔ بے گناہوں کو پھانسی کے پھندے سے کھینچ لاتے ہیں۔"

" یہ جنہیں تم ہتھیار کہہ رہی ہو نہ، وہ مریضوں کی جان بچانے کے لیے ہی استعمال کیے جاتے ہیں۔ اور تمہارا فارس نامہ کچھ زیادہ ہی بڑھتا نہیں جا رہا؟ اس کے فیس بک پیج پر

سب سے زیادہ لائیکس اور کمینٹس تمہارے ہوتے ہیں۔ چکر کیا ہے؟" ثانیہ نے کانی آنکھ سے گھورتے ہوئے جواب دیا تھا اور خود ہی فریج سے پانی نکال کر پینے لگی۔

" یہ تو آپ بتایئے ڈاکٹر ثانیہ احسان! آپ بیرسٹر فارس خاقان کے آفیشل پیج پر کونسی بیماری diagnose کرنے گئی تھیں؟" ثانیہ کچن میں تھی مرحا نے لاؤنج سے ہی آواز لگائی۔

" یونہی تمہاری باتوں سے متاثر ہو کر چلی گئی تھی اس کے پیج پر۔ورنہ ان وکیلوں میں رکھا کیا ہے۔ ان سے کرپٹ بندہ اور کوئی نہیں ہوتا۔ آج کل یہ اپنی دکان چمکانے کے لیے کچھ بھی کر جاتے ہیں۔" ثانیہ کا ناک سے مکھی اُڑانے والا انداز مرحا کو پسند نہیں آیا تھا وہ فوراً برامان گئی۔ ثانیہ کچن سے برآمد ہو چکی تھی۔

" ڈاکٹر بھی تو اپنا ہاسپٹل ہی چمکاتے رہتے ہیں۔ ایک تو مریض بیچارہ بیماری جھیلے، اوپر سے ساری جمع پونجی بھی ان ڈاکٹروں کے نسخوں پر لٹ جاتی ہے۔ بات سنو! اپنی فیس ہی تھوڑی کم کر دو۔" مرحا نے اس کی دکھتی رگ پر وار کیا۔

" فیس کے معاملے میں، میں کچھ نہیں کر سکتی۔ میں تو خود ہاسپٹل سے تنخواہ وصول کرتی ہوں۔ فیس تو ان کی منتخب کردہ ہے۔" بابا کے سامنے مرحا کی ایسی بات پر وہ خفت زدہ ہو گئی۔ انہوں نے ہمیشہ دونوں کو رحم دلی ہی سکھائی تھی۔

" جب ثانیہ اپنا پرائیویٹ کلینک کھولے گی تب فیس انتہائی مناسب لیا کرے گی۔" احسان صاحب کی بات میں نصیحت بھی تھی اور ثانیہ کے لیے حمایت بھی۔ ثانیہ باپ کے سینے سے لپٹ گئی۔

"ایک تو آپ دونوں، لیلیٰ مجنوں کی یاد دلا دیتے ہیں۔" وہ تھوڑا جیلس ہو کر بولی تھی۔ احسان صاحب اور ثانیہ دونوں ہی ہنسنے لگے تھے۔ اس کی اس گفتگو کے چند دن بعد ہی ان کی یونیورسٹی میں فارس کے آنے کا اعلان ہوا تھا۔ جسے سن کر وہ تو بے تحاشا خوش تھی۔ خصوصی طور پر ثانیہ کے ساتھ جا کر شاپنگ کی تھی۔

"آخر تم کون سا انوکھا لباس چننا چاہتی ہو؟" بہت دیر بعد بھی جب اسے کچھ پسند نہ آیا تو ثانیہ اکتا گئی۔ اچھے اچھے برینڈز کے کپڑوں کو وہ خوامخواہ مسترد کر چکی تھی۔

"کچھ ایسا جو مجھے بالکل منفرد و ممتاز بنا دے۔ فارس خاقان مجھے دیکھے تو بس پھر اس پر ایسی بجلیاں گریں کہ وہ مجھے دیکھتا رہ جائے۔" وہ چہکی، ثانیہ سر تھام کر رہ گئی۔

"بھئی، تم بلاوجہ کا تردد کر رہی ہو۔ تم اسے خوبصورت لگو، مگر ایسا ضروری تو نہیں اور بالفرض تم اسے اچھی لگ بھی جاؤ تو اس سے کیا ہو گا۔" ثانیہ کو اس کی مشقت فضول لگ رہی تھی۔ God Knows۔ "کچھ بھی ہو سکتا ہے۔" وہ شان بے نیازی سے بولی تو ثانیہ کو ہنسی آ گئی۔

"ابا کے سامنے تم اسے اپنا رول ماڈل بنا کر پیش کرتی ہو۔ مگر مرحابی بی! مجھ سے تم نہیں چھپا سکتی۔"

"کیا؟۔۔" مردوں اور عورتوں کی مشترکہ برینڈ کی شاپ میں داخل ہوتے ہوئے مرحا نے انجان بننے کی کوشش کی تھی۔

"یہ ہی کہ تمہیں فارس خاقان پر بری طرح کرش آ چکا ہے۔ پر خیال کرنا کہیں کرش کریش نہ ہو جائے۔" ثانیہ سے اس کے دل کی بات چھپ نہیں سکی تھی۔

"کیوں میں اتنی گئی گزری ہوں، جو اس کو پسند نہیں آؤں گی۔" اس کی بات مرحا ایموشنلی ہرٹ ہوگئی تھی۔ ساتھ ساتھ شاہی لباس کی تلاش اب بھی جاری تھی۔

"نہیں چندا! تم تو اتنی خوبصورت ہو کہ تمہیں ان مصنوعی لوازمات کی بھی کوئی ضرورت نہیں۔ بعض اوقات بات خوبصورتی کی نہیں، اٹریکشن کی ہوتی ہے۔ بالفرض اگر اس نے اتنی بھیڑ میں تمہیں غور سے دیکھا ہی نا تو۔"

ثانیہ بس اسے کسی بھی خوش فہمی میں نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ کیونکہ وہ جانتی تھی ٹوٹے ہوئے خوابوں کی کرچیاں اٹھانا بہت کٹھن ہوتا ہے۔ وہ شاید اس کی بات پر توجہ دیتی مگر ہلکے گلابی رنگ کی شیفون کی کڑھائی سے پوری طرح مزین فراک نے اس کی توجہ اپنی طرف کھینچ لی تھی۔

"مل گیا۔" کہتے ہی مرحا نے فوراً وہ لباس اچک لیا اور ٹرائل روم میں گھس گئی۔

اسی وقت وہاں فارس داخل ہوا تھا۔ ثانیہ اس کی جانب پشت کیے مرحا کی منتظر کی تھی۔ اس لیے اس نے اسے نہیں دیکھا تھا۔ فارس اپنی خریداری میں مصروف تھا۔ جب ٹرائل روم کا دروازہ ٹھک سے کھلا اور اندر سے گلابی کپڑوں میں جگمگاتی وہ پری نمودار ہوئی۔ ایسا سادگی بھرا دو آتشہ حسن تھا کہ فارس کی آنکھیں تو چندھیا گئیں۔ مرحا اپنی دھن میں تھی فارس پر نظر نہیں پڑی تھی۔ تیرے ہی قریب سے گزرے تیرے ہی خیالوں والا حساب ہوا تھا۔ فارس نے غیر ارادی طور پر اپنا چشمہ اتار کر اپنی آنکھوں کو مسلا جیسے اس لڑکی کے حقیقت میں سامنے ہونے پر خود کو یقین دلا رہا ہو۔ اس قدر ہوش ربا حسن تھا کہ بغیر کسی بناؤ سنگھار کے بھی وہ ہوش اڑا رہی تھی۔

اس کے گالوں پر پھیلی سرخی، ہونٹوں کی چلبلی سی مسکان اور آنکھوں کی چمک، فارس کے دل پر محفوظ ہوگئی تھی۔ گلابی پری نے اپنے ساتھ آئی شاید اپنی بہن یا کزن سے لباس کے بارے میں اشارے سے رائے لی تھی۔ مثبت جواب ملنے پر وہ واپس ٹرائل روم میں کپڑے بدلنے گھس گئی۔

فارس تب سے اسے ہی دیکھے جا رہا تھا۔ وہ نظروں سے اوجھل ہوئی تو وہ جیسے کسی ٹرانس سے نکلا۔ اس کے فارغ ہونے سے پہلے ہی وہ دونوں وہاں سے چلی گئیں تھیں۔ یوں تو فارس سب کچھ ادھورا چھوڑ کر بھی ان کا پیچھا کر سکتا تھا۔ مگر اسے یہ بات انتہائی غیر مناسب لگی تھی۔

مرحا کو اگلی مرتبہ اس نے سڑک پر دیکھا تھا۔ گاڑی سگنل پر رکی ہوئی تھی وہ پچھلی نشست پر بیٹھا۔ لیپ ٹاپ پر اپنے کیس کی ہیئرنگ کی تیاری کر رہا تھا۔ جام سگنل کے لمبے دورانیے سے اکتا کر اس نے کھڑکی سے باہر جھانکا۔ عین اسی وقت مرحا کی بائیک سے کسی لڑکے نے جان بوجھ کر ٹکر ماری تھی۔

اس حرکت پر اسے سخت غصہ آیا تھا۔ قریب تھا کہ وہ اتر کر اس لڑکے کی ٹھکائی کرتا، کہ مرحا نے خود ہی اس پر اپنے جوتے کی مدد سے حملہ کر دیا۔ وہ غصے میں بپھری ان بدمعاش لڑکوں سے کچھ کہہ بھی رہی تھی۔

جس کے جواب میں ایک لڑکا بائیک سے اتر کر اس کے قریب چلا آیا تھا۔ اوچھے قسم کے لڑکے نے جونہی مرحا کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر کچھ کہتے ہوئے دانت چمکائے، تو مرحا نے رکھ کر ایک زناٹے دار تھپڑ اس کے منہ پر دے مارا۔ مرحا کی اس بہادری اور

جوشیلی طبیعت سے وہ امپریس ہونے کے ساتھ ساتھ لطف اندوز بھی ہوا تھا۔

مگر بات زیادہ ہی بڑھتی دیکھ کر فارس کی مسکراہٹ سکڑی اور رگوں میں سنجیدگی و غصے کی لہر دوڑی۔ وہ گاڑی سے اترا اور چاروں لڑکوں کے اور مرحا کے عین درمیان میں حائل ہوگیا۔ مرحانے صرف اس کی پشت دیکھی تھی ابھی وہ ان لڑکوں سے نمٹنا ہی چاہتا تھا کہ بائیک سائیڈ پر لگا کر مرحانے پیچھے سے اس کا شانہ تھپتھپایا۔

"ہیلو بھائی تم کون؟" اس کی اس پکار پر فارس نے پلٹ کر اس کو بس یکھا تھا۔ جبکہ مرحا کا منہ فارس کو اپنے سامنے دیکھ کر کھلا کا کھلا رہ گیا تھا۔ اب فارس نے اس لمبے بالوں والے لڑکے کو گریبان سے جالیا۔ جس نے مرحا کو ہاتھ لگانے کی جرات کی تھی۔ فارس نے اس کی مکے گھونسے لاتوں سے اچھی طرح تواضع کرڈالی۔

مرحا خوابناکی میں گھری سارا منظر دیکھ رہی تھی۔ لمبے بالوں ولے کو بری طرح فارس کے عتاب کا نشانہ بنتے دیکھ کر اس کے ساتھی بھاگ نکلے، تو فارس نے اس کی بھی جان بخشی کردی۔

اب وہ فرصت سے مرحا کی جانب متوجہ ہوا جو ہونقوں کی طرح اسے ہی دیکھے جا رہی تھی۔ کہ اچانک سگنل کھل گیا اور گاڑیں کی لمبی قطاروں کے پے درپے ہارنز سے مجبور ہو کر بنا کوئی بات کیے فارس اپنی گاڑی میں سوار ہو گیا۔ تو مرحانے بھی جلدی جلدی بائیک سنبھالی۔ فارس کو اتنے قریب سے دیکھ کر جہاں وہ خوشی ہو گئی تھی، وہیں اس سے کوئی بات بھی نا ہونے پر مرحا کو پوری رات قلق ستاتا رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

شہریار کی بارات کراچی سے بہت دور کسی گاؤں میں جانے والی تھی۔ راستہ طویل تھا اس لیے دوپہر ہونے سے پہلے ہی سب اپنی اپنی گاڑیوں میں روانہ ہو گئے۔ شہریار، ایمان اور لیزا سب جلال کی سیاہ مرسڈیز کے مسافر تھے۔ جسے جلال ڈرائیو کر رہا تھا۔

" میری بارات لے کر جا رہے ہیں آپ لوگ یا کسی کا سوگ ہے، اتنا سناٹا اتنی خاموشی۔"

ان کے ٹھنڈے ٹھار ریکشن پر شہریار سے صبر نہیں ہوا تھا۔

" تمہارے دل میں ڈھول بھی بج رہے ہیں اور بتاشے بھی پھوٹ رہے ہیں۔ پھر ہم سے کس بات کا گلہ ہے۔" جلال قہقہہ لگا کر ہنسا تھا، لیزا اور ایمان بھی اس کی بات پر ہنس رہی تھیں۔

" آپ کی بارات پر میں گھر کے دروازے کے سامنے کھڑے ہو کر پورا ایک گھنٹہ ناچا تھا بھائی!" شہریار اپنا احسانِ عظیم جتانے پر اتر آیا۔

" اور تمہارے اسی رقص سے پناہ مانگتے، کئی باراتی گھروں کو لوٹ گئے تھے۔ میں تو بعض آیا ایسی رنگینی سے۔" جلال نے گاڑی چلاتے ہوئے سگریٹ جلایا اور کش لگانے لگا۔

یہ پہلی بار تھا جب لیزا نے اسے سگریٹ پیتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ اگر شہریار اور ایمان کی موجودگی میں سگریٹ پی رہا تھا۔ تو اسکا صاف مطلب تھا کہ وہ سگریٹ پینے کا پرانا عادی تھا اور اس کی اس عادت سے سب ہی آگاہ تھے۔

" ایسے تو نہ کہیں جلال بھائی، شہریار بھائی کے ٹھمکے تھے تو بڑے ہی شاندار۔" ایمان نے شہریار کی حمایات کی تو شہریار کی باچھیں چری۔ لیزا اور ایمان پچھلی نشست پر بیٹھی ہوئی

تھیں۔ جبکہ شہریار فرنٹ سیٹ پر تھا مگر وہ بوقتِ ضرورت گاہے بگاہے پیچھے مڑ کر انہیں دیکھ لیتا تھا۔ جلال نے گاڑی میں میوزک آن کر دیا تھا جس سے سناٹا رفع ہو گیا باقی کا سفر رونق کے ساتھ ہی کٹا تھا۔

اک گھر میں الگ سے بارات کے تیار ہونے کا انتظام کیا گیا تھا۔ سب وہیں پر فریش ہو کر تیار ہوئے۔ ایمان کے اصرار پر آج لیزا بھی اچھی طرح سے تیار ہوئی تھی۔ تیز چمکتا میک اپ، ہیوی سونے کے زیورات، ریشمی کڑھائی سے بھرا سرخ جوڑا، وہ پہلی نظر دیکھنے پر نوبہتا لگ رہی تھی۔ اوپر سے جب سفید کرتا شلوار میں تیار شیار جلال آیا تو ہال میں موجود سبھی لوگوں کی نظروں کا مرکز وہ جوڑا بن گیا۔ یہ کوئی بڑا میرج ہال نہیں تھا مگر وہاں کے لوگوں کی ضرورت کے لحاظ سے اچھا تعمیر شدہ تھا۔

لیزا کے شعلہ بار حسن پر جلال کی نظریں بھی ٹھہر کر نہیں دے رہی تھیں۔ وہ پورا وقت تھوڑی تھوڑی دیر بعد اسے دیکھ رہا تھا۔ اپنے آپ پر قابو کھونا گو کہ جلال کو اچھا نہیں لگ رہا تھا، مگر وہ اس کے نکاح میں تھی۔ پوری طرح اس کی دسترس میں جذبے فطری طور پر سلگ رہے تھے۔

لیزا سٹیج پر دلہن بنی روحہ سے مل کر واپس آ رہی تھی، جب اس کی نظر ہال کے دروازے سے خارج ہوتے حارث پر پڑی تھی۔ اس کے وجود میں حارث کو دیکھ کر بجلی سی دوڑ گئی تھی۔ وہ بنا کوئی دیر کیے سرعت سے اس کے پیچھے لپکی تھی۔ وہ باہر گیراج میں کھڑا اپنی گاڑی میں چابی لگا رہا تھا۔ اس نے بھی شاید وہاں لیزا کو دیکھ لیا تھا۔ اسی لیے فوراً جانے کی ٹھانی تھی مگر قسمت میں ان کی ملاقات لکھی تھی۔

"حارث بھائی رکھیں۔ کہاں جارہے ہیں؟" وہ پھولی ہوئی سانسوں سے اسے پکارتی اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ دو منٹ لگے تھے اسے اپنی سانسیں ہموار کرنے میں۔ اتنی دیر حارث خاموشی سے کھڑا رہا۔

"زارا کہاں ہے؟" حارث کو لیزا سے اسی سوال کی توقع تھی۔

"وہ ٹھیک ہے لیزا۔ جہاں بھی ہے خوش ہے۔" حارث کے لہجے سے صاف لگ رہا تھا کہ وہ اُسے زارا کے بارے میں کچھ نہیں بتائے گا۔

"لیکن وہ ہے کہاں؟" سچ جانے بغیر میں آپ کو یہاں سے نہیں جانے دوں گی۔ اگر آپ یہاں کراچی سے اتنا دور ہیں تو اس کا صاف مطلب ہے زارا بھی یہیں کہیں ہے۔ اسے اکیلا چھوڑ کر تو آپ یہاں آنے سے رہے۔ آپ دونوں نے اتنا بڑا اقدم اٹھالیا۔ کم از کم ایک بار مجھے تو بتایا ہوتا۔"

"دیکھو لیزا! یہ میری چچا زاد بہن کی شادی ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے اس میں کوئی رکاوٹ آئے۔ زارا میرے ہی ساتھ ہے اور بالکل محفوظ ہے۔ ہمارا نکاح ہو چکا ہے اور اب وہ میری بیوی ہے۔ ہماری وجہ سے تمہارے ساتھ جو کچھ بھی ہوا اس کے لیے ہم شرمندہ ہیں۔ تمہاری شادی جلال سے جن حالات میں بھی ہوئی ہو لیزا! مگر اب وہ تمہارا شوہر ہے اور میری تمہیں یہ ہی صلاح ہے اسے مت بتانا روحہ میری چچا زاد ہے۔ اس سے روحہ پر تو جو اثر پڑے گا سو ایک طرف، مگر تم خواہ مخواہ دوسروں کے عتاب اور شک کا نشانہ بنو گی۔"

عجلت میں اس سے ساری بات کہہ کر حارث گاڑی میں بیٹھ کر یہ جا وہ جا۔ حارث کو

بھی یہیں سے لیزا کی حیثیت کے بارے میں پتا چلا تھا۔ حارث کے جانے کے بعد وہ واپس پلٹی تو اپنی پشت پر جلال کو خاموش کھڑے پایا۔ وہ گہری نظروں سے اس کا محاسبہ کر رہا تھا۔ لیزا اس کی متوقع خفگی کا سوچ کر ہی دہل گئی۔ ان کے تعلقات تو پہلے ہی بہت کشیدہ تھے۔ اس کے بعد تو جانے کیا ہونے والا تھا۔

جلال دونوں ہاتھوں سے تالیاں بجا کر اسے داد پیش کر رہا تھا۔ جبکہ وہ بنا کسی قصور کے شرمندگی کے گھڑے میں جا گری۔

"یعنی کہ میری غیرت اور عزت کا تماشا بنانے میں تم بھی شریک تھیں۔ میں بھی سوچ رہا تھا کہ اتنی آسانی سے تم کیسے قربانی کا بکرا بن گئیں۔ تم اپنی بڑی بہن کے ساتھ مل کر مجھے رسوا کر رہی تھیں۔ اس وقت ہی اگر ایک دفعہ مجھ سے کہہ دیا ہوتا تو میں خود اس رشتے سے انکار کر دیتا۔ مگر ہمارے ہاں بزدل لوگ تو ہمیشہ چور راستہ ہی اختیار کرتے ہیں۔" وہ انگارے برساتا قدم قدم چلتا اس کے قریب چلا آیا۔ اس کے چہرے پر جھولتی لٹ کو انگشتِ شہادت سے کان کے پیچھے اڑسا۔

"ویسے ایک بات تو صاف ہو گئی، تمہارے اس خوبصورت معصوم چہرے کے پیچھے چالاکی اور مکاری چھپی ہوئی ہے۔ مان گئے، حسن ہمیشہ خطرناک ہوتا ہے۔ جتنا بھولا چہرہ اتنا ہی زہریلا ڈنک۔" وہ استہزائیہ کہتا اس کی ذات کی دھجیاں بکھیر رہا تھا۔

پہلی مرتبہ ایسا ہوا تھا کہ لیزا نے بات برائے بات والے فارمولے کو بھول کر آنسو بہانے شروع کر دیئے تھے۔ جلال کی باتوں سے اسے شدید قسم کا دکھ پہنچا تھا۔ آنسو اگر دکھ کی گہرائیوں سے آنکھوں کے ساتوں پردے پھاڑ کر نکلے تو اسے روکنا اپنے اختیار میں نہیں

رہتا۔

جلال کے سامنے آج اس طرح کھڑے ہو کر لیزا نے اپنی زندگی کا بہت بڑا سبق سیکھا تھا۔ اس سے اپنی صفائی میں ایک لفظ تک نہیں بولا گیا اور جلال ایک تنفر بھری غصیلی نظر اس پر ڈال کر اس کے آنسوؤں کو یکسر مسترد کر کے وہاں سے چلا گیا تھا۔ بے خبر ہی یوں کٹہرے میں آ کھڑے ہونے پر لیزا کا روم روم تڑپنے لگا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

آج سنڈے تھا، آفس کی چھٹی تھی۔ فارس دینہ کے ساتھ کچن میں گھسا نئی نئی ریسپی ٹرائے کر رہا تھا۔ فارس کو فارغ وقت میں اپنے لیے کھانا بنانا اچھا لگا کرتا تھا۔ مرحا اپنے نائٹ گاؤن کی ڈوریاں کستی کمرے سے باہر نکلی اور کچن سے آتی آوازوں سے اسے اندازہ ہوا فارس بھی وہیں موجود ہے۔ مرحا خاصی تاخیر سے جاگی تھی۔

فارس اسی وقت کسی کام سے کچن سے باہر نکلا تو مرحا کو اس حلیے میں دیکھ کر خاصی ناگواری محسوس کی۔ گو کہ گھر میں مرد ملازم نہیں تھے مگر دینہ بھی فارس کی نظر میں بچہ ہرگز نہیں تھا۔ مرحا کا اتنا کھلا ڈلا سا انداز بالکل غیر مناسب تھا۔

" آپ اگر کپڑے تبدیل کر کے آنے کا کشٹ کریں گی، تو مجھے اچھا لگے گا۔" اس نے صوفے پر اس کے ساتھ بیٹھتے ہوئے کہا۔

" مگر کیوں؟" مرحا ڈھیٹ تھی یا بن گئی تھی وہ سمجھنے سے قاصر تھا۔

" مرحا تمہارا لباس نازیبا ہے۔ اسے کمرے تک ہی محدود رکھو تو اچھا ہو گا۔" فارس نے ٹھان لیا تھا اس سے اپنی منوا کر ہی رہے گا۔

"واہ فارس خاقان حیدر! بڑی غیرت ہے تم میں۔" مرحا نے مصنوعی حیرت کا اظہار کیا تھا۔ فارس کو اب اس کے لہجوں کی عادت ہو چکی تھی۔ ویسے بھی مرحا احسان کو برداشت کرنے کے لیے فارس خاقان میں بڑا وسیع حوصلہ تھا۔

"مجھ میں بہت غیرت ہے۔ اب اس سے قبل کہ میں تمہیں اس کا عملی اور روائتی مظاہرہ دکھاؤں، جاؤ اور جا کر کپڑے بدلو۔" اس کا حکم مرحا کو آگ ہی تو لگا گیا تھا۔

"میں اپنی مرضی کی مالک ہوں، جو چاہوں گی وہ ہی کروں گی۔" اپنی طرف سے انکار اس کے منہ پر مارتے ہوئے مرحا نے اسے جتایا تھا کہ وہ چاہ کر بھی کچھ نہیں کر سکتا۔

"ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی۔" اٹھ کر کھڑے ہوتے فارس نے کہا۔ اور اگلے ہی پل مرحا کو اپنی بانہوں کی مضبوط قید میں جکڑ کر اٹھا لیا۔ مرحا کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔

"یہ کس قسم کی واحیات حرکت ہے؟" وہ آگ بگولہ ہو گئی۔

"اس حرکت کے بارے میں، میں اپنی رائے محفوظ رکھنا چاہوں گا۔"

سکون سے کہہ کر اسے بازوؤں میں اٹھا کر وہ کمرے تک لے آیا۔ مرحا تو ایسی پتھرائی کہ مزاحمت تک کرنے کا ہوش نہ رہا۔

"نافرمان بیویوں کے ساتھ ایسا ہی زور زبردستی کا طریقہ اپنایا جاتا ہے۔" کہہ کر فارس نے اسے بیڈ پر گرا دیا۔ فارس کے اس جارحانہ انداز نے مرحا کی جان جلا کر راکھ کر دی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

شہریار کی شادی اور پھر ان کا ولیمہ خوش اسلوبی سے ہو گیا تھا۔ پورا وقت جلال نے

خود پر سرد مہری کا خول چڑھائے رکھا تھا۔ لیزا نے بھی کچھ کہنے یا وضاحت دینے کی کوشش نہیں کی۔ ویسے بھی وہ جانتی تھی جلال اس کی کسی بھی بات کو سننے کا روادار نہیں۔ اس لیے اب لیزا نے خود کو وقت کے دھارے پر چھوڑ دیا۔ ویسے پر اماں اور ابا میاں دونوں آئے تھے۔ بظاہر اس کی اچھی زندگی کو دیکھ کر دعائیں دیتے خوشی سے رخصت ہو گئے۔ اندر جلتے آگ کے دریا کی آنچ کسی تک نہیں پہنچی تھی۔

غرض ان دونوں کے مابین اجنبیت کی دبیز دیوار حائل تھی۔ جسے ہٹانے کی لیزا کی پہلی کوشش تو وہ مسترد کر ہی چکا تھا۔ اس لیے لیزا نے بھی اپنی نسوانیت کو اس کی نظروں میں گرنے نہیں دیا تھا۔ اس کا بڑھا ہاتھ جب جلال نے نہیں تھاما تو پھر وہ کیوں اپنا وجود اس کے قدموں میں ڈھیر کرتی۔ اتنی ارزاں تو نہیں تھی لیزا احسان۔

شام کو مرزا صاحب کے کمرے میں نئی قسم کا جرگہ پروان چڑھا۔

" میں لیزا کے ساتھ اپنی زندگی نہیں گزار سکتا۔ یہ شادی سراسر زور زبردستی کا نتیجہ ہے۔ میں تو اسی وقت اس رشتے کے خلاف تھا، لیکن جو کچھ بھی ہوا وہ گزرا قصہ ہے۔ میں اب مزید اس ان چاہے رشتے کا بوجھ برداشت نہیں کر سکتا۔" مرزا صاحب کے سامنے بیٹھ کر یہ ساری باتیں کرنا، انتہائی جگر گردے کا کام تھا۔ مگر جلال بھی مرد کا بچہ تھا، جو دل میں تھا سب ان کے گوش گزار کر دیا۔

کمرے میں اس وقت ساجدہ بیگم، لیزا، مرزا صاحب اور خود جلال ہی موجود تھے۔

اس کی بات سن کر راکنگ چیئر پر جھولتے مرزا صاحب کے تیور خطرناک حد تک بگڑے۔

" ساجدہ بیگم سن رہی ہیں؟ صاحب زادے کے کہنے کا مطلب ہے شادی سے پہلے

معاشقہ لڑانا ضروری ہے۔ یہ انوکھے لاڈلے ہیں، جسکی شادی عشق کی پینگیں بڑھائے بغیر ہوئی تو موصوف کے ساتھ زیادتی ہو گئی۔" اس طنزیہ گولا باری پر جلال جھلا گیا۔

"بابا جان! بات ایسی نہیں ہے موصوفہ کی بڑی بہن کو بھی آپ ہی نے میرے لیے چنا تھا۔ میں کوئی گلاب کی پتیاں لے کر تھوڑا ہی پھر تا رہا تھا ان کے آگے پیچھے۔ بات اخلاقی طور پر بھی میرے قابلِ قبول نہیں ہے۔ شہریار کے شادی والے دن یہ کیوں ملی تھی اپنی بہن کے شوہر سے۔ ذرا پوچھیے اس سے۔" جلال احتساب لینے پر اتر آیا تھا۔

لیزا خاموشی سے سر جھکائے ہوئے بیٹھی رہی تھی۔ مرزا صاحب نے بھی اس اطلاع پر چونک کر لیزا کی جانب دیکھا۔ اس کے چہرے پر چھائی پس مردگی دیکھ کر انہیں الٹا جلال پر ہی غصہ آیا کہیں سے بھی لیزا کے چہرے پر نئی نویلی دلہن ہونے کی خوشی نہیں جھلک رہی تھی۔

"کیا تم اپنے بہن بھائیون کے بارے میں کبھی متفکر نہیں ہوتے جلال۔؟ شہریار جب بھی رات کو تادیر گھر نہیں آتا، تب کیوں اس کے پیچھے نکل جاتے ہو اور جب پسند کی شادی کا شوشا چھوڑا تھا اس نے، تو کون اس کی حمایت میں ڈٹ کر ہمارے سامنے کھڑا ہو گیا تھا۔؟

برخوردار! تم تھے۔ اور کیا میں پوچھ سکتا ہوں تم نے ایسا کیوں کیا؟" مرزا صاحب گرج چمک کے ساتھ برسے جبکہ خود پر لگے الزاموں کی وضاحت دینے کے لیے خود کو تیار کرتی لیزا ہونق بنی کبھی ان کو اور کبھی جلال کو تکنے لگی۔ یہ کیا یہاں تو الٹا جلال کو بے نکتہ سننے کو مل رہی تھیں۔

"آپ کی ان باتوں سے میں قائل ہونے والا نہیں۔ اس زبردستی کے بندھن سے

چھٹکارا پا کر ہی رہوں گا۔ لیزا میں تم سے کہہ رہا ہوں اب بھی وقت ہے یہ گھر چھوڑ کر چلی جاؤ۔" وہ فرطِ جذبات میں سرخ ہو چکا تھا۔ اٹھ کر کھڑے ہوتے ہوئے ایک بار پھر لیزا کو جانے کے لیے کہا۔ اب کی بار تذلیل لیزا اسے برداشت نہیں ہوئی، جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"خبردار! بہو جو ایک قدم بھی اس دہلیز سے باہر رکھا ہو، یہ میرا گھر ہے۔ تم اس گھر میں رہو گی۔ یہ ہی میرا فیصلہ ہے اور یہاں رہنا تمہارا حق بھی ہے۔ تم اپنا حق اس طرح چھوڑ کر نہیں جا سکتی۔" مرزا صاحب کی آواز لیزا کے قدموں کی زنجیر بنی تھی۔

"ٹھیک ہے۔ پھر میں ہی یہ گھر چھوڑ کر چلا جاتا ہوں۔" جلال نے فوری فیصلہ کیا۔

ساجدہ اس کی بات پر دہل گئیں۔

"ٹھیک ہے، چلے جاؤ۔" مرزا صاحب کی بے نیاز اجازت پر لیزا کے دل کو کچھ ہوا۔ کچھ بھی ہو وہ اس کا شوہر تھا اور اسے وہ اپنے ہی گھر سے بے گھر ہوتے نہیں دیکھ سکتی تھی۔ (ہائے اس کی سادہ دلی!)

"چلے جاؤ اس گھر سے۔ مجھے پرواہ نہیں۔ ہاں مگر جاتے ہوئے باقی گھر والوں کو بھی اپنے ساتھ ہی لے جانا۔ تم چلے گئے تو پھر اس گھر میں کسی اور کے لیے بھی کوئی جگہ نہیں۔" مرزا صاحب کے فیصلے نے تو لیزا کو اندر تک جھنجھوڑ دیا تھا۔

(ہائے اللہ! مرزا انکل اتنے سخت مزاج بھی ہو سکتے ہیں اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا) یہ سب کچھ وہ ان دونوں کی بھلائی اور کسی حد تک اپنے اصولوں کے لیے بھی کر رہے تھے۔

"آپ نئی نویلی، غیر متوقع بہو کی محبت میں اس قدر آگے بڑھ گئے ہیں بابا جان! کے آپ کو اپنا بیٹا تو کیا، اپنے پورے گھر والوں کے جذبات کی پرواہ نہیں رہی۔ اگر آپ کی یہ ہی مرضی ہے تو مجھے منظور ہے۔ آپ اپنی بہو کو بصدِ شوق اس گھر میں رکھیے۔ لیکن یہ آپ کی اس کے ساتھ بھی زیادتی ہوگی۔ کیونکہ یہاں رہ کر اسے سسرال تو ملے گا مگر شوہر کا پیار کبھی نصیب نہیں ہوگا۔" جلال کے نزدک محبت دنیا کی سب سے بڑی دولت تھی۔ اس کی ہر بات اسی نفع ونقصان سے شروع ہوتی تھی۔ وہ کہہ کر جا چکا تھا۔ بادل نخواستہ لیزا بھی اس کے پیچھے چل پڑی۔

"ساجدہ بیگم! سمجھالو اپنے بیٹے کو۔ اس کے دماغ میں جو خناس بھرا ہے اسے نکال باہر کرے اور دوبارہ میں اس کے منہ سے لیزا اور اس کی علیحدگی کی بات نا سنوں۔" پیچھے وہ ساجدہ بیگم سے کہہ رہے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

آج صبح صبح ہی فارس سے اس کی جھڑپ ہوگئی تھی۔ وہ بضد تھی کہ گاڑی آج وہ ہی چلائے گی۔ مرحا کے پاس ڈرائیونگ لائسنس بھی نہیں تھا۔ اس وجہ سے فارس اسے منع کر رہا تھا۔

"پاکستان ہے۔ یہاں تو ہر قسم کی دو نمبری چلتی ہے اور پھر کون سا اگلے ہی موڑ پر ٹریفک پولی ہمیں روک کر ہماری تلاشی لینے والی ہے۔" مرحا کے جواز پر فارس نے نفی میں گردن ہلائی۔

"تمہارے جیسے لوگوں کی وجہ سے ہی تو ہمارا ملک بدنام ہو چکا ہے۔ جب تم خود

قانون کی پیروی نہیں کرتی تو پھر پاکستان کو موردِ الزام ٹھہرانے کا بھی تمہیں کوئی حق نہیں۔ تمہارے جیسی عوام ہی اس ملک کے لیے خطرہ بنی ہوئی ہے۔ لیکن میں تمہیں اس قانونی خلاف ورزی کی اجازت بالکل نہیں دونگا۔ چلو شاباش فرنٹ سیٹ پر بیٹھو۔" مرحا فارس سے پہلے ہی ڈرائیونگ سیٹ پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو چکی تھی۔ سو اب وہاں سے ہلنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

"تمہاری ان سو کولڈ فریبی باتوں کے اثر میں، میں بالکل نہیں آنے والی۔ قانون کا ڈھنڈورا پیٹنے والے تم جیسے قانون دان ہی ہمارے ملک کی جڑیں کاٹنے میں سب سے زیادہ متحرک دکھائی دیتے ہیں۔ اب اگر آفس جانا ہے تو بیٹھ جاؤ گاڑی میں۔"

مرحا کبھی اس کے ساتھ آفس چلی جاتی تھی اور کبھی تاخیر کے باعث ٹیکسی میں جانا پڑتا۔ آج وہ وقت پر بیدار ہو گئی تھی اس لیے صبح صبح دماغ میں نیا فتور در آیا۔

فارس کو مجبوراً اسکی بات ماننی پڑی۔ مرحا بہت عرصے کے بعد ڈرائیونگ کر رہی تھی اس لیے خود اسے بھی خطرہ ہی لاحق تھا۔ عین مین روڈ پر جا کر ہیوی ٹریفک کو دیکھ کر اس کے اوسان خطا ہوئے۔ اس کا کانفیڈنس لیول گرتے دیکھ کر فارس نے فوراً حرکت میں آکر بریک پر اپنا پاؤں رکھا۔ گاڑی کے ٹائر چرچرائے اور گاڑی سامنے والی گاڑی سے ذرا سا ٹکرا کر رک گئی۔

مرحا خفت اور شرم ساری کے باعث فارس سے نظریں نہیں ملا پائی۔ وہ بھی ایک سخت نگاہ اس پر ڈال کر ٹریفک اہلکار اور مرحا کی بے وقوفی کا نشانہ بنے حضرات سے نمٹنے لگا۔

چالان کاٹے جانے پر جرمانے کی رقم ادا کرنے کے ساتھ ان لوگوں کو بھی بھاری رقم ادا کی جن کی گاڑی کا نقصان ہوا تھا، تب جا کر کہیں جان خلاصی ہوئی۔ خود اس کی اپنی پجارو کی بھی فرنٹ لائٹس ٹوٹ چکی تھیں۔ اس لیے آفس پہنچتے ہی اس نے گاڑی ورک شاپ پہنچادی جو اب دو دن بعد ہی ملنے والی تھی۔

مرحا اس سے نظریں چرائے چرائے پھر رہی تھی۔ فارس نے اسے کچھ بھی کہہ کر فالتو کی بحث نہیں پالی تھی۔ صبح صبح ہو جانے والی خواری ہی اس کے لیے کافی تھی۔ مرحا غلطی کر چکی تھی مگر وہ اپنی غلطی تسلیم کرنے والوں میں سے ہرگز نہیں تھی۔

آج ہی ان کے آفس میں شہر کے سب سے نامور بزنس مین کی آمد ہوئی تھی۔ مرحا اور فارس دونوں ان سے فارس کے ہی آفس میں محوِ گفتگو تھے۔ یوں تو مرحا کو کام کے بارے میں کوئی خاص تجربہ حاصل نہیں تھا، مگر فارس کے ہر معاملے میں ٹانگ اڑانا اس نے اپنا فرض سمجھ لیا تھا۔

" ہمدانی صاحب فکر مت کریں۔ آپ نے چاہے انتہائی شارٹ نوٹس پر ہمیں کانٹریکٹ دیا ہو، مگر ہم آپ کو پوری کوالٹی فراہم کریں گے۔ بلکہ ہم وعدہ کرتے ہیں اپنے تجربے کار لوگوں کے ساتھ ساتھ میں اور فارس خود بھی آپ کے پوتے کی شادی کا حصہ ضرور بنے گے۔ اپنی نگرانی میں پورا کام کروائیں گے۔" ایک ہفتے کے شارٹ نوٹس پر نا صرف مرحا نے کانٹریکٹ کر لیا بلکہ فارس کو بھی اس شکنجے میں پھانس لیا۔

وہ اشاروں کنایوں میں لاکھ سمجھاتا رہا کہ اتنے کم عرصے میں اتنا بڑا ایونٹ کرنا ممکن نہیں لیکن مرحا نے خاک پرواہ نہ کی۔ ہمدانی صاحب چلے گئے تو فارس کو کھل کر بولنے کا

موقع ملا۔

"بزنس کے اصول وضوابط بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔ اتنے کم وقت میں جب کسی بھی کمپنی نے ان کو اپنی سروس نہیں دی تو تمہیں بے جا اپنی ٹانگ اڑانے کی کیا ضرورت تھی۔" فارس کے خیال میں اس کا فیصلہ غلط تھا۔

"بزنس اتھیکس مجھ میں بھی ہیں تھوڑے بہت، وکالت پڑھ کر تم صرف پیسے کی محبت کو ہی جان پائے ہو۔ کسی کے کام آنا کسی کی مدد کرنا، یاد ہی نہیں تمہیں۔ خیر میں تم سے اس چیز کی توقع کر بھی نہیں سکتی۔ ایک چیز تمہارے خون میں ہی شامل نہیں تو اس کا گلہ کیا کرنا۔" وہ ہر بات پر ماضی کو سامنے لا کر کھڑا کر دیتی تھی۔ فارس ضبط سے مٹھیاں بھینچ کر کھڑا رہا۔

"ہمدانی ملک کے اتنے بڑے بزنس مین ہیں اور ہماری کمپنی نے اس وقت ان سے ڈیل کی جب کہ کسی بھی کمپنی کے پاس ان کے لیے وقت کی قلت تھی۔ سوچو! اس سے ہمیں کتنا فائدہ ہو گا۔ کتنی پبلسٹی ملے گی اور ساتھ ساتھ لوگوں پر اچھا تاثر بھی قائم ہو گا۔ اور کچھ ہو یا نہ ہو ہر دوسرا فرد ایمرجنسی کے ایونٹس لے کر ضرور آئے گا۔" کسی حد تک اس کے دل کو مرحا کی بات اچھی لگی تھی، مگر یہ پینترا درست ہے۔ اس بات سے وہ پوری طرح متفق نہیں تھا۔

"تم اتنے عرصے سے بیٹھے اس کمپنی میں کون سی جھک مار رہے ہو۔ سروس سپیڈ تیز کرو نہ اپنی، اور ایک بات اور، اب میں نے ہمدانی صاحب کے اصرار پر ان سے وعدہ کر لیا ہے کہ ہم اس ایونٹ کو خود سپر وائز کریں گے۔ اس لیے مجبوراً ہی سہی تمہیں اب یہ کام کرنا

ہو گا۔"

عجیب حق جماتا اور رعب جھاڑ قسم کا انداز تھا۔ فارس کو اس وقت وہ بالکل روایتی بیویوں کی طرح لگی تھی۔ جو کسی بھی بات پر "ہاں بس میں نے کہہ دیا ہے" بول کر اپنے شوہروں کی بولتی بند کروا دیا کرتی ہیں۔

وہ اگر فارس کے دماغ میں کلبلاتی سوچوں کو پڑھ لیتی تو یقیناً اس کے سر پر کچھ دے مارتی۔ مرحا نے جاتے وقت اس کی ٹیبل پر رکھی اس کی ایک پرانی تصویر دیکھی جس میں وہ مائیک کے سامنے کھڑا شاید کسی جلسے سے خطاب کر رہا تھا۔ مرحا کو بے اختیار ماضی کا زمانہ یاد آ گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ پوری طرح سے صنفِ مخالف کا امتحان بن کر یونیورسٹی آئی تھی۔ اس کی بھرپور تیاری نے اس کے روپ کو مزید چار چاند لگا دیئے تھے۔ یونیورسٹی کے کئی لڑکے اس کو مُڑ مُڑ کر دیکھ رہے تھے۔ کئی تو اس کے حسن کی تاب نہ لاتے ہوئے اسے بار بار دیکھنے سے بھی گریز کر رہے تھے۔ تو وہیں لڑکوں کا ایک ایسا طبقہ بھی تھا جو بس کسی طرح اس سے بات کر لینے کے خواہش مند تھے۔ جبکہ وہ سب کو جوتے کی نوک پر رکھ کر اگنور کرتے ہوئے لوگوں کی بھیڑ میں کھڑی بھی فارس خاقان کی ایک جھلک دیکھ لینے کو بے تاب تھی۔ کچھ دیر بعد مجمع چھٹا تو وہ بھی اسٹیج پر انتہائی شان و شوکت سے بیٹھا دکھائی دے گیا۔

سیاہ پینٹ کورٹ میں وہ بے حد حسین و جمیل لگ رہا تھا۔ مرحا اسے بتانا چاہتی تھی لیکن بات کرنے کا کوئی موقع ہاتھ آئے تب نا۔ پروگرام کے اختتام کے بعد وہ جانے لگا تھا

مرحا نے پارکنگ میں اسے جالیا۔

"السلام و علیکم!" پہلا حملہ سلام سے ہی کیا تو اس نے بھی اسے اپنے سامنے پا کر بڑی خوشگوار حیرت سے "و علیکم السلام" کہا۔

" آپ نے اس دن میری جان بچائی، اس کا شکریہ۔ ویسے جو لوگ اپنی جان کی حفاظت کرنا خود جانتے ہیں۔ ان کو کسی کی مدد کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔" مرحا کو خود بھی نہیں پتا تھا وہ ایکسائٹمنٹ کے مارے کیا بول رہی تھی۔

"تو آپ کے کہنے کا مطلب ہے، کہ اس دن میں خاموش تماشائی کی حیثیت سے وہاں موجود رہتا؟" فارس سیریس تھا۔

" نہیں تو۔ میں نے یہ کب کہا۔" مرحا نے عقل پر افسوس کرتے ہوئے فوراً اپنے تازہ ترین بیان کی تردید کی۔

"ویسے عجیب قسم کی روح ہیں آپ اور پھر لاء یونیورسٹی میں کیا کر رہی ہیں ؟" اب کے اس کی بوکھلاہٹ کا فارس نے مزا لیا تھا۔ ساتھ ہی اک چور سی نظر اس کے سراپے پر ڈالی وہ اسی لباس میں تھی جس میں فارس نے اسے پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔ وہ آج بھی اس دن کی طرح فارس کو ماورائی حسن کی مالک لگی۔

" دراصل میں آپ کی بہت بڑی فین ہوں۔" مرحا کی اگلی بات پر وہ بے ساختہ زور سے ہنس دیا۔ اس کی ہلکی شیو میں پھیلتے اس کے لب اس کی جاذبیت میں کئی گنا اور اضافہ کر گئے تھے۔ مرحا اسے دیکھتی رہی بہت کم مرد اتنے وجیہہ اور مکمل خوبصورت ہوا کرتے ہیں۔ اور پھر مرحا کی زندگی میں تو وہ بس ایک ہی تھا۔ جس کا خواب چپکے سے آنکھوں نے

دل میں سجالیا تھا اور اسے پتا بھی نہیں چل سکا تھا۔

" فین تو لوگ موسیقاروں، فلمسازوں اور اداکاروں کے ہوا کرتے ہیں۔ میرا تو دور دور تک ایسی کسی چیز سے کوئی تعلق نہیں۔" فارس خاقان کو پہلی بار زندگی میں کوئی ایسا شخص ملا تھا، جس نے اس کے فین ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ وہ بھی ایک لڑکی اور ایک ایسی لڑکی جس کے سحر میں وہ خود بھی گرفتار ہو رہا تھا۔ گو کہ اس کی شخصیت سے متاثر ہو کر تعریف کرنے والے اسے بہت مل چکے تھے مگر ایسا منفرد اظہار پہلے کسی نے نہیں کیا تھا۔

" فین تو آپ انہیں کے ہوتے ہیں جن کو آپ ایڈمائیر کرتے ہیں۔ جن کی طرح آپ بننا چاہتے ہیں۔ میرے لیے یہ بہت بڑے اعزاز کی بات ہے کہ میں آپ کے سامنے کھڑے ہو کر برملا اعتراف کر پا رہی ہوں، میں بالکل آپ کی طرح بننا چاہتی ہوں۔"

"اور آپ کی نظر میں میں کیسا ہوں؟"

"سچے، کھرے، انصاف پسند، مضبوط شخصیت کے مالک اور انتہائی ٹیلینٹڈ۔" مرحا کو سوچنا نہیں پڑا تھا۔ اس نے سارے اوصاف گنوا دیئے۔

" آپ اپنے فن سے بہت پیار کرتے ہیں بیرسٹر صاحب اور میں بھی آپ کے اسی فن کی بہت بڑی قدر دان ہوں۔" اس کے لہجے سے جذبوں کی برسات ہو رہی تھی۔ ہلکی ہلکی کن من فارس کے دل پر بھی ہوئی تھی۔

" آپ کی عزت افزائی کا بہت شکریہ۔ لیکن بعض اوقات انسان ویسے نہیں ہوتے جیسے آپ کو نظر آتے ہیں۔ کسی کو آئیڈیل بنانا آسان ہے مگر کسی کے لیے خود آئیڈیل بننا مشکل اور میں چاہوں گا آپ خود کو کسی کا آئیڈیل بنانے پر زیادہ فوکس کریں۔ خیر اب آپ

چونکہ میری فین ہیں تو بتایئے آٹو گراف لینا پسند کریں گی۔"

فارس کو اس کے اعتراف نے بڑا رعب دیا تھا۔ اس لیے سنجیدہ روح کے بلبلانے کے باوجود چھیڑ خانی کر دی۔ جواب میں وہ بھی جھینپ گئی۔ اس کی اس معصومانہ ادا پر وہ جیسے فریفتہ ہو گیا۔ مرحا کے پاس کوئی کاغذ نہیں تھا، اس نے ایک پل کے لیے سوچا پھر اپنی ہتھیلی اس کے سامنے پھیلا دی۔ فارس نے مسکراتے ہوئے اپنی کورٹ کی جیب سے پین نکالا اور اس کی ہتھیلی پر کچھ لکھنے لگا اس نے کیا لکھا تھا مرحا نے نہیں دیکھا وہ تو بس اس کی صورت پر فدا ہوئی جا رہی تھی۔

ٹی وی کی نسبت وہ اصل میں اور بھی زیادہ ہینڈسم اور چارمنگ لگتا تھا۔ اونچا پورا مضبوط مشرقی مرد، ایشائی حسن کی تو یوں بھی دنیا دیوانی ہے۔ کچھ فارس نے اس کی ہتھیلی کو بنا چھوئے ہی اپنی چھاپ اپنی تحریر کی صورت اس پر چھوڑ دی تھی۔ اس کے اس پاکیزہ عمل نے تو مرحا کی رہی سہی مت بھی مار دی تھی۔

"ایک سیلفی۔" وہ جانے لگا تو مرحا نے بچکانہ سی فرمائش کر دی۔ وہ رک گیا کیونکہ وہ اسے انکار نہیں کر سکتا تھا۔ مرحا سیلفی لینے لگی تو اس کے ہاتھ ہی کانپ گئے۔ ایک لڑکی اس سے مل کر پہلی بار اتنی نروس ہو رہی تھی فارس کا دل مسرور سا ہوا۔ بن چاہیے اگر کسی انسان سے اتنی اہمیت ملے تو کسے خوشی نہیں ہوتی بھلا۔

فارس نے اس کا موبائل لیا اور کیمرے کی آنکھ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دلکش منظر محفوظ کر لیا جب کسی قسم کی غلط فہمیوں اور نفرتوں نے اپنا سر نہیں ابھارا تھا۔ دل میں بس احترام تھا ایک دوسرے کی ہلکی میٹھی لطف دیتی چاہ تھی۔

گھر آ کر بھی مرحا اسی کے خیالوں میں کھوئی رہی۔ اپنی زبانی وہ ثانیہ کو فارس سے ہوئی ملاقات کا تمام احوال سنا چکی تھی۔ اسے سیلفی دکھانے کے بعد اب وہ خود بھی اس تصویر پر صدقے واری ہوئی جا رہی تھی۔ اب تک پتا نہیں کتنی مرتبہ وہ اس تصویر کو دیکھ چکی تھی ہر بار خود کو تنقیدی نظروں اور فارس کو محبت بھری نظروں سے دیکھتی۔ چاہے فارس اس سے زیادہ خوبصورت ہی کیوں نہ ہو مگر مرحا اتنی خوش شکل تو ضرور تھی کہ اس کے ساتھ جچتی۔ یہ نتیجہ اس نے خود ہی اخذ کیا تھا۔

" اچھا اپنا آٹو گراف تو دکھاؤ۔" وہ فیس بک پر فارس کو آن لائن دیکھ کر فرینڈ ریکوئسٹ بھیج رہی تھی۔ جب ثانیہ نے فرمائش کی تو مرحا نے بائیں ہتھیلی اس کے سامنے پھیلا دی۔ تحریر پڑھ کر ثانیہ کی آنکھیں پوری طرح اُبل پڑیں۔ اس نے مرحا کا شانہ تھپتھپایا تو وہ بھی متوجہ ہوئی۔

" پہلی ہی ملاقات میں اس نے تمہاری ہتھیلی پر اپنا نمبر لکھ دیا یہ انسان کرپٹ ہے۔ لکھوا لو۔"

ثانیہ نے فوراً ہی رائے قائم کی۔ جبکہ مرحا کی نظریں تو ابھی تک اپنی ہتھیلی پر جمی ہوئی تھیں۔ جہاں موبائل نمبر لکھا ہوا تھا اور ساتھ ہی ایک چھوٹی سی سمائلی بنی ہوئی تھی۔ مرحا کو فارس کی اس عنایت پر یقین کرنے کے لیے چند لمحے لگے تھے۔ پھر مارے جوش اور خوشی کے وہ ثانیہ سے لپٹ گئی۔

" میں نے کہا تھا وہ مجھ سے متاثرہ ہو گا۔" اسے اپنی جیت نظر آ رہی تھی۔

" کچھ تو گڑبڑ ہے وگرنہ شریف آدمی اس طرح بیگانی لڑکیوں کو اپنا نمبر نہیں دیا

کرتے۔" ثانیہ نے اسے بازوؤں میں بھینچ کر خود سے جدا کرتے ہوئے منفی سوچ کا اظہار کیا۔

" کبھی اپنی ڈاکٹری عینک اتار کر بھی کسی چیز کو دیکھ لیا کرو۔ سب کچھ نارمل ہے۔ وہ انتہائی شریف آدمی ہے۔ اس بات کی گواہی میرا دل دے رہا ہے اور ویسے بھی اب اگر میں اسے کال کرونگی تو اس کا یہ مطلب تھوڑی ہو سکتا ہے کہ میں بھی شریفوں کی لسٹ سے خارج ہو گئی۔" مرحا کو ثانیہ سے اختلاف ہوا۔

" بھئی تمہاری مرضی ہے۔ کیا کہہ سکتی ہوں۔" ثانیہ اس کو اس کے حال پر چھور کر چلی گئی اور مرحا فارس کے فرینڈ ریکوئسٹ ایکسیپٹ کرنے پر جھومتی جھامتی جشن مناتی رہی۔ چاہت کے ساتھ ساتھ اس کو ہمیشہ کے لیے پانے کی تمنا بھی دل میں اجاگر ہو گئی اور فارس کے مثبت جواب نے اسے مزید خوش فہمیوں میں مبتلا کر دیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

زارا اپنے اور حارث کے لیے چائے بنا کر کمرے میں آئی تو وہ لیپ ٹاپ بند کر کے اس کی جانب متوجہ ہوا۔ آج کل وہ دونوں کراچی کے ہی پوش علاقے میں رہائش پذیر تھے۔ زندگی دوبارہ سے اپنی ڈگر پر چل نکلی تھی۔ ایک دوسرے کو پانے کے لیے جو طوفانی کاروائی انہوں نے کی تھی، فی الحال تو ان کے لیے وہ بہترین ثابت ہو رہی تھی۔ وہ دونوں بہت خوش تھے۔ حارث اپنی جاب کر رہا تھا جبکہ زارا ایک ہاؤس وائف کے مکمل فرائض انجام دے رہی تھی۔ چند ہی دنوں میں انہیں ایک دوسرے کے ساتھ کی بھرپور عادت ہو گئی تھی۔

"حارث میں ایک بات سوچ رہی تھی۔" اسے چائے کا کپ تھما کر وہ خود بھی اس کے قریب ہی آ بیٹھی۔ حارث ہمہ تن گوش ہوا۔

"پورا دن گھر پر اکیلی میں بور ہو جاتی ہوں،۔سوچ رہی ہوں کوئی جاب کر لوں۔ فارغ بیٹھنے سے تو بہت بہتر کام ہے۔" زارا نے اپنے ارادہ کا اظہار کیا تو اس نے سیدھا ہوتے ہوئے سر انکار میں ہلا دیا۔

"دیکھو فی الحال ہماری نئی نئی شادی ہے۔ تمہیں مجھ پر اور اپنے گھر پر توجہ دینی چاہیے۔ بلاوجہ فضول کے جھنجھٹ مت پالو۔ اور ویسے بھی تمہارے ابا اگر ابھی یہاں آ گئے، تو میں کیا منہ دکھاؤں گا انہیں کہ ان کی نازوں پلی بیٹی سے کیسی مشقتیں کروا رہا ہوں ۔" وہ بڑے پیار اور نرمی سے اسے سمجھا رہا تھا۔

"بلکہ میں تمہیں گھر کے چھوٹے چھوٹے کام بھی کرتے نہیں دیکھنا چاہتا۔ ایک دو دوستوں سے بات کی ہے چند ایک دنوں میں ملازمہ کا بندوبست ہو جائے گا۔ تم بس خوش رہا کرو اور مکمل آرام کرو۔" حارث نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا تو زارا سر جھکا کر مسکرا دی۔

"کاش ابا سمجھ سکتے کہ ان کی بیٹی کے لیے ذات پات سے زیادہ ایک محبت کرنے والا، احترام دینے والا شوہر زیادہ بہتر ہے۔" زارا کے لہجے میں یاسیت گھلی ہوئی تھی۔ اسے آزاد ہوتے دیکھ کر حارث کا دل پسیج گیا۔ اب تلک جو لیزا سے ملاقات کا احوال اس سے چھپا کر رکھا تھا بتانے کا فیصلہ کر لیا۔

"میری ملاقات لیزا سے ہوئی تھی۔"

"کب؟۔۔۔" زارا سراپا سوال بن گئی۔ لہجے میں دبا دبا سا جوش تھا۔

"روحہ کی شادی پر۔" وہ مزید بولا۔

" روحہ کی شادی۔۔۔" زارا زیر لب اسی کا جملہ دہراتے ہوئے حیرت زدہ دکھائی دی۔ "لیکن روحہ کی شادی پر لیزا کیا کر رہی تھی؟" حارث کی سوچ کے عین مطابق زارا نے متوق سوال داغا۔

"وہ وہاں جلال کی بیوی کی حیثیت سے موجود تھی۔" لب کچلتے ہوئے حارث نے بتایا تو زارا کے سر پر جیسے آسمان ہی آ گرا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

جلال کی طرف سے مکمل خاموشی چھا جانے پر لیزا کا دل بے چین ہوا۔ اس طرح کی زبردستی تو وہ بھی نہیں چاہتی تھی۔ کئی دفعہ اس کا دل چاہا ہر چیز پر لات مار کر چلی جائے مگر معاشرے کی کڑی زنجیر پیروں کو جکڑ لیتی۔

اس کی واپسی پر سو طرح کی باتیں ہوتیں، بڑی گھر سے بھاگ گئی اور چھوٹی سے اپنا گھر نا بسایا گیا۔ یہ وہ جملہ تھا، جسے سننے کی لیزا میں تاب نہ تھی۔ یوں بھی ہاشم صاحب کی طبیعت کی ناسازی کی خبریں اسے موصول ہوتی رہتی تھیں۔ ابھی دو روز قبل ہی وہ ان سے مل کر آ رہی تھی۔ ابا میاں کی طبیعت تو اسے قدرے سنبھلی ہوئی لگی تھی، مگر اپنے لیے ان کی آنکھوں میں فکروں کا جال دیکھ کر لیزا کا دل مزید بھاری ہو گیا۔

وہاں سے لینے کے لیے بہر حال جلال نے ہی آنا تھا مگر عین موقع پر اسے کوئی ضروری کام آ گیا یا پھر شاید اس نے کوئی بہانہ بنا دیا تھا، لیزا سمجھ نہیں سکی۔ لہذا احمر کے

ساتھ بائیک پر واپس گھر آ گئی۔ احمر باہر لان ہی سے واپس چلا گیا۔ جلال ڈرائنگ روم کی کھڑکی سے اسے احمر کے ساتھ آتے دیکھ چکا تھا۔ اگرچہ عام حالات میں یہ بہت ہی نارمل سمجھی جانے والی بات تھی، جسے جلال کے نظریے نے بالکل ہی معیوب بنا دیا۔

"کیا ہوا اندر نہیں آیا احمر؟" جلال سے راستے میں سامنا ہو گیا۔ اس کی آنکھوں سے لیزا کو عجیب سی چبھن ہوئی۔ وہ اس سے کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتا تھا۔ بارہا اپنی بے دلی کا اظہار کر چکا تھا۔ مگر کبھی بھی لیزا نے اس کی نظروں میں ایسی کاٹ محسوس نہیں کی تھی، جو اسے اس وقت ہو رہی تھی۔

"نہیں۔" ایک لفظی جواب دے کر لیزا کمرے میں چلی آئی تھی۔ پیچھے جلال پشت پر ہاتھ باندھ کر کھڑا تھا، آنکھوں میں سرخی اتری ہوئی تھی، شک کا زہر جلال کے دل و دماغ کو بُری طرح جکڑے ہوئے تھا۔

اس کی بیوی اس کی ہو کر بھی اس کی نہیں تھی اس کا وجود تو اس کے ساتھ تھا مگر دل کسی پرائے مرد کے نام ہو چکا تھا۔ جلال کو اپنی بیوی میں بس ایک خاصیت درکار تھی اس کی بیوی پوری طرح سے صرف اسکی ہو، فرمائشوں اور خواہشوں کی کوئی لمبی چوڑی فہرست نہیں تھی۔ اور ناانصافی کا یہ عالم تھا کہ قدرت نے اس کی سب سے بڑی کمزوری پر وار کیا تھا۔ زارا کے شادی چھوڑ کر چلے جانے کا اسے کوئی غم نہیں تھا اس کی اس حرکت سے جلال کی غیرت پر وار ہوا تھا۔ اس لیے اس کے اندر غصے کے فطری اُبال تو ضرور اٹھے تھے مگر کوئی دلی رنج نہیں پہنچا تھا۔

بعد میں سکون سے سوچنے پر اسے احساس ہوا اگر وہ کسی اور مرد کے نام کی چھاپ

اپنے دل پر لے کر خاموشی سے اسی کی زندگی میں داخل ہو جاتی، تو یہ اس کے لیے شرمندگی سے ڈوب مرنے کا مقام ہوتا۔ لیکن اس کی جگہ لیزا نے جو جلال کی مردانگی کا مذاق اُڑایا وہ اس پر اندر ہی اندر کھول رہا تھا۔ وہ وجیہہ، دولتمند، کامیاب اور تہذیب یافتہ مرد تھا۔ پھر بھی اس کی رسائی لیزا کے دل تک نہیں تھی۔ ایسا بھی کیا تھا اس میں صرف اچھی شکل صورت کی مالک تھی۔ مگر جلال بھی کسی سے کم نہیں تھا اور اسٹیٹس میں تو جلال، احمد سے کہیں بڑھ کر تھا۔ غیر ارادی طور پر جلال نے اپنا موازنہ احمد سے کیا تھا کسی طور پر اسے احمد کا پلڑا بھاری محسوس نہیں ہوا تھا۔

سوچوں کے جھکڑ میں پھنسا وہ کمرے میں داخل ہوا تو لیزا گہری نیند سو چکی تھی اس کے چہرے پر معصومیت کا گہرا عکس تھا۔ کبھی کبھی جلال کا دل چاہتا تھا سب کچھ بھول کر اس کی جانب پیش رفت کرے مگر انا کی شدید طوفانی لہر اسے الفت کے کنارے سے پرے شدت سے اچھال پھینکتی۔

جب لیزا کے دل میں اس کے لیے کوئی جگہ نہیں تو پھر کیوں اس کی زندگی میں داخل ہو۔ یہ سوچ ان کے بیچ کی سب سے بڑی اور مضبوط دیوار تھی۔

آج کل وہ زیادہ وقت دفتر میں گزارتا۔ مرزا صاحب اس کی اس حرکتوں پر اندر ہی اندر پیچ و تاب کھا کر رہ جاتے تھے۔ وہیں ساجدہ بیگم بھی رفتہ رفتہ بیٹے کی اداسی کا ذمہ دار لیزا کو ٹھہرانے لگی تھیں۔ جہاں شہریار اور روحہ کے استوار تعلقات گھر میں رونق لگائے ہوئے تھے، وہیں دوسری جانب لیزا اور جلال کی ایک دوسرے سے بے اعتنائی اور سرد مہری سب کو کھلنے لگی تھی۔

اتوار کے دن سب لاؤنج میں محفل سجائے ہوئے تھے۔ لیزا نے سب کے لیے پاستا بنایا تھا۔ جو سب کے اصرار پر جلال کو بھی چکھنا پڑا۔

" واہ بھابھی! آج تو آپ کے ہاتھوں نے کمال کر دیا۔ اس گھر کی مہاشیف گرو کا خطاب آپ کو دیا جاتا ہے۔ کیا لذت ہے۔" شہریار پاستا کھاتے ہوئے اسے داد دے رہا تھا۔ لیزا ہنس دی۔

" روحہ بیگم کچھ تم بھی سیکھ لو، شوہر کو الو بنانے کے علاوہ بھی دنیا میں بڑے کام ہیں۔" شہریار نے سب کے سامنے ہی اس کی ٹانگ کھینچی تو وہ گھورنے لگی۔

" بھابھی پرسوں میری ایک فرینڈ نے آنا ہے۔ کیا آپ اس کے لیے بھی ٹھیک ایسا ہی پاستا بنا دیں گی؟ اسے پاستا بہت پسند ہے۔" ایمان نے بڑی محبت اور لجاجت سے فرمائش کی۔ انکار ممکن ہی نہیں تھا۔

" کیوں نہیں ضرور بنا دونگی۔" لیزا کی فراخ دلی پر شہریار عش عش کر اٹھا۔

" تمہاری ساری بھکڑ سہیلیاں اپنے پسندیدہ کھانے ہمارے گھر ہی کھانے کیوں آتی ہیں اور بھابھی آپ بھی فلاحی خدمتگار بنی فوراً ہر کام کے لیے تیار ہو جاتی ہیں۔ حیلے بہانوں کا کورس تو آپ روحہ سے بھی بآسانی کر سکتی ہیں۔" شہریار کی کوئی بات بھی روحہ کا تذکرہ کیے بغیر مکمل نہیں ہوتی تھی۔

اس کی کائنات میں وجودِ زن سے ہی رونقیں بحال تھیں۔ روحہ کو شہریار کا اتنا کھلا ڈلا انداز پسند نہیں آ رہا تھا۔ مگر اس وقت کسی نے بھی اس کے تاثرات پر توجہ نہیں دی۔

" شہریار بھائی میری سہیلیاں جیسی بھی ہوں۔ آپ کے مطلبی دوستوں سے بہت بہتر

ہیں۔ یاد نہیں جس دن ہائی وے پر بابا کی لاڈلی گاڑی ٹھوک دی تھی آپ نے۔ کسی نے فون تک نہیں اٹھایا تھا۔ آخر جلال بھائی ہی کام آئے تھے۔"

" آہستہ بولو بابا سن لیں گے۔ شہریار اس کی منہ پھٹ عادت سے عاجز ہی رہتا تھا۔

ان کی اس ساری گفتگو کو سنتا جلال خاموشی سے بے تاثر بیٹھا رہا۔ مرزا صاحب اندر اپنے کمرے میں قیلولہ فرمارہے تھے۔ جبکہ ساجدہ بیگم ابھی ابھی ہاتھ میں شاپر لیے محفل میں داخل ہوئی تھیں۔ یہ میں کچھ جوڑے لائی تھی تم دونوں کے لیے اپنی اپنی پسند کا چن لو۔ ساجدہ بیگم نے میز پر شاپر الٹ کر چار جوڑے ڈھیر کر دیئے۔ وہ کل ایمان کے ساتھ بازار گئی تھیں۔ اسے وہیں سے پسند کرواکے جوڑے دلوادیئے تھے، جبکہ روحہ اور لیزا کے لیے وہ تحفہ خرید لائی تھیں۔

شہریار وہاں کراچی کی جدید باڑا مارکیٹ کھلتے دیکھ کر فوراً غائب ہو گیا۔ پاستے سے منصفانہ سلوک تو وہ پہلے ہی کر چکا تھا۔ مزید وہاں رکنے کا کوئی فائدہ بھی نہیں تھا۔ اسے جاتا دیکھ کر جلال بھی اٹھ کھڑا ہوا۔

" یہ پرپل اور گرین میں رکھ لیتی ہوں۔ یہ دونوں رنگ شہریار کو بہت پسند ہیں۔"

روحہ نے فوراً دو چمکتے خوبصورت نفیس سوٹوں پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ لیزا خاموش رہی وہ بھلا کیا کہتی وہ تو اب تک جلال کی پسند ناپسند سے بھی واقف نہیں ہوئی تھی۔

"ہاں ٹھیک ہے۔ ویسے بھی جس کا شوہر ہی اسے پلٹ کر نہیں دیکھتا، وہ کچھ بھی پہن لے اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ سچ کہتے ہیں، سہاگن وہی جو پیا من بھائے۔"

ساجدہ بیگم کی بات پر جاتے جاتے دروازے کی اوٹ سے پلٹ کر جلال نے بے

اختیار ہی لیزا کا دھواں دھواں چہرہ دیکھا۔ اس نے ساجدہ بیگم سے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے مگر پھر مٹھیاں بھینچ کر وہاں سے چلا گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

صبح سے وہ ورکرز کے ساتھ مغزماری کر کر کے شام تک بُری طرح تھکاوٹ کا شکار ہو گیا تھا۔ یہ دردِ سر بھی مرحا نے ہی اس کے لیے پالا تھا۔ خود تو وہ سارا وقت کسی ٹورسٹ کی طرح یہاں وہاں پھرتی ہر چیز کا جائزہ لیتی رہی تھی۔ ناتجربے کار ہونے کی بدولت وہ اسے کام کرنے کا بھی نہیں کہہ پا رہا تھا۔ کام چونکہ افراتفری کا تھا اور پراجیکٹ بھی کافی بڑا تھا۔ اس لیے فارس نہیں چاہتا تھا کسی طرح کی بھی کوئی کمی رہ جائے اور اس کی کمپنی کا نام خراب ہو، اسی لیے سب کچھ وہ خود سپروائز کر رہا تھا۔ ایک سادہ، خالی مگر بے حد کشادہ سی جگہ کسی شاہی محل کے دربار کا سا روپ دھار چکی تھی۔ مرحا فارس کی ڈیڈیکیشن سے بے حد انسپائر ہوئی۔ وہ انسان جو کچھ بھی کرتا بے حد مکمل اور شاندار ہوتا۔

شام کو تیار ہونے کے لیے وہ دونوں گھر آئے۔ ہمدانی صاحب نے بطورِ خاص بارہا اصرار کر کے انہیں مدعو کیا۔ حالانکہ کام نپٹا کر فارس کا تو آرام کرنے کا موڈ تھا۔ مگر مرحا نے انکے زور دینے پر حامی بھر لی اس لیے اس کو بھی جانا ہی پڑا۔

شام کی مناسبت سے مرحا نے سیاہ کلر کا سوٹ زیب تن کیا، جس پر سفید نگینے جڑے ہوئے تھے۔ چہرے پر نفاست سے کیا گیا میک اپ، اس پر بہت جچ رہا تھا۔ گلے میں سرخ کنٹراس کا دوپٹہ اور ہونٹوں پر دوپٹے کے ہمرنگ لپ اسٹک لگائے وہ دور سے ہی سب کی توجہ کا مرکز بنی ہوئی تھی۔ کھلے بالوں کو پشت پر ڈالے وہ ہال کے ایک کونے میں بیٹھی ہوئی

تھی جہاں ہمدانی صاحب کی مسز اسے بھرپور کمپنی دے رہی تھیں۔

محفل میں فارس کے جاننے والے افراد کی کمی نہیں تھی۔ اس لیے اسے ان سے فرصت نہیں تھی۔ تھوڑی ہی دیر بعد مرحا بوریت سے اکتا گئی۔

"ان سے ملیں یہ لیزا ہے۔ میرے بیٹے کے سب سے خاص دوست جلال کی مسز، اور لیزا یہ مرحا ہیں بیرسٹر فارس کی بیوی۔ اب بیرسٹر فارس خاقان حیدر کسی تعارف کے محتاج تو ہیں نہیں۔ لیکن پھر بھی یہ شادی کے عالیشان انتظامات انہی کے توسط سے ہیں۔" مسز ہمدانی کو بہت زیادہ اور تیز تیز بولنے کی عادت تھی ان دونوں کو متعارف کروا کر وہ کسی کام سے وہاں سے چلی گئیں۔

"کمال ہے مرحا! بیرسٹر فارس خاقان پر قبضہ کر کے رہیں تم۔" لیزا اس کے برابر کرسی پر دھپ سے بیٹھتے ہوئے بولی۔ بغیر سلام دعا کے شروع ہونے والی گفتگو سے ان کی پرانی شناسائی کا راز پتہ چل رہا تھا۔ اس کی شرارت پر مرحا زہریلی ہنسی ہنس دی۔

"کچھ چیزیں انسان کو زندگی کے موڑ پر اس وقت ملتی ہیں، جب ان کی چاہ ہی ختم ہو جاتی ہے۔" مرحا کی ذومعنی بات کو لیزا نے سنجیدگی کے پیرائے میں لیا۔

"کیا بات ہے مرحا محبت پا کر بھی خوش نہیں ہو۔" لیزا نے اسے کریدنے کی کوشش کی کیونکہ اس کی زندگی میں خود محبت ایک بڑا اور اہم مسئلہ بنی ہوئی تھی۔

"چھوڑو یہ سب باتیں۔ تم بتاؤ شادی کر لی موصوفہ اور بلایا بھی نہیں۔" مرحا نے بات بدل دی تو لیزا نے بھی اس کی ذاتیات میں زیادہ دخل نہیں دیا۔

"میں کیسے انوائیٹ کرتی تم ہی غائب ہو گئی تھیں۔ نمبر بھی بدل لیا۔ میں نے تو بہت

رابطہ کرنے کی کوشش کی تم سے پر، تم جانے کہاں چلی گئی تھیں۔"لیزا کے پاس اس کے شکوے کا جواب موجود تھا۔

انہوں نے گریجویشن ایک ساتھ کی تھی۔ ایک ہی یونیورسٹی سے۔ دونوں کی ایک دوسرے سے بہت اچھی دوستی ہوا کرتی تھی۔

"میں دراصل لاء چھوڑ کر لندن چلی گئی تھی۔ بابا کی اچانک وفات کے بعد پاکستان میں رہنا مشکل ہو گیا تھا۔ مجھے کچھ عرصے کے لیے اس جگہ سے دوری اختیار کرنی پڑی۔"

"خیر تم سناؤ، کیسی جا رہی ہے شادی شدہ زندگی۔" ہلکی سی مسکان سجا کر مرحا نے اس سے استفسار کیا۔

اب وہ اسے کھوکھلے رشتوں کی روداد کیا سناتی جواب میں جلال کی طرف دیکھ کر دھیما سا ہنس دی جو اس پل سٹیج پر دلہا کے ساتھ بیٹھا کسی بات پر قہقہہ لگا رہا تھا۔ اسے وہ ہمہ وقت سڑیل اور دل جلے قسم کے جلال سے یکسر بدلا ہوا ایک مختلف انسان لگ رہا تھا۔ مرحا نے بھی اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا۔

"اپنے مجازی خدا سے تو ملاؤ ذرا۔ پتہ چلے موصوف تمہارے عشق میں کس قدر ڈوبے ہوئے ہیں۔" مرحا کو لیزا کی زندگی بڑی خوش حال لگ رہی تھی۔

بعض اوقات ہمیں لوگوں کی زندگیاں باہر سے تو لشکارے مارتی چکا چوند سے بھرپور نظر آ رہی ہوتی ہیں۔ یہ ان سے وابستگی کے بعد ہی پتا چلتا ہے کہ ان کا دل درد سے کتنا چھلنی ہے۔ لیزا کے دل نے یہ سرگوشی کی۔

"ضرور ملواؤں گی۔ لیکن اس کے لیے تمہیں فارس بھائی کو لے کر میری طرف ڈنر

پر آنا ہو گا۔ مجھے پتا ہے وہ انتہائی مصروف انسان ہیں، لیکن میں تمہارا کوئی بہانہ نہیں سنوں گی۔"لیزا دو ٹوک بولی تھی۔

مرحا بھی پرانی سنگت کے آج اچانک مل جانے پر اچھا محسوس کر رہی تھی۔ اس لیے اسے ناراض ہو جانے کے ڈر سے انکار نہیں کیا مگر چپ ضرور ہو گئی۔

فارس اس کا شوہر تھا یہ حقیقت زمانے کو پتا چل چکی تھی اور اس کا دل بھی اس سچ سے منہ نہیں موڑ سکا تھا۔ لیکن اسے اپنے شوہر کی حیثیت سے کہیں باقاعدہ طور پر اپنے ساتھ لے جانا اور اپنی دوستوں سے ملانا مرحا کے لیے مشکل امر تھا۔ لیکن وہ اس کے اسباب سے لیزا کو آگاہ نہیں کرنا چاہتی تھی۔ مرحا کا دکھ ایک پر اسرار راز کی مانند اس کے دل کی سرزمین میں دفن تھا۔ جس کی کھدائی نئے سرے سے کرنا مرحا کو بہت مشکل عمل لگا تھا۔

دونوں نے اپنی اپنی گھٹی ہوئی پیچیدہ زندگیوں کا پتا ایک دوسرے کو دانستہ طور پر نہیں دیا تھا۔ دوسری طرف احمد تھا کہ جلال کو اسٹیج سے اٹھنے ہی نہیں دے رہا تھا۔

"بس کر دے بھائی لوگ تمہاری جگہ مجھے دلہا سمجھنا شروع کر دیں گے۔" جلال نے اسے ٹوکا۔

"سبحان اللہ! ابھی پہلی بار دلہا بنے کتنے دن گزرے ہیں، جو دوبارہ سے خواہش بیدار ہو رہی ہے۔ بھابھی کو بتا دیا تو تمہارے چھکے چھڑا دیں گیں۔" انداز دھمکی آمیز تھا۔

"میری مانو چپکے بیٹھے رہو ورنہ مجھ سے برا کوئی نہ ہو گا۔"

"تم نے میری شادی میں شرکت نہیں کی تھی۔ اس لیے سوچا ہے تمہاری خاطر قربانی دیتے ہوئے دوبارہ سے گھوڑی چڑھ جاؤں، تاکہ اس بار شہریار کے ساتھ ناچنے والوں

میں سے تم بھی سر فہرست ہو۔" جلال کے اتنا آرام سے کہہ دینے پر احمد نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔

"بھائی تیری شادی میں کبھی مس نہ کرتا مگر عین وقت پر امریکیوں نے حوالات کی نظر کر دیا تھا۔ عجیب ملک ہے ذرا سے تھپڑ مار دینے کو بھی جرم قرار دیتے ہیں۔ ادھر پاکستان میں یونیورسٹی کے دور میں کتنے پنگے لیا کرتے تھے ہم یاد ہے تجھے؟ مجال ہے جو پولیس نے اونگھ بھی لی ہو۔لیتے بھی کیسے نیند سے ہی بیدار نہیں ہوتے تھے۔

تیری ہزار منتیں کی تب جا کر تو بھابھی کو ساتھ لایا ہے۔ پر یقین کر جگر، بھابھی کو دیکھ کر مجھے تیری قسمت پر رشک آیا ہے۔ ایسا پری وش چہرہ تو کبھی امریکہ میں بھی نہیں ملا۔" احمد لیزا سے علیک سلیک کر چکا تھا۔اب کھلے لفظوں میں جلال سے اس کی تعریف کر رہا تھا۔

"میں اب سمجھا، تو نے یونیورسٹی کی کسی بھی لڑکی کو بھاؤ کیوں نہیں دیا۔بڑا انتظار تھا تمہاری زندگی کی حسین شہزادی کو دیکھنے کا، مگر داد دینی پڑے گی بھئی۔ چوائس تمہاری بہت خوب ہے۔"اس کی تعریفوں پر جلال نے اپنی نظر کے عین سامنے مگر بہت دور بیٹھی لیزا کو دیکھا۔

بالکل ان کی زندگی بھی یونہی تھی ایک دوسرے تک پہنچنے کے لیے دشوار راہگزر پار کرنی تھی۔لیزا کو کسی سے فرینک ہو کر باتیں کرتے دیکھ کر وہ متجسس ہوا مگر پھر نظریں گھما لیں۔ "اپنی بھابھی کو چھوڑو اور میری بھابھی پر توجہ دو۔" جلال نے عروسی لباس میں دلہن کو اسٹیج کی طرف آتے دیکھ کر احمد کی توجہ اس جانب مبذول کرائی۔ احمد اور وہ دونوں

احتراماً اٹھ کھڑے ہوئے۔ پھر احمد دلہن کے ساتھ بیٹھا تو جلال کی جان خلاصی ہوئی اور وہ اسٹیج سے نیچے اتر آیا۔

ایک بے حد عالیشان شادی میں شرکت کر کے وہ گھر واپسی کے لیے روانہ ہوئے۔

جلال کو احمد کے اصرار پر لیزا کو اپنے ساتھ لانا پڑا تھا۔ ساتھ آنے کے لیے اس نے لیزا کو خود نہیں کہا تھا۔ بلکہ جانے سے کچھ گھنٹے پہلے ساجدہ بیگم کو آفس سے فون کر کے لیزا سے تیار ہونے کو کہلوایا تھا۔ وہ اگر اسے ساتھ چلنے کو کہتا تو یقیناً عزتِ نفس کو مد نظر رکھتے ہوئے لیزا انکار کر دیتی۔ مگر ساجدہ بیگم تک پہنچ کر معاملہ گھمبیر ہو گیا تھا۔ اس لیے وہ چپ چاپ تیار ہو گئی۔

"۔مرد کو تیور دکھانے والی عورتیں بالکل نہیں بھاتی۔" جاتے جاتے ساجدہ بیگم نے اسے اپنا فلسفہ گھول کر پلایا۔ جس پر وہ اندر ہی اندر بل کھا کر رہ گئی۔

تیور تو الٹا ان کا بیٹا دکھا رہا تھا۔ پھر بھی دل کو بھائے ہی جا رہا تھا۔ یہ الگ گتھی تھی جو لیزا سے سلجھ نہیں رہی تھی۔ جلال کے ہتک آمیز رویوں سے جہاں اس سے لیزا کو شدید نفرت محسوس ہونی چاہیے تھی وہیں اس کی موجودگی میں دل اتھل پتھل ہونے لگتا۔

"وہ لڑکی کون تھی؟" جلال مرحا کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔

"کون؟" ادھر نا سمجھی کا عالم تھا۔

"وہ جس سے پورا وقت تم گفتگو کرتی رہیں۔" اس نے اپنے سوال کی وضاحت کی۔

"آپ سے مطلب؟" تڑاخ سے آئے جواب نے جلال کی بولتی بند کر دی۔

"میرے سارے مطلب تم سے شروع ہو کر تم پر ہی ختم ہوتے ہیں۔" کچھ دیر بعد

موصول ہوئے جواب پر لیزا نے حیرت میں مبتلا ہو کر پوچھا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب سے تمہیں کوئی مطلب نہیں ہونا چاہیے، بس یہ اچھی طرح سمجھ لو کہ تم اب جلال مرزا کی بیوی ہو اور یہ حیثیت کوئی ثانوی سی چیز نہیں ہے۔ جسے تم آسانی سے حاصل کر لو گی۔" جلال کو پٹری سے اترنے میں دیر نہیں لگتی تھی۔ عجیب دھوپ چھاؤں جیسا مزاج تھا اس کا۔

"میں آپ کی بیوی ہوں، یہ بات آپ کو خود کو سمجھانی چاہیے۔ شاید آپ کو تھوڑا افاقہ ہو۔" وہ جل کر بولی۔

"ہاں زبردستی کی بیوی۔" اس کے زیر لب بڑبڑانے پر لیزا رخ بدلنے پر مجبور ہو گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

فارس، ہمدانی صاحب والے جھنجھٹ سے ابھی نکلا ہی تھا کہ ہری پور سے اماں جان کی بیماری کی اطلاع آ گئی۔ اس کے بار بار کہنے پر بھی وہ اس سے فون پر بات کرنے پر آمادہ نہیں ہو رہی تھیں۔ یہ بائیکاٹ دار جی کے کہنے پر کیا گیا تھا۔ یہ بات فارس خود بھی اچھی طرح جانتا تھا۔ اس لیے چار و ناچار اس نے گاؤں جانے کا ارادہ باندھ لیا۔

سر شام ہی الماری سے اپنے کپڑے نکال کر پیکنگ کرنے میں مصروف ہو گیا۔ مرحا وہیں بیڈ پر نیم دراز منٹو کی کتاب پڑھنے میں مصروف تھی۔ اس کو پیکنگ کرتے دیکھ کر مخمصے میں پڑی۔ آیا وہ کہاں جا رہا ہے۔ اس کی پیکنگ سے تو لگ رہا تھا کم از کم بھی ہفتے بھر

کے قیام کے لیے کہیں جانے والا تھا مگر کہاں؟ دل میں آیا سوال مرحا نے فوراً پوچھ بھی ڈالا
۔

"کہاں جا رہے ہو؟"

"ہری پور۔" جواب مختصر تھا۔

"مگر کیوں؟" اس کی جرح سے بے نیاز وہ اپنے کام میں مصروف بیگ میں کپڑے اور چند دوسری ضروری چیزیں ٹھونستا رہا۔

"میں کچھ پوچھ رہی ہوں۔" جواب نہ ملنے پر دوبارہ اصرار ہوا۔

"اماں جان نے بلایا ہے۔ ان کی طبیعت اچھی نہیں ہے۔" فارس نے بڑے نپے تلے لفظوں میں اسے بتاتا۔

مرحا کو کچھ گڑبڑ معلوم ہو رہی تھی۔ فارس کے دار جی اتنے سیدھے تو ہرگز نہیں تھے کہ اتنی بڑی بات ہو جانے کے بعد بھی چپ سادھے بیٹھے رہتے۔ پھر جب سے وہ یہاں سے ہو کر گئے تھے ان کی کوئی پیش رفت اب تک تو سامنے نہیں آئی تھی۔ اس بلاوے نے اسے مزید شک میں مبتلا کر دیا تھا۔ اس وقت تو وہ خاموش ہو گئی تھی۔ مگر وہ ٹلنے والوں میں سے ہرگز بھی نہیں تھی۔ فارس بائے روڈ جا رہا تھا اتنا تو اسے معلوم تھا۔ کتنے بجے نکلے گا یہ اس نے دینہ سے پتہ کر لیا تھا۔ چنانچہ جب فجر کے قریب فارس اپنی مرسڈیز میں سوار ہوا تو پچھلی نشست پر مرحا کو سوتے پا کر سر تھام لیا۔

اس ڈر سے کہ کہیں وہ سوتی نہ رہ جائے۔ اس نے اپنا بیگ تیار کر کے ڈگی میں رکھا اور گاڑی میں ہی سو گئی۔

"مرحا، مرحا۔۔۔" فارس نے پیچھے منہ کر کے اسے پکارہ تو وہ ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھی۔

"کیا ہوا؟ پہنچ گئے گیا؟" اس نے بدحواسی میں پوچھا۔

"ہاں پہنچ گئے۔ لیکن تمہارے سپنوں کی جنت میں، ورنہ ہری پور کی مسافت تو ابھی شروع بھی نہیں ہوئی۔"

"جاؤ کمرے میں جا کر سو جاؤ۔" فارس کے حکم پر مرحا اپنی جگہ سے ایک انچ بھی نہیں ہلی تھی۔ صاف مطلب تھا وہ اس کے ساتھ ہی جائے گی۔

"تمہاری اماں کی نئی نویلی بہو ہوں۔ کیا ہوا جو انہوں نے مجھے حویلی آنے کے لیے نہیں کہا۔ مگر اپنا فرض مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ اپنی ساس کی خدمت گزاری کا موقع مجھے بھی تو ملنا چاہیے۔" نیند سے جاگی تھی اس کی معصومیت کا پارہ عروج پر پہنچا ہوا تھا۔

"ٹھیک ہے چلو، ساتھ راستے میں تمہیں پاگلوں کے سب سے بڑے ہسپتال میں داخل کرواتا جاؤں گا۔" اس نے زچ ہو کر رختِ سفر باندھا۔ مرحا نے ٹھان لیا تھا کہ وہ اپنے فیصلے سے ایک انچ بھی پیچھے نہیں ہٹے گی۔ اسے ہی ہتھیار ڈالنے پڑے۔ دوپہر ہونے تک وہ کافی مسافت طے کر چکے تھے۔

مرحا سو کر اچھی طرح نیند پوری کر چکی تھی۔ فارس نے پٹرول پمپ کے علاوہ جیسے کہیں نہ رکنے کی ٹھان رکھی تھی۔

"تم بھی فیول پر چلتے ہو؟" بلآخر لب کشائی ہوئی۔

"کیا مطلب؟" وہ سچ مچ نہیں سمجھا تھا۔

"مطلب یہ، کہ مجھے بھوک لگی ہوئی ہے۔ گاڑی روکو۔"

" یہاں کون سی تمہارے خاندانی ہوٹلوں کی قطار لگی ہوئی ہے۔ کسی جگہ کوئی مناسب ہوٹل دکھائی پڑا تو روک دونگا گاڑی۔"

مرحا نے گاڑی کے شیشے کے پار دور تک تانک جھانک کی ویرانہ ہی ویرانہ تھا۔ وہ مایوس ہو گئی۔ بھوک کی شدت سے نقاہت محسوس ہونے لگی تب کہیں جا کر فارس نے ایک ڈھابہ منتخب کیا۔ وہاں بیٹھ کر دونوں دال اور تندوری روٹیوں کے ساتھ نبرد آزما تھے۔

اچانک کسی نے مرحا کو دیکھ کر سیٹی ماری۔ پاس سے گزرتے اس اوباش قسم کے انسان (جو حلیے سے بھی ٹرک ڈرائیور نظر آرہا تھا) کو فارس نے دیکھا مگر اگنور کر کے کھانا کھاتا رہا۔

مرحا کے تو حلق میں نوالہ گولے کی طرح اٹک گیا۔ ترچھی نگاہوں سے فارس کو دیکھا جو کھانے میں یوں مگن تھا جیسے اس سے ضروری اور کوئی کام نہ ہو۔ بدقت وہ بھی کھانے لگی۔

اوباش آدمی اب بھی اپنی حرکت سے بعض نہیں آیا تھا۔ ایسے لگ رہا تھا جیسے اس کا کام ہی لڑکیاں تاڑنا ہو اور چھیڑنا ہو۔

"آج اسے تو میں چھٹی کا دودھ یاد دلا ہی دوں۔" وہ بھوکی شیرنی کی طرح غراتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ فارس نے اسے بازو سے تھام کر واپس کرسی پر بٹھایا اور خود پانی کا گلاس ایک سانس میں ختم کیا۔ جیسے عجلت میں ہو۔ مرحا کی غنڈہ پرور روح اندر ہی اندر کلاوے بھر رہی تھی۔

ایک تو وہ خود بے پرواہ بنا بیٹھا تھا۔ اوپر سے اسے بھی روک دیا تھا۔

"اب تمہاری غیرت کہاں جا سوئی ہے؟" وہ اسی پر چڑھ دوڑی۔

"سویٹ ہارٹ ریلکس ہو کر بس تم اب ایکشن دیکھو، لیکن یہاں نہیں گاڑی میں۔" بل کی رقم میز پر رکھتے ہوئے فارس نے اس سے کہا تو وہ مطمئن ہوتی گاڑی کی طرف بڑھ گئی۔

فارس بازو فولڈ کرتا اب اس شخص کے قریب جا کھڑا ہوا، پان چباتا آوارہ آدمی اسے سامنے دیکھ کر تھوڑا گھبرایا۔

"کیا تکلیف ہے تمہیں، راہ چلتی دوسروں کی بہن، بیویوں کو چھیڑتے تمہیں شرم نہیں آتی۔" فارس نے غصے سے پوچھا۔

"لالہ! دوسروں کی بہن، بیویوں کو چھیڑ سکتے ہیں۔ اب اپنی بہن، بیوی کو کون چھیڑتا ہے؟" اس کی بات پر ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ فارس اسے دبوچ لیتا اور اس کے سارے کس بل نکال دیتا، مگر فارس نے اس کا شانہ تھپتھپایا اور واپس گاڑی میں آ گیا۔

"کیا ہوا اسے، ایسے ہی کیوں جانے دیا۔" مرحا واقعی زبردست ایکشن ہوتے دیکھنے کی متمنی تھی۔

اس کی بات میں پوائنٹ تھا گاڑی سٹارٹ کرتے ہوئے فارس زیر لب شرارت سے مسکرایا۔ اس کے پھیلے لب دیکھ کر مرحا کو شدید چڑ ہوئی۔

"کسی کی باتوں میں اتنی آسانی سے آ جانے والے تو تم نہیں ہو۔ وکیل ہو۔ باتوں کی گھمن گھیریوں میں لوگوں کو پھنسا کر ہی تم وکیل اپنی دکان چمکاتے ہو۔"

"بھئی کیا کریں۔ یہ ہی ہمارا کام ہے، وکیل بندہ ہوں دلائل سے بات کرتا ہوں۔

اور مدلل بات ہی پر یقین کرتا ہوں۔ تم تو خوامخوہ ہی میرا پیچھا لیتی ہو۔" فارس کی ادا معصومیت کے زمرے میں تو نہیں آتی تھی۔ مگر مرحا نے ناک سکیڑ کر نخوت سے اسے دیکھا اور اس بے تاثر نظر آتی شکل پر دو چار بلائیں (دل ہی دل میں) بھیجتی رخ موڑ گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

جلال ابھی ابھی نہا کر نکلا تھا اس نے پوری الماری کا پوسٹ مارٹم کر ڈالا، مگر مطلوبہ شرٹ نہیں ملی۔

"لیزا میری بلیک شرٹ نہیں مل رہی۔" وہ اسے ڈھونڈتا ہوا کچن میں چلا آیا، جہاں وہ رات کا کھانا بنا رہی تھی۔ ساتھ روحہ بھی اس کا ہاتھ بٹا رہی تھی۔ اب جلال کے سارے کاموں کی ذمے داری اسی نے سنبھال لی تھی۔ اس کی وارڈ روب سے لے اس کے کھانے پینے تک کی ہر چیز کا خیال وہی رکھتی تھی۔ اس لیے ساجدہ بیگم سے پوچھنا بے کار تھا۔

"وہ شاید پریس کرنے کے لیے میں نے اماں ہاجرہ کو دی تھی۔ آپ رکیے میں دیکھتی ہوں۔" لیزا اسے انتظار کرنے کا کہہ کر چلی گئی۔

وہ وہیں کھڑا چکن جلفریزی جو تقریباً پکنے کے قریب تھی کا جائزہ لینے لگا۔ کھانے کی اشتہاء انگیز خوشبو نے اس کی بھوک کو مزید چمکا دیا تھا۔ روحہ وہیں کچن میں ٹیبل چیئر پر بیٹھی سلاد کاٹ رہی تھی۔

"کھانا تو بڑا زبردست لگ رہا ہے۔" جلال نے بے ساختہ تعریف کی۔

"لیزا بھابھی کی زندگی کا واحد مقصد کھان پکانا بن چکا ہے۔ اب وہ اگر کھانے کو اتنی توجہ دیں گی تو یقینا کھانا لزیذ تو بنے گا ہی۔" روحہ کے رویے سے غرور جھلک رہا تھا۔

جلال کو اس کا انداز عجیب سا لگا مگر اس نے روحہ سے مزید کوئی بھی بات نہیں کی۔

تبھی ہینگر میں لگی شرٹ لیے لیزا چلی آئی۔

"آپ کی شرٹ۔" اس نے جلال کو شرٹ تھمائی تو وہ بنا ایک لفظ مزید کہے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔ رات کو وہ ہمیشہ ٹی شرٹ اور ٹراؤزر پہن کر سوتا تھا۔

کھانا آج سب نے تاخیر سے مگر ایک ساتھ مل کر کھایا تھا۔

"بابا جان دراصل میرا اور روحہ کا کچھ گھومنے پھرنے کا پروگرام بن رہا ہے۔" کھانے کے اختتامی مراحل میں پہنچتے ہوئے شہریار نے ہنی مون پر جانے کا تذکرہ چھیڑ کر ایک جرات مندانہ قدم اٹھایا تھا۔ بات کرتے ہوئے شہریار ایک دو جگہ ہکلایا جس پر ساتھ بیٹھی روحہ نے بڑی بے دردی سے اس کے پیر کو اپنے پاؤں تلے کچلا وہ لب سی کر تشدد برداشت کر گیا۔

اس کی بات پر پہلے تو مرزا صاحب نے ازلی خطرناکی سے اسے گھورا، مگر وہ لاپروائی سے جما رہا۔ جیسے یہ انتہائی غیر معمولی بات ہو۔ مرزا صاحب ہنی مون کو سخت ناپسند کرتے تھے۔ انکے خیال میں شادی شدہ جوڑوں کو ان فضولیات میں وقت برباد کرنے کے بجائے حج وعمرہ کی طرف راغب ہونا چاہیے۔

"کہاں جانا چاہتے ہو۔" اچٹتی سی نظر خاموش لاتعلق سے بیٹھے جلال پر بھی ڈالی، جو کھانے میں پوری طرح محو تھا۔

"یہیں کہیں ناران کاغان، مری سوات۔" وہ **گھگھیایا**۔

"ہنہ" مرزا صاحب کے لمبے ہنکارے پر اس کا دل لرزہ۔

"کب جانے کا ارادہ ہے۔" مرزا صاحب بولے تو توقع کے بالکل برعکس۔ شہریار کا منہ کھلا رہ گیا۔ نہ کوئی سرزنش نہ ہی کوئی بے باکی پر لمبا چوڑا لیکچر۔

"جی بس جب آپ اجازت دیں۔" وہ ہکلا کر بولا۔ اسے تاحال اتنی فراخ دلی پر یقین نہیں آیا تھا۔

"ٹھیک ہے تم اپنی ٹکٹس کنفرم کرواؤ, تو ساتھ میں جلال اور لیزا کا پروگرام بھی ترتیب دے دینا۔" مرزا صاحب کی غیر متوقع بات پر چاول لیزا کے حلق میں پھنس گئے ۔شدید کھانسی کا دورہ پڑنے پر جلال نے فوراً اسے اپنا پانی کا گلاس تھمایا جسے اس نے فوراً لبوں سے لگالیا۔

"لیکن بابا جان !ہمارا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ آپ شہریار اور روحہ کا پروگرام خراب مت کریں۔ویسے بھی وہ اکیلے جانا چاہیں گے ۔ہمارا ان کے ساتھ کیا کام۔" لیزا کا غوطہ تھما تو جلال نے کہا۔

"یہ کوئی جواز نہیں ہے۔ الگ الگ جانا چاہتے ہو، تو بے شک چلے جاؤ۔ مگر میں ایک بات واضح طور پر بتا دوں، اگر چاہتے ہو شہریار جائے، تو تمہیں بھی جانا پڑے گا۔ بزنس کو میں خود دیکھ لوں گا۔ یہ ہی دن ہیں، گھومو پھرو خوش رہو۔" مرزا صاحب کی بات کے پسِ منظر میں جو دھمکی چھپی تھی اسے سمجھتے ہوئے وہ صبر کر کے وہاں سے اٹھ آیا۔ مگر رات کو لیزا کے سر چڑھ دوڑا۔

"سب کچھ تمہاری وجہ سے ہو رہا ہے۔ تم جو ہمہ وقت یہ بیچاری ابلہ ناری کا رول پلے کرتی رہتی ہو۔ سب اسی کا نتیجہ ہے تمہاری وجہ سے بابا جان کیسے بات بات پر دھمکی دینے

لگے ہیں۔"

"ہاں تو میں نے تھوڑی کہا ہے ان سے ایسا کرنے کو اور اتنی ہی تکلیف ہے میرے وجود سے تو ہاتھ پکڑ کر نکال باہر کریں، کونسی مجبوری آپ کو ستا رہی ہے۔" وہ تڑخ کر بولتی اسے چیلنج دے رہی تھی۔ ضبط سے جلال کی آنکھیں سرخ پڑ گئیں۔

"مرزا صاحب اور لیزا احسان دو ایسے انسان ہیں، جنہیں جھیلنا مری زندگی کی سب سے بڑی مجبوری ہے۔" وہ دانت پیس کر بولا تھا۔

"لیزا جلال۔" لیزا نے لفظوں کو خاصا چبا کر اس کی تصحیح کی، تو اس کے اس دوبدو قسم کے انداز پر جلال کا دماغ بری طرح سے گھوم گیا۔ قریب پڑا گلدستہ اٹھا کر زور سے زمین پر پٹخ کر اس نے اس نے غصے کا اظہار کیا۔

لیزا کی تو ٹانگیں ہی کانپنے لگیں اتنے غصے میں اسے پہلی بار دیکھ رہی تھی۔ غصہ جلال کی شخصیت کا خاصہ نہیں تھا۔ مگر پچھلے کچھ عرصے میں وہ گھر کے ماحول سے بری طرح متاثر ہو رہا تھا۔ اس لیے چڑچڑا سا ہو گیا تھا۔

"کسی دماغی ڈاکٹر سے اپنا علاج کروائیں۔" لیزا کو بھی اگلے پل خوب غصہ آیا اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس طرح بولی کہ وہ اس کے اس لہجے پر ہکا بکا رہ گیا۔

"یعنی کہ تم بدتمیز بھی ہو۔"

"آپ جیسوں کے لیے بہت زیادہ۔" لیزا نے نرمی اور ہمدردی کا چولہ پل میں اتار پھینکا۔

"یعنی تمہارے بارے میں میرے سارے اندازے درست تھے۔ یہ جو ساری

تہذیب بابا جان کو دکھاتی پھرتی ہو، سب جھوٹ ہے ڈرامہ ہے۔ اندر سے تو تم بڑی بد تہذیب ہو۔"

"ازلی قسم کی روایتی تہذیب کا جو مظاہرہ ابھی ابھی آپ کر چکے ہیں، اس کا مقابلہ تو بہر طور میں پھر بھی نہیں کر سکتی۔" لیزا کی آنکھیں زمین پر بکھرے کانچ کے ٹکڑوں کی طرف اشارہ کر رہی تھیں۔

"جھاڑو لگا دینا۔" وہ اسے چڑا کر بستر پر دراز ہو گیا۔

" مطلب کیا ہے آپ کی بات کا؟ میں آپ کو بھنگن نظر آتی ہوں، آپ نے مجھے سمجھ کیا رکھا ہے؟ نہیں مانتا بیوی مت مانیں۔ میں بھی آپ کو اپنے شوہر کے رتبے سے خارج کرتی ہوں۔" لیزا کے تو مانو سر پر لگی اور تلوؤں پر بجھی۔ آؤ دیکھا، نا تاؤ اپنا فیصلہ سنا ڈالا۔

"پہلے کون سا تمہارے دل کی سب سے اونچی چوٹی پر براجمان تھا۔" جلال نے کلس کر سوچا اور اس کی جانب سے رخ بدل گیا۔ آج کی رات لیزا نے صوفے پر گزاری تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

رات گئے وہ دونوں حویلی پہنچے تھے۔ فارس کے ساتھ مرحا کو دیکھ کر سب کے چہرے تن گئے مسوائے فارس کی اماں جان کے۔ وہ مرحا سے بہت نارمل طریقے سے ملی تھیں۔ حالانکہ مرحا کے انداز میں ایک کھنچاؤ سا در آیا تھا۔

فارس کی آمد کے اعزاز میں شاندار اور طرح طرح کے کھانوں سے سجا دستر خوان اماں بی کے کمرے میں ہی چن دیا گیا۔ فارس اپنی پلیٹ کے ساتھ ساتھ مرحا کی پلیٹ میں

بھی کھانا ڈالتا جا رہا تھا۔

"بس کرو، میرا اپنا گھر ہے۔ میں کسی قسم کا تکلف نہیں کرونگی۔" وہ اسے کیا جتانا چاہ رہی تھی، فارس کو کچھ سمجھ نہیں آیا تھا۔ مگر اس نے پھر مزید اس کی پلیٹ میں کچھ بھی نہیں ٹھونسا تھا۔ یہاں آمد پر انہیں پتا چلا تھا اماں بی کا کل صرف بی پی تھوڑا سا ہائی ہوا تھا۔ جو کہ اب بالکل نارمل ہے۔ مقصد صرف فارس کو کسی طرح وہاں بلانا تھا۔

کھانے سے فارغ ہوئے تھکن کا شکار فارس اپنے کمرے میں آرام کرنے کے لیے جانے لگا تو مرحا بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تم یہیں اماں جان کے پاس رات ٹھہر جاؤ۔ تمام راستے تم ان کے لیے کتنی فکر مند ہو رہی تھی۔ صبح ملاقات ہوگی۔ شب بخیر۔" مرحا کو کچھ بھی کہنے کا موقع دیئے بغیر وہ کمرے سے نکلتا چلا گیا۔

وہ پیچھے بری طرح تپ گئی، مگر اب وہ کیا کر سکتی تھی۔ مجبوراً رات کو وہیں قیام کرنا پڑا۔ مگر آدھی رات گزرتے ہی ساسوماں کے خراٹوں اور دل کی بے چینی نے اسے وہاں سے فرار ہونے پر مجبور کر دیا۔

وہ لمبی راہداری میں نکل آئی۔ حویلی اتنی بڑی تھی کہ اس کے ساتھ بھول بھلیاں تیری گلیاں والا حساب ہوا۔ فارس کا کمرہ کہاں پر تھا اسے کچھ اندازہ نہیں تھا۔ پیچھے مڑنے پر وہ اچانک کسی دراز قامت شخص سے ٹکرائی۔ زمین و آسمان ایک ہو گئے جب حالت زار سنبھلی تو سامنے دیکھا بڑی زیرک نگاہوں سے دیکھتا فارس کھڑا تھا۔

"تم ہمیشہ سے اندھے ہو یا بس تمہاری ساری واحیات قسم کی حسیات مجھے دیکھ کر ہی

بیدار ہوتی ہیں۔" وہ پہلے ہی تپی بیٹھی تھی سر تھام کر اس پر برسی۔

"تم کیوں بدروحوں کی طرح حویلی میں چک پھیریاں لے رہی ہو۔ آدھی رات کو بھی چین غارت کیا ہوا ہے میرا۔"

"اتنے ہی آرام میں تھے تو یہاں کون سا چلہ کاٹنے چلے آئے۔" مرحا کو شک گزرا کہیں وہ کوئی نئی قسم کی اسکیم تو پلان نہیں کر رہا تھا۔

"دیکھوں فارس خاقان! وکیل ہو گے تم۔ مگر تمہاری چالاکیوں اور مکاریوں کی ڈگری مجھ پر کارگر ثابت نہیں ہو گی۔ سچ سچ بتاؤ اتنے جابر و ظالم قسم کے گھر والوں کے رحم و کرم پر مجھے چھوڑ کر کراچی بھاگنے کا ارادہ تو نہیں ہے؟"

ایک تو ہری پور میں پڑتی ٹھنڈ نے اس کے ناک اور کان سرخ کر دیئے تھے، اوپر سے فارس کے خوفناک خاندان کے بارے میں سوچ کر کپکپی طاری ہو گئی تھی۔ وہ فارس کے بھروسے ان لوگوں میں آ تو گئی تھی، لیکن اب فارس پر سے بھی بھروسہ ڈگمگانے لگا تھا۔ ہاں بھروسہ اندر ہی اندر، کہیں اس کے دل میں فارس پر اب بھی موجود تھا جس وہ خود بھی بے خبر تھی۔

"تمہاری اس بچکانہ سوچ کا میرے پاس کوئی علاج نہیں ہے۔ خیر مجھے سخت نیند آ رہی ہے میں سونے جا رہا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ آگے بڑھا تو مرحا اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگی۔

"میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی۔"

"کدھر؟" وہ بولا۔

"تمہارے کمرے میں۔۔۔"

"مگر کیوں۔۔۔" ایک اور سوال۔

"تمہارے ساتھ سونے کے لیے۔" بولتے ہی مرحا کو احساس ہوا وہ کیا کہہ گئی ہے، تو فوراً آنکھیں میچ لیں۔

"کیوں تمہیں میرے بغیر نیند نہیں آتی؟" وہ برجستہ بولا۔ ویسے بھی اتنا شاندار موقع ہاتھ آیا تھا وہ کیسے اسکے جملے کی پکڑ نہ کرتا۔

"خوش فہمی ہے تمہاری۔" گفتگو کے دوران وہ کمرے میں پہنچ چکے تھے۔ مرحا سردی کی شدت سے ہلکا ہلکا ٹھٹھر رہی تھی جبکہ فارس پر ٹھنڈ کا کوئی اثر ہوتا دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

"قریب آ جاؤ۔ سردی کم کر دوں تمہاری۔" اسکا ہاتھ پکڑ کر اپنے قریب کھینچتے ہوئے فارس نے ہلکی سی شرارت کی تھی۔ سرد پڑے مرحا کے گال اس کے لفظوں کی حدت سے دہکنے لگے۔

"بکواس بند کرو۔" وہ تڑپ کر اس کی قید سے آزاد ہوئی۔ فارس نے بڑی جانچتی نظروں سے اسے دیکھا۔

"ویسے مرحا یقین نہیں آتا، جس انسان کی محبت میں کبھی تم پاگل تھیں، آج اس سے نفرت کا دعوی کرتی ہو۔" صوفے پر دراز ہوتی مرحا کو اس کی بات پر کرنٹ لگا۔

"اسے کیسے پتا؟" دماغ میں سائرن سے بجنے لگے۔ وہ اپنی طرف سے فارس سے اپنے دل کا یہ راز پوری طرح چھپائے ہوئے تھی، کہ کبھی اس نے فارس کو چاہا تھا۔ مگر وہاں تو نجانے کب کا بھانڈہ پھوٹ چکا تھا۔

مرحا نے ایک چورسی نظر اس پر ڈالی جو بستر پر چت لیٹا ہوا تھا۔ پھر سختی کے خول میں سمٹ آئی۔

"میں صرف دعوی نہیں کرتی میں واقعی تم سے نفرت کرتی ہوں۔ میں نے تم سے محبت نہیں کی تھی۔ تم صرف میرا کرش تھے اور آج کل کے زمانے میں شادی سے پہلے لڑکیوں کے ڈھائی سو کرش ہوتے ہیں۔ اور تم پر کرش بھی اس لیے تھا کیونکہ میں تمہاری ظاہری شخصیت سے متاثر ہو گئی تھی۔ تمہاری ظاہری خوبیاں تمہاری اندر کی غلاظت کو پوری طرح ڈھک دیتی ہیں۔" آج مرحا کے لفظوں میں غصہ، نفرت نہیں بلکہ کوئی اور ہی جذبہ بول رہا تھا۔ پچھتاوہ، افسردگی، رنج۔

"اور تمہاری نظر میں میری وہ ظاہری خوبیاں کیا تھیں؟" فارس طویل گفتگو کے موڈ میں لگ رہا تھا۔ مرحا کو بھی نیند نہیں آرہی تھی۔(ماضی کے اس تلخ ذکر کے چھڑ جانے کے بعد خصوصاً)

"میں نے تمہیں پہلی بار نیوز چینل پر بڑی منفرد سی خبر کے ساتھ دیکھا تھا اپنے ہی باپ کے حریفوں کے ساتھ مل کر تم نے انہیں حق کی بنیاد پر کیس جتوایا۔ انصاف کی شروعات اپنے گھر سے کرنے والے چند چیدہ اور انوکھے انسانوں میں سے لگے تھے تم۔ اپنے گھر والوں کے خلاف جنگ لڑنا کتنا مشکل ہوتا ہے، میں اچھی طرح جانتی ہوں۔ ایسی ایک جنگ میں بھی لڑ چکی ہوں۔ انتہائی افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے، تمہاری خاطر میں نے اپنی زندگی کا پہلا مقدمہ لڑا تھا۔ جس کی جیت کا مجھے افسوس ہے۔ وہ واقعی گہرے دکھ میں گھری کہہ رہی تھی۔

جیسے تم ایک انصاف پسند سلجھے ہوئے معزز شخص لگے۔ مجھے لگا تم جیسے لوگ ہی ہماری قوم کا قیمتی اثاثہ ہیں۔ کچھ تم باتوں کی چکاچوند میں ایسا گھماتے ہو لوگوں کو، کہ ان کی نظریں تمہاری اچھائی دیکھ کر چندھیا جاتی ہیں۔ اندر کا دوغلہ پن کوئی دیکھ ہی نہیں پاتا۔ بس کچھ ایسے ہی میں بھی تمہارے عشق میں اندھی ہو گئی تھی۔" وہ روانی میں کیا کہہ گئی اسے اندازہ ہی نہیں ہوا تھا۔

اپنی اچھائیاں اور برائیاں ایک ساتھ سن کر حفظ کرتے فارس کے دل پر اس کی بات چبھی تھی۔ دل زور سے دھڑکا اور جھلستی ہوئی روح کو ٹھنڈک اور قرار ملا۔ لب یکدم مسکرانے پر مجبور ہو گئے تو اس کا اندازہ مرحا کے بارے میں سو فیصد درست تھا۔ وہ اس سے شروع دن سے محبت کرتی تھی اور محبت کوئی من مرضی میں ڈھلنے والا جذبہ نہیں کہ حالات دیکھ کر رخ موڑ لیا جائے۔ ہاں البتہ سرد مہری، بدگمانی اور بے حسی کی گہری تہہ اس کے دل پر جمی ہوئی تھی۔

اس کے دل پر چھائی کثافت فارس چاہ کر بھی دور نہیں کر پا رہا تھا۔ اس کے پاس اپنی صفائی میں کہنے کے لیے کوئی لفظ کوئی وضاحت نہیں تھی۔

وہ اسے دیکھنا نہیں چاہ رہا تھا مگر ہر ہر آنکھ مرحا کی طرف پلٹ رہی تھی اور وہ تھی کہ پرسوچ سی چھت کو گھورے جا رہی تھی۔

"تم ہینڈسم تھے، شہرت یافتہ، پڑھے لکھے، امیر اور سب سے بڑھ کر میری دانست میں ایک منفرد شخص، جو کسی بھی قیمت پر سچ کا ساتھ دینے سے نہیں کتراتا تھا۔ جس کے لہجے میں اپنی ذات پر یقین تھا۔ مگر یہ میں بعد میں جان سکی کہ تم سب بس اپنا ہی الوّ سیدھا

کرنا جانتے ہو۔ پبلسٹی حاصل کرنے کے لیے ہر جگہ سچ کی نعرے بازی کر کے وقت پڑنے پر تمہید، صفائیاں اور معذرت سے کام چلا لیتے ہو۔"

مرحا کے دماغ میں ماضی کسی فلم کی طرح چلنے لگا تھا۔ وہ آدھی رات تک جاگ کر ریپیٹ میں دو دو دفعہ اس کا شو دیکھا کرتی تھی۔ اب اسے ان جھوٹی مبالغہ آرائیوں کے لیے اپنا ارزاں، خلوص، پچھتاوے کے جھولے میں جھولتا دیکھائی دے رہا تھا۔

"بندہ ناچیز کو اس کی اتنی ساری خوبیاں اور خامیاں ساتھ ساتھ گنوانے کا بے حد شکریہ۔ لیکن میرے کچھ سوالات ہیں۔ جن کا اگر تم جواب دے دو تو میری زندگی اور ذات دونوں پر احسان عظیم ہو گا۔" وہ بیڈ پر اٹھ بیٹھا تھا۔ مرحا نے بھی اسی وقت اس کی جانب کروٹ لی۔ دونوں کی نظریں ایک دوسرے سے ٹکرا گئیں۔

"جب تم مجھے ہر لحاظ سے اتنا ہی پرفیکٹ سمجھتی تھیں، پھر یکایک تمہاری سوچ میں بدلاؤ کیسے رونما ہوا۔ تمہارا اعتماد مجھ پر اتنا ہی کچا تھا کہ لوگوں کی باتیں سن کر ہی ڈگمگا گیا۔ کسی اور کے گناہوں کی سزا تم مجھے کیوں دے رہی ہو۔ مجرم نہ ہوتے ہوئے بھی ہر قسم کا فردِ جرم مجھ پر ہی کیوں عائد کیے جا رہی ہو۔"

"کیونکہ تم نے اصل مجرم کو قانون کی گرفت سے آزد کروایا۔ گناہ گار کو اس کے عبرت ناک انجام تک پہنچنے سے بچانے والے تم تھے۔ تم نے وقت پڑنے پر انصاف کا گلہ گھونٹ کر اپنے مفاد کو آگے رکھا۔ سارا سچ جان لینے کے بعد بھی تم نے میرے خلاف کیس لڑا۔ صرف اسی لیے کیونکہ مجرم تمہارا سگا بھائی تھا۔ تمہارا یہ عمل ناقابلِ معافی ہے۔" سائیں سائیں کرتے کمرے میں وہ درد کی شدت سے یہ کہتے ہوئے چیخ پڑی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

مرحا کے تعلقات زیادہ تو نہیں مگر کچھ حد تک فارس کے ساتھ استوار ہو چکے تھے۔
وہ کوئی بھی نیا پروگرام دیکھ کر اسے میسجز پر اپنی رائے کے بارے میں آگاہ کرتی تھی۔
جسے وہ پوری توجہ سے سن کر تفصیلی جواب دیتا۔ جیسے اس کے سوا اور کوئی ضروری کام دنیا میں نہیں۔

ان دنوں مرحا کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ ثانیہ کو فارس خاقان پر پوری طرح یقین نہیں تھا۔ وہ وقتاً فوقتاً مرحا کو ٹوکتی رہتی تھی کہ کہیں وہ دھوکا نہ کھا بیٹھے یا اس کا دل نہ ٹوٹ جائے۔

"یہ تمہارے عشق وشق کی فلاسفی مجھے تو بالکل سمجھ نہیں آتی۔"

"کسی شخص سے متاثر ہو جانا کیا عشق کے زمرے میں آتا ہے۔" ایسے میں روز ثانیہ نے اسے خوابوں کی دنیا میں رہنے سے بعض آنے کو کہا۔ جسکے جواب میں فارس کے خیالوں میں کھوئی ہوئی بولی۔

"عشق ایک ایسی کیفیت ہے، جو بے آواز ہی دل کے نہاخانوں میں پیدا ہو جاتی ہے۔ بنا آہٹ، بغیر کسی دستک یا اطلاع کے۔ پتا نہیں فارس کی کونسی خوبی ہے، جس نے اسکے لیے میرے دل کے کواڑ کھول دیئے، لیکن ایک بات صاف ہے۔ وہ اپنی ساری خوبیوں سمیت میرے دل میں راج کرتا ہے۔"

اس کی بات پر ثانیہ سر تھام کر رہ گئی۔ ابھی تک مرحا اور فارس نے براہ راست کوئی ملاقات نہیں کی تھی مگر ان میں اچھی خاصی دوستی کا آغاز ہو چکا تھا۔

ایک رات یونہی مرحا اور ثانیہ اپنے مشترکہ کمرے میں سو رہی تھیں جب آدھی رات کو مرحا کے موبائل کی بیپ ہوئی مرحا نے مندی مندی آنکھوں سے تکیے کے پیچھے سے موبائل برآمد کرتے ہوئے اسکرین کو دیکھا۔ فارس کالنگ روشنیوں میں اس کا نام جگمگا تا دیکھ کر وہ پوری طرح سے ہوش میں آئی اور بستر سے سیدھا اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

"ہیلو!" فوراً ہی فون کان سے لگایا تھا۔ ایک نظر گھڑی پر ڈالی جہاں رات کا ایک بج رہا تھا۔ مرحا کے دل میں تفکر کی لہریں اٹھ رہی تھیں۔ اس وقت اس نے کال کیوں کی تھی۔

"السلام و علیکم کیسی ہیں۔" ابتدائی رسمی گفتگو کا آغاز ہوا۔

"و علیکم السلام۔ میں ٹھیک ہوں۔ مگر خیریت؟ اس وقت کال کی آپ نے؟"

"مرحا مجھے تمہاری مدد کی بہت ضرورت ہے۔ کیا تم میری مدد کر سکتی ہو۔" فارس کی پریشان کن آواز ایئر پیس میں ابھری۔ مرحا نے اس سے پوچھا ضرور تھا، مگر یہ بات یقینی تھی وہ جس بھی سلسلے میں مدد طلب کرتا وہ اسے انکار کرنے والی نہیں تھی۔ چاہے اس سلسلے میں اسے بڑے سے بڑا محاذ کیوں نہ لڑنا پڑے اس نے ٹھان لیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

ثانیہ، مرحا اور احسان صاحب اس وقت فارس کے گھر کے باہر کھڑے ڈور بیل بجا رہے تھے۔ فارس کے بڑے بھائی وارث خاقان کو گولی لگی تھی۔ شہر میں دو دن سے ڈاکٹروں نے ہڑتال کر رکھی تھی۔ دوسرا اس وقت دشمن ان کی گھات لگا کے بیٹھا تھا۔ فارس کو اس وقت کسی ایسے شخص، ایسے ڈاکٹر کی ضرورت تھی جو میڈیا سے ان کا یہ راز

چھپائے۔

اسے شدید پریشانی کے عالم میں اسے مرحا کا خیال آیا تھا۔ ایک دفعہ باتوں میں اس نے ذکر کیا تھا کہ اس کی بہن شہر کی ماہر ڈاکٹر ہے۔ وارث خاقان کا خون کسی طور رکنے میں نہیں آ رہا تھا۔ اس کی ٹانگ اور بازو پر بھی دو جگہ گولی لگی تھی۔ بحالتِ مجبوری اس نے مرحا سے درخواست کی تھی۔ مرحا کسی صورت اسے منع نہیں کر سکی تھی۔ اس کی بات سنتے ہی اس نے ثانیہ کو گہری نیند سے جگا دیا۔

"کیا کہا؟ دماغ ٹھیک ہے؟ پاگل تو نہیں ہو گئی تم۔" مرحا کی ڈیمانڈ سنتے ہی ثانیہ کا پارہ ہائی ہوا تھا۔

"پلیز ثانیہ! منع مت کرو۔ فارس نے بڑی التجا کی ہے اور ایسے وقت میں اگر میں نے اسے انکار کر دیا تو وہ کیا سوچے گا۔"

"لیکن مرحا، یہ سراسر پولیس کیس ہے۔ ایکسیڈنٹ ہوا ہوتا تب بھی بات سمجھ میں آتی لیکن فارس کے بھائی کو گولی لگی ہے۔ اسی بات سے اندازہ کرو کتنے خطرناک لوگ ہیں یہ۔ میں اس سارے مسئلے میں نہیں پھنسنا چاہتی۔" ثانیہ نے فوراً ہی انکار کر دیا تھا۔

"ہماری حفاظت کی فارس نے پوری گارنٹی لی ہے۔ اس نے اپنے گارڈز اور گاڑی بھجوائی ہے ہمیں لینے کے لیے۔ ثانیہ کسی مرتے ہوئے انسان کی زندگی بچانا ہی تو تمہاری ڈیوٹی ہے۔" مرحا کے انکشافات پر ثانیہ بوکھلا گئی۔

"مرحا کس سے پوچھ کر تم نے فارس کو گاڑی بھجوانے کی اجازت دی؟ ابا کو پتا چلا تو وہ بھی نہیں مانیں گے۔ اس کی محبت میں تم اتنی اندھی مت بنو کے اپنی حدود و قیود ہی بھول

جاؤ۔"

"ثانیہ دیکھو تم ڈاکٹر اپنی ڈگری وصولتے ہوئے عہد لیتے ہو نا؟ کہ کسی بھی صورت میں کسی بھی حال میں انسانوں کی جان بچاؤ گے۔ کسی مجبوری کو بنیاد بنا کر اپنے پیشے سے دغا نہیں کرو گے۔ ہمیشہ لوگوں کے کام آؤ گے۔" مرحا اسے کنوینس کر رہی تھی۔

ثانیہ کچھ نرم پڑی۔ لیکن میں ابا کی اجازت کے بغیر یہاں سے ایک انچ بھی نہیں ہلوں گی۔ بلآخر ثانیہ نے اپنی مشروط سی رضامندی دے دی۔ بحث کا زیادہ وقت تو تھا نہیں اس لیے کسی بھی طرح فارس کے ڈرائیور کے پہنچنے سے پہلے اسے احسان صاحب کو ساتھ چلنے پر راضی کرنا تھا۔ چناچہ اگلے پانچ منٹ میں وہ ان کے کمرے میں بیٹھی ان کو قائل کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"مرحا میں کسی صورت بھی تمہاری جان پر اتنا بڑا رسک نہیں لے سکتا۔ ان جیسے لوگوں کے سو طرح کے دشمن ہوتے ہیں۔ آئیڈیلائز کرنے کی حد تک بات سمجھ میں آتی ہے۔ مگر فارس خاقان سے تمہارا کوئی بھی تعلق خطرے کی علامت ہے۔ یہ جاگیر دار لوگ بڑے جابر اور سخت قسم کے ہوتے ہیں۔ ان کی سو قسم کی دشمنیاں ہوتی ہیں۔ میں نہیں چاہتا ان کی وجہ سے تم کسی بھی قسم کے مسائل کا شکار ہو۔ تم سمجھ رہی ہو نا۔"

احسان صاحب کو اپنی بیٹیوں پر پورا بھروسہ تھا۔ اس لیے انہوں نے ان دونوں کو ہر قسم کی جائز آزادی دے رکھی تھی۔ مگر کچھ موضوع ایسے تھے جن پر ابھی انہیں وہ نادان سمجھتے تھے

"۔ آپ کی سب باتیں ٹھیک ہیں لیکن بابا! ہم کسی کو کس طرح اپنی بزدلی کا شکار

ہو کر مرنے دے سکتے ہیں۔" مرحا نے دبا دبا سا احتجاج کیا۔

"یہ بزدلی نہیں سمجھداری ہے۔ بہادری اور کم عقلی میں بڑا فرق ہوتا ہے۔" وہ اپنے موقف سے ایک انچ بھی پیچھے ہٹنے کو تیار نہیں تھے۔ مرحا روہانسی ہو گئی۔

"بابا میں بحیثیت ایک ڈاکٹر شاید ساری عمر پچھتاوے کا شکار رہوں گی کہ ایک انسان کی زندگی بچا سکتی تھی لیکن میں نے ایسی کوئی کوشش کی ہی نہیں۔ پلیز آپ مان جائیں جو باتیں آپ نے کہی ہیں وہ میں بھی مرحا سے کہہ چکی ہوں مگر سچ تو یہ ہے اگر مرحا نا بھی اصرار کرتی تب بھی میں ایک بے بس، لاچار، زندگی سے مرتے ہوئے شخص کی مدد ضرور کرتی۔ اس لیے مرحا کو الزام مت دیں۔ آپ کی باقی باتوں پر میں بھی متفق ہوں۔ میں مرحا کو سمجھا دوں گی، لیکن اس وقت آپ مان جائیں پلیز۔"

ثانیہ نے بھی گزارش کی۔ اسی وقت گھر کے باہر گاڑی کا ہارن بجتا سنائی دیا تو احسان صاحب بھی ہمدردانہ طبیعت سے مجبور ہو کر مان گئے۔

نتیجے کے طور پر وہ فارس کے گھر پہنچ گئے تھے۔ تمام ضروری چیزیں فارس نے منگوا لیں تھیں۔ کچھ سامان بحیثیت ڈاکٹر مریض کی غائبانہ حالت کے پیشِ نظر ثانیہ بھی اپنے ساتھ لائی تھی۔ وہ گیسٹ روم میں داخل ہوئی تو مریض خون میں لت پت بستر پر پڑا ہوا تھا۔

ثانیہ اس کی شکل دیکھ کر چونک گئی یہ فارس کا بھائی ہے۔ ثانیہ کا دل زور سے دھڑکا ۔وارث پر اس وقت مردنی چھائی ہوئی تھی۔ وہ پوری طرح ہوش وخرد سے بیگانہ تھا۔

اس کے پاس زیادہ سوچنے کا وقت نہیں تھا وہ کانپتے ہاتھوں کے ساتھ فوراً ہی اپنے فرائض کی انجام دہی میں لگ گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

شہریار نے نادرن ایئریاز جانے کا پروگرام روحہ کے ساتھ مل کر ترتیب دیا۔ مگر روحہ کا موڈ کچھ خوشگوار نہیں تھا۔

"ہنی مون دو لوگوں کے لیے ہوتا ہے۔ اس میں باقی لوگوں کو ساتھ لے جانے کی گنجائش نہیں ہوتی۔" لیزا اور جلال کا اسے اپنے ساتھ جانا خاص پسند نہیں آیا تھا۔

"وہ باقی گھر والے نہیں ہیں روحہ۔ ہنی مون جوڑوں کے لیے ہوتا ہے۔ جس طرح ہم دونوں زندگی کے کچھ پلوں کو یادگار بنانے جارہے ہیں، اسی طرح وہ بھی ایک دوسرے کے ساتھ جارہے ہیں ہمارے ساتھ نہیں۔"

"اور اچھا ہے، ایک ہی جگہ جارہے ہیں۔ زیادہ مزا آئیگا بھائی کی ٹانگ کھینچنے کا۔ مجھے بچپن سے شوق رہا ہے مگر کبھی موقع نہیں ملا۔"

"وہ دونوں گھر میں تو ایک دوسرے کے ساتھ تنہا ہوتے ہیں، پھر آخر انہیں جانے کی بھی کیا ضرورت ہے۔ جلال بھائی نے منع بھی کر دیا تھا لیکن انکل کو لیزا پر ترس آگیا شاید۔ وہ بھی ہم دونوں کو خوش دیکھ کر حیرت میں مبتلا ہوتی ہوگی۔" وہ خاصے تنفر سے بولی تھی۔

اس کی اور شہریار کی لو میرج تھی جبکہ جلال اور لیزا کی غیر متوقع ہنگامی صورتحال میں ہوئی شادی کے بارے میں جاننے اور پھر جلال کے اکھڑے اکھڑے رویے کو دیکھنے کے بعد روحہ عجیب سے احساسِ برتری کا شکار ہوگئی تھی۔ گھر میں ہر موقع پر وہ خود کو من چاہا تصور کرتے ہوئے زیادہ اہم گردانتی اور لیزا کو بالکل غیر اہم سمجھنے لگی تھی۔

"یہ تم کس قسم کی باتیں کر رہی ہو روحہ۔ تمہیں کوئی حق نہیں بھائی اور بھابھی کی ذاتی زندگی میں کسی بھی قسم کا دخل دینے کا۔ حتی کہ کوئی رائے دینا بھی نہیں بنتا۔ وہ ہم سے بڑے ہیں، ہمیں بس ان کا ادب کرنا آنا چاہیے۔" شہریار کو اس کی بات سخت بری لگی تھی۔ اس لیے سنجیدگی سے کہہ کر رخ بدل کر سو گیا۔ رات کا وقت تھا روحہ بھی برا سا منہ بنا کر کروٹ بدل کر سو گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

جلال جانا نہیں چاہتا تھا لیکن بحالت مجبوری اسے جانا پڑ رہا تھا۔ نا جانے کی صورت میں مرزا صاحب کے بھڑک اٹھنے کا خدشہ تھا اور وہ شہریار کی زندگی کے رنگوں میں بھنگ نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔ یوں بھی گھر میں بھی تو پورا وقت وہ لیزا کو برداشت کر ہی رہا تھا۔ سوچا کچھ دن باہر بھی کر لے گا۔

وہ سو کر اٹھتا تو وہ شیشے کے سامنے کھڑی کبھی تازہ تازہ دھلے بال سنوار رہی ہوتی تھی، تو کبھی کمرے کی تتر بتر حالت درست کرتی نظر آتی۔ سنڈے کا منظر تو اسے حفظ ہو چکا تھا۔ وہ سنڈے کو دیر سے جاگتا اور لیزا ہمیشہ اس وقت میگزین پڑھتی چائے سے لطف اندوز ہو رہی ہوتی۔

لیزا چائے کی بہت زیادہ شوقین تھی۔ اس کی دیکھا دیکھی جلال بھی وقت بے وقت چائے پینے کا عادی ہوتا جا رہا تھا۔ وہ جب بھی اپنے لیے چائے یا جوس وغیرہ بناتی، اس کے لیے بھی بنا کر لے آتی۔ اس کا موڈ اچھا ہوتا تو وہ بشاشت سے پی لیا کرتا، وگرنہ ہاتھ بھی نہ لگاتا۔ آج بھی وہ سو کر اٹھا تو نگاہیں لیزا کی تلاش میں ادھر اُدھر بھٹکنا شروع ہو گئیں۔ مگر

کمرہ خالی اور بے رونق تھا۔ وہ آنکھیں مسلتا اٹھ بیٹھا نظر فل سائز المونیم کی کھڑکی کے پار تیز ہوتی بارش میں پوری طرح بھیگتی لیزا سے جا ٹکرائی۔

وہ بالکل بچوں جیسی خوشی سے بارش میں بانہیں پھیلائے گول گول گھوم رہی تھی۔ بارش کی تیز بوندیں اس کے پورے وجود کو بھگو رہی تھیں۔ لان میں نیچے جمع ہوئے پانی میں وہ اچھلتی اور پھر گدلے پانی سے اڑتی چھینٹوں پر ہنستی اس کی اس مستی میں ایمان اور شہریار بھی شریک ہو گئے۔

جلال کو بارش میں بھیگنا بالکل پسند نہیں تھا مگر آج لیزا ایسا کرتی اسے بالکل بھی بُری نہیں لگ رہی تھی۔ بے اختیار ہی جلال کا دل چاہا وہ بھی کھلے آسمان کی اس مہربانی تلے بھیگ کر اپنے اندر جلتی آگ بجھا ڈالے۔ مگر وہ صرف ایسا سوچ ہی سکتا تھا۔ لیزا کے اس بے پرواہ انداز پر جلال کو جیلسی سی ہونے لگی۔ وہ زندگی کی سنگین کشمکش میں کھو کر ہنسنا بھول گیا تھا۔ مگر لیزا قہقہوں پر قہقہے بکھیر رہی تھی۔ اس چیز نے جلال کو تاؤ دلا دیا۔

بے اختیار ہی نرم گرم جذبات خواہ مخواہ کے طاری کیے گئے، غصے میں بدل گئے۔

"آج اس گھر میں کوئی ناشتہ دے گا یا نہیں۔" وہ اپنی عادت کے بر خلاف فریش ہو کر کمرے سے نکلتے ہی ناشتے کے لیے شور مچانے لگا۔ جبکہ روزانہ تو وہ تیار ہونے کے کافی دیر بعد ناشتہ کیا کرتا تھا اور پھر آج تو وہ ابھی آفس کے لیے تیار بھی نہیں ہوا تھا۔

بارش کے شور میں لیزا تک اس کی آواز نہیں پہنچی تھی جبکہ لاؤنج کے دروازے کے قریب شیڈ کے نیچے کھڑی روحہ نے بخوبی سن لیا تھا، مگر لیزا کو متوجہ کرنے کی زحمت نہیں کی تھی۔ جلال کے لیے ناشتہ بنانے کی ذمے داری اسی کی تھی جلال کو بھی ملازموں کے ہاتھ کا

پکا کھانا پسند نہیں تھا۔ پہلے اس کے لیے ساجدہ بیگم کھانا بناتیں جبکہ اب یہ کام لیزا کے ذمے تھا۔ اور اس کے ہاتھ کے ذائقے سے متعارف ہونے کے بعد تو جلال کو اب کسی اور کے ہاتھ کا پکا پسند ہی نہیں آتا تھا۔

"امی آپ کی بہو کو اگر کھیل کود سے فرصت مل جائے، تو اسے کہیے گا میرے لیے ناشتہ بنا دے۔ کب سے آوازیں دے رہا ہوں مگر اثر ندارد۔" جلال نے جلن میں شدید بچکانہ حرکت کی تھی۔ ساجدہ بیگم جو ابھی ہی وہاں آئیں تھیں بیٹے کی دہائی پر طیش میں آ کر لان میں دھاوا بولنے چل دیں۔

"یہ کیا حرکتیں شروع کر رکھی ہیں تم لوگوں نے۔ اتنے بڑے ہو گئے مگر بچکانہ شوق ختم نہ ہوئے۔ ایمان تم نے کالج سے چھٹی ٹیسٹ کے لیے کی تھی نا۔ یہاں کون سے فارمولے سیکھے جا رہے ہیں اور شہریار، مرزا صاحب اندر تمہیں یاد فرما رہے ہیں۔" اپنے بچوں کی طبیعت جھاڑنے کے بعد ان کا رخ لیزا کی طرف ہوا، جو ان کی آمد کے بعد فوراً سیریس اور مؤدب سی ہو گئی تھی۔

"لیزا تمہارا شوہر اندر کب سے تمہارا منتظر ناشتے کی آس لیے بیٹھا ہے۔ پر تمہیں اپنے ہی شغل سے فرصت نہیں ہے۔ میرے بیٹے کا خیال نہیں رکھ سکتیں تو کہہ دو۔ میں اپنے بچے کو سنبھال سکتی ہوں۔"

یہ ہلکی پھلکی جھاڑ نہیں تھی۔ ذاتی عناد کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ اس لیے لیزا کا دل بجھ سا گیا اور بے عزتی کے احساس سے آنکھیں بھر آئی تھیں۔ مگر وہ بنا کچھ کہے کچن کی جانب بڑھ گئی۔ شہریار اور ایمان پہلے ہی وہاں سے غائب ہو چکے تھے۔

"کوئی ادا گھر بسانے والی لگتی ہی نہیں، پتا نہیں مرزا صاحب نے کون سا تحفہ ہمارے سروں پر لا کر مسلط کر دیا ہے۔" پیچھے نفرت اور بے رحمی سے کی گئی انکی بڑبڑاہٹ، لیزا نے سن لی تھی۔ دل خون کے آنسو رونے لگا۔ جلال ہی اگر اس کے ساتھ نہیں رہنا چاہتا تو بھلا اس میں اس کا کیا قصور تھا۔

اپنی جانب سے تو لیزا نے ہر ممکن کوشش کر دکھائی تھی۔ وہ تو خود بھی جلال سے علیحدگی نہیں چاہتی تھی، مگر اس اس کی اندرونی کیفیت سمجھنے والا یہاں کوئی بھی نہیں تھا۔

ناشتہ بنا کر وہ خراماں خراماں قدموں سے چلتی ہوئی جلال تک آئی ٹرے میز پر رکھا اور وہاں سے چلی گئی۔ چہرے پر کھلی آزردگی جلال نے بخوبی نوٹس کی تھی۔ لگتا ہے امی نے کچھ زیادہ ہی کہہ دیا۔ اس سوچ پر جلال کو پچھتاوا سا ہوا۔ وقتی طور پر آیا غصہ نکل چکا تھا۔

اس لیے اپنی حرکت پر شرمندگی ہونے لگی تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ کمرے میں آیا، تو لیزا زمین پر بیٹھی روتی ہوئی دکھائی دی اس نے ہنوز گیلا لباس تبدیل نہیں کیا تھا۔

لیزا نے اسے دیکھتے ہی گالوں پر بہتے آنسو رگڑ ڈالے وہ اس کے سامنے کبھی رونا نہیں چاہتی تھی۔ جو اس کے آنسوؤں کا تماشا دیکھنا چاہتا تھا۔ اس لیے اٹھ کر واش روم میں گھس گئی۔

اب جلال کو سمجھ نہیں آ رہا تھا وہ لیزا سے کیا کہے۔ آیا معافی مانگے یا نہیں۔ اور اگر معافی مانگے تو کیا کہے۔ کیوں کہ اس کی حرکت اس کے معیار سے گری ہوئی تھی۔

گھر والوں کے طنز اور زیادتی کا نشانہ بنتے وہ اسے پہلے ہی دیکھ چکا تھا غرض تب بھی یہ بات اسے اچھی نہیں لگی تھی۔ لیکن وہ اس کے حق میں بولا بھی نہیں تھا۔ وہ اگر کچھ بھی

کہتا تو سب اسی کے گرد ہو جاتے کیونکہ اس ناروا سلوک کی بنیاد اسی نے ڈالی تھی۔ اور آج تو حد ہی ہو گئی تھی۔

آخر لیزا کا بھی اس میں کیا قصور تھا اس کے ساتھ بھی جلال کی طرح زبردستی ہوئی تھی۔ اس کے باوجود وہ سب کا الٹا سیدھا سلوک برداشت کر رہی تھی اور جلال ہمدردیاں بٹورتا پھر رہا تھا۔ وہ پہلی بار اس کے حق میں سوچنے لگا، اسے اپنا آپ بڑا غیر منصفانہ لگا تھا۔

لیزا کا صرف اتنا قصور تھا کہ وہ جلال سے محبت نہیں کرتی تھی۔ وہ اس کو اسی قصور کی سزا بغیر سوچ سمجھے دیئے جا رہا تھا۔ ہنگامی طور پر اپنی زندگی میں شامل ہونے والے کسی بھی شخص سے کوئی کیسے محبت کر سکتا تھا۔ کیا وہ یوں اچانک لیزا کی محبت میں گرفتار ہو سکتا تھا۔ اس نے اپنے آپ سے سوال کیا۔ بہت سے جواب دماغ میں گڈ مڈ ہونے لگے تھے وہ گھبرا کر گھر سے ہی نکل آیا۔

اس نے آفس جانے کا ارادہ بھی منسوخ کر دیا تھا۔ وہ ساحلِ سمندر پر چلا آیا مگر سمندر کی لہروں کے شور میں بھی اس کی سوچوں کی آہ و بکا دب نہیں سکی تھی۔ وہ ایک پتھر سے پست ٹکا کر وہیں ریت پر بیٹھ گیا۔ بارش کافی دیر کی تھم چکی تھی۔

لیزا میں ایسی کون سی بُرائی ہے جس کی بنیاد پر وہ اسے مسترد کر سکتا تھا۔ اسے اس بارے میں زیادہ سوچنے کی ضرورت نہیں پڑی تھی۔ وہ پڑھی لکھی، خوبصورت، سادہ مزاج اور پر خلوص تھی۔ اس میں کوئی ایسی بڑی خامی نہیں تھی جسے وہ نشانہ بنا سکتا تھا۔ وہ اگر اسے چاہتی نہیں تھی تو اس میں اس کی کوئی غلطی نہیں تھی۔

وہ جلال کے کہنے پر بھی اس کی زندگی سے نہیں گئی تھی۔ یہ بھی اس کی مجبوری

تھی۔ ورنہ اتنی ہتک، اتنی بے رخی اور ذلت وہ کیوں برداشت کرتی۔ وہ جذبات کے دائرے سے باہر نکل کر سوچ رہا تھا۔ تو اسے کہیں بھی لیزا کی غلطی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ اس لیے اس بارے میں آرام و سکون اور تحمل سے اس نے لیزا سے بات کرنے کے بارے میں سوچا اور ناردن ایریاز سے اچھی جگہ اس معاملے کو ڈسکس کرنے کے لیے اور کیا ہو سکتی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

پیشنٹ خطرے سے باہر ہے۔ پوری رات کی محنت مشقت کے بعد ثانیہ نے خوشخبری دی تو وہاں موجود رات بھر جاگتے ہوئے متفکر تینوں افراد کے چہروں پر مسرت کے جذبات ابھرے۔ تھینک گاڈ فارس کے سر سے جیسے منوں بوجھ ٹلا تھا۔

لیکن پیشنٹ کو ابھی مکمل بیڈ ریسٹ کی ضرورت ہے۔ آپ ان کا بہت خیال رکھیے گا اور جو دوائیں میں نے لکھ کر دی ہیں وہ پراپر ٹائم پر دیتے رہیں۔ اگر درد زیادہ ہو تو کسی اچھے ڈاکٹر کو دکھا سکتے ہی۔ اپنے پیشہ وارانہ انداز میں ثانیہ نے فارس کو ہدایات دیں۔ تب ہی احسان صاحب اٹھ کر کھڑے ہو گئے اور مرحا نے ان کی تقلید کی۔

"فارس میاں اب ہمیں اجازت دیجئے۔ ہم چلتے ہیں۔" انہوں نے اجازت چاہی، پوری رات ہی وہاں گزر گئی تھی۔ اب وہ مزید وہاں رکنا نہیں چاہتے تھے۔

"آپ سب کا بہت بہت شکریہ۔ مجھے بہت خوشی ہو گی اگر کبھی زندگی کے کسی موڑ پر میں آپ لوگوں کے کام آسکوں۔" اس نے مشکور ہو کر کہتے ہوئے کن اکھیوں سے مرحا کو دیکھا جس کی آنکھیں مسلسل جاگنے سے خمار آلود ہو چکی تھیں۔

فارس کو اپنا دل پوری طرح اس کی گرفت میں قید ہوتا محسوس ہوا۔ فارس کے شکریے کو ان سب نے مسکرا کر وصول کیا، تو اس نے انہیں ناشتے پر رکنے کے لیے اصرار کیا، مگر احسان صاحب نے معذرت کر لی تھی۔ مرحا سارا وقت بالکل خاموش رہی۔

جاتے وقت پلٹ کر مرحا نے فارس کو دیکھا تو وہ ٹراؤزر کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑا اسے ہی جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ بڑھی ہوئی شیو فارس پر بہت جچ رہی تھی۔ مرحا نے اسے نظر بھر کر دیکھا اور فارس نے اس کا دیکھنا بہت اچھی طرح نوٹس کر لیا تھا۔ اس دن اسے مرحا کے جذبات اپنے لیے غیر معمولی محسوس ہوئے۔

فارس کا ڈرائیور ہی انہیں گھر ڈراپ کر گیا تھا۔ اس دن جو کچھ بھی ہوا اس کے بعد احسان صاحب نے مرحا کو سختی سے منع کر دیا تھا کہ وہ فارس کے ساتھ اپنا میل جول نہ بڑھائے۔ یہ بات مرحا کے دل نے تسلیم نہیں کی تھی کیونکہ اس کا دل تو پوری طرح فارس کے قبضے میں تھا۔ مگر دماغی طور پر اس نے احسان صاحب کی بات مان کر اپنے روابط سے کم کر لیے تھے۔

کچھ دن سے وہ اس کے میسجز کا جواب ہوں، ہاں سے زیادہ نہیں دے رہی تھی۔ اس لیے فارس نے بھی یہ سلسلہ کافی حد تک کم کر دیا تھا۔ مگر اندر ہی اندر اسے مرحا کے رویے کی وجہ جاننے کی بے چینی سی ہو رہی تھی۔

مرحا ان دنوں یونیورسٹی میں پوری طرح مصروف ہو چکی تھی۔ اس کے پہلے سمسٹر کے ایگزام ہو رہے تھے۔ سر کھجانے تک کی فرصت نہیں تھی۔ ایسے میں فارس کا اس کے گھر پر چاکلیٹس، پھول اور شکریے کا ایک خوبصورت کارڈ بھیجنا، اس کے تھکن زدہ وجود

میں ایک تازگی سی بھر گیا تھا۔

"یہ لو چاکلیٹس کھاؤ، فارس نے تمہارا بھی خصوصی شکریہ ادا کیا ہے۔" مرحا کبھی بھی ثانیہ سے شیئر کیے بغیر کچھ نہیں کھاتی تھی۔

"تم نے پھر سے اس کے چنگل میں پھنسنا شروع کر دیا۔" گرکہ ثانیہ نے چاکلیٹ اور شکریہ دونوں وصول کر لیے تھے، مگر وہ اسے بابا کی نصیحت یاد دلائے بنا نہ رہ سکی۔

"ایک تو تم میری محبت میں سب سے بڑا ظالم سماج بنتی جا رہی ہو۔" وہ نروٹھے پن سے بولی۔

"کم عقل لڑکی، خود ہی محبت کی دعویدار بنی گھوم رہی ہو۔ اس سے بھی پوچھ لو وہ تمہیں وقت گزاری کا سامان سمجھ رہا ہے یا پھر واقعی تمہارے بارے میں سیریس ہو کر سوچتا ہے۔" ثانیہ نے اس کی عقل پر کفِ افسوس ملا۔

"لو بھالا! میں اب اس سے ایسی باتیں پوچھتی اچھی لگوں گی۔ وہ کیا سوچے گا میرے بارے میں۔" مرحا کو ثانیہ کا مشورہ پسند نہیں آیا تھا۔

"یہ جو اس قسم کے مرد ہوتے ہیں، وہ عورت کو کھلونے سے زیادہ کچھ نہیں سمجھتے، اس لیے تمہیں سمجھا رہی ہوں۔ ہوش کے ناخن لو مرحا۔ کیونکہ ہم تمہیں کسی کی ضرورت کا سامان بنتے نہیں دیکھ سکتی۔ پوچھو اس سے اگر وہ سچا ہے، تم میں واقعی کوئی دلچسپی رکھتا ہے تو باعزت طریقے سے تمہیں اپنی زندگی میں شامل کر لے، ورنہ شروعات میں ہی اس کی حقیقت اور کردار کا خلاصہ ہو جائے گا اور قصہ تمام۔"

"ثانیہ بی بی! آپ چاہ کر بھی زندگی کا ایکسرے نہیں کر سکتی ہیں۔ کیونکہ اس کی

رپورٹس آپ کو کبھی بھی صاف نظر نہیں آئیگی۔شک کی عینک سے دیکھو، تو ہر صاف چیز بھی دھندلی نظر آنے لگتی ہے۔ فارس کریکٹر لیس انسان نہیں ہے۔ آج تک اس نے کبھی بھی مجھ سے کوئی بھی غلط قسم کی گفتگو نہیں کی۔ کبھی اس کا کوئی انداز مجھے ایسا نہیں لگا جس کو بنیاد بنا کر میں اسے کوئی الزام دے سکوں۔ اور تم میری فکر میں گھلنا بند کر دو اور اپنے لیے کوئی احمق تلاش کرو۔ مری تو جان چھوٹے تم سے۔ ہر وقت نیگیٹیویٹی کی فضا پھیلائے رکھتی ہو۔" مرحا اس کی باتوں کو یونہی ہوا میں اڑانے کی عادی تھی۔ ثانیہ بیچاری کیا کہتی خاموش ہو گئی۔

اگلے دن ہاسپٹل میں رش خاصا کم تھا اس لیے بیزایت سے جان چھڑانے کے لیے اس نے سوچا آج جلدی گھر چلی جائے۔ مگر عین اسی وقت اس کی پی اے نے ایک پیشنٹ کے آنے کی اطلاع دی تو وہ ٹھہر گئی۔ تھوری دیر بعد دروازہ کھول کر اندر داخل ہونے کو دیکھ کر ثانیہ کے چہرے کے تاثرات تن گئے۔ ہاتھ کی گرفت کرسی پر مضبوط ہو گئی۔ وارث آکر خاموشی سے اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"جی فرمایئے۔" ثانیہ نے پروفیشنلزم اپنایا۔

"تم اس دن میرے گھر پر آئی تھیں۔ فارس نے بتایا تھا مجھے تمہارے بارے میں۔ ویسے بھی ہوش میں آنے پر پہلی نگاہ تم سے ٹکرائی تھی۔ تمہیں کیسے بھول سکتا ہوں میں، بلکہ تمہیں تو اتنے سالوں میں بھی بھول نہیں پایا میں۔ وارث کا بے تکلفانہ کھلا ڈلا انداز ثانیہ کو بھڑکا گیا۔

"میں سمجھی تھی تم یہاں چیک اپ کروانے آئے ہو۔ لیکن میں تمہاری خصلت بھول

گئی تھی۔ فلرٹ تمہاری سب سے بڑی کمزوری ہے۔ کالج کی کوئی بھی لڑکی تمہاری غلیظ نظروں سے محفوظ نہیں رہ سکی۔ میری غلطی ہے میں نے سوچا اب تم سدھر گئے ہو گے۔
"ثانیہ کی بات پر اس کا زوردار قہقہہ پڑا۔

"یعنی اچھی طرح یاد داشت میں محفوظ ہوں تمہاری۔ مگر تم یہ بھول گئیں میری باذوق نگاہوں کا شکار تم بھی تھیں۔ لیکن یقین کرو میں تمہیں دھوکا نہیں دینا چاہتا تھا۔ مگر کیا کریں ہمارے ہاں شادی خاندان میں ہی کرنے کا رواج ہے۔ خصوصاً پہلی شادی۔ ورنہ جائیداد سے عاق کر دیا جاتا ہے۔ اور تم تو اچھی طرح جانتی ہو پیسے کے بغیر دنیا کہاں جینے دیتی ہے۔"

ثانیہ کو خود پر حیرت ہوئی تھی بھلا وہ وہاں بیٹھی اس کی یہ واہیات گفتگو کیوں سن رہی تھی۔ اپنا پرس اٹھا کر کندھے پر ڈالتے ہوئے وہ جانے لگی تو وارث اس کے راستے میں ایستادہ ہو گیا۔

"جب سے تمہیں کھویا ہے زندگی بے کار لگنے لگی ہے۔ اس لیے میں اپنی یہ غلطی سدھارنا چاہتا ہوں۔ بس ایک موقع دو۔ دانت دکھاتے وارث کی آنکھوں سے ثانیہ کو غلاظت ٹپکتی محسوس ہوئی۔ انگلی اٹھا کر اسے وارن کرتے ہوئے بولی۔

"بکواس بند کرو اور دوبارہ میرے سامنے آنے کی کوشش بھی مت کرنا۔ تم جیسے گھٹیا اور آوارہ شخص پر میں تھوکنا بھی پسند نہیں کرتی۔" یہ کہہ کر غصے سے بولتی ہوئی وہ وہاں سے چلی آئی۔ مگر گھر جانے کی بجائے قریب ہی کافی شاپ میں چلی آئی۔ اپنی پرانی غلطیوں پر جب بھی پچھتانا ہوتا وہ ایسے ہی کسی انجان جگہ چلی آتی تھی۔ وارث اس کے

ساتھ میڈیکل کالج میں پڑھتا تھا۔ گو کہ وہاں اس کی شہرت اچھی نہیں تھی مگر اس کے باوجود ثانیہ اسکے خطوط اور محبت کے جھوٹے دعوؤں کے اثر میں آگئی۔

وہ کالج کا سب سے لوفر اور لفنگا لڑکا سمجھا جاتا تھا۔ مگر ثانیہ کو یہ باتیں بے پر کی لگی تھیں۔ لیکن جب وارث نے سو طرح کے جھوٹے وعدے کر کے اسے دھوکہ دیا اور کالج کے اختتامی دنوں میں اپنی ہی کسی کزن سے شادی کر کے اس سے کوئی بھی تعلق تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ تب اسے صحیح معنوں میں احساس ہوا۔ وہ واقعی غلط لڑکا تھا۔ ایسا اس نے صرف ثانیہ کے ساتھ نہیں کیا تھا بلکہ کالج کی کئی معصوم لڑکیاں، اس کے جال کا شکار ہو چکی تھیں۔ رونے دھونے اور پچھتانے کے بعد ثانیہ اس پر دو حرف بھیج چکی تھی۔

مگر اچانک ایک دن وہ اس کے سامنے آ گیا۔ فارس کے بھائی کی حیثیت سے۔ ثانیہ تو مرحا کو لے کر بڑی پریشان تھی کجا کہ یہ نئی مصیبت اس کے گلے پڑ گئی۔ کچھ دیر وہاں گزار کر وہ گھر آگئی مگر وارث والے قصے کا تذکرہ اس نے فی الحال کسی سے نہیں کیا تھا۔ کیونکہ ابھی ثانیہ کو اس کی جراتوں کا اندازہ ہی نہیں تھا۔

وارث روز ہی اس کے ہاسپٹل کے باہر آف ٹائمنگ میں کھڑا ملتا۔ اس کے باہر آتے ہی اس سے بات چیت کی کوشش کرتا۔ مگر وہ یکسر اسے نظر انداز کرتے ہوئے وہاں سے چلی جاتی۔ اور اب تو وہ اکثر گھر بھی آنے لگا تھا۔ یہ بات ثانیہ کے لیے پریشان کن تھی۔ اگر کالونی میں کوئی بھی اسے ثانیہ کا پیچھا کرتے اس کے گھر تک آتے دیکھ لیتا تو۔۔۔ یہ ہرگز بھی خوش آئند بات نہیں تھی۔

مڈل کلاس علاقے میں ایسی باتوں کا سارا الزام معصوم لڑکیوں پر ہی لگایا جاتا ہے۔

اس لیے وہ اچھی طرح آگاہ تھی۔ ثانیہ نے تنگ آکر ساری بات مرحا کے گوش گزار کر دی۔ پہلے تو اسے یقین ہی نہیں آیا مگر پھر وہ جذبات میں آگئی۔

"تم اس شخص کی گھٹیا حرکتوں کو اب تک برداشت کیسے کر رہی ہو؟ پولیس کو انفارم کرتی۔ سارے کس بل نکل جاتے اس خبیث انسان کے۔"

"ہاں بس اسی مشورے کی کسر تھی۔ وہ جتنا بارسوخ آدمی ہے، الٹا پولیس اسی کے سامنے ہاتھ باندھے مستعدی سے کھڑی ہو جاتی اور میری رہی سہی عزت کا بھی فالودہ بن جاتا۔" ثانیہ کو یہ بے نتیجہ گفتگو بہت کھل رہی تھی۔ کوئی حل ہی سجھائی نہیں دے رہا تھا۔

"اگلی دفعہ وہ تمہارے سامنے آئے، تو ایک تھپڑ سے اس کی تواضع کرنا۔ اسکے بعد سیکیورٹی اہلکاروں سے اس کو باہر پھینکوانا۔ عقل ٹھکانے آجائے گی۔" وہ تیز تیز بول رہی تھی۔ جبکہ ثانیہ کو ایک بھی باقابلِ عمل نہیں لگی۔

اگلے چند دنوں کی مصروفیت نے ثانیہ کو بوکھلا کر رکھ دیا۔ وارث کو بعض رکھنے کا بھی کوئی انوکھا خیال ذہن میں نہیں آیا تھا۔ چندروز وہ بھی اس کے پیچھے حاضری دینے نہیں آیا۔ مگر آج اچانک پھر سے آدھمکا۔ اس بار وہ ہسپتال کے اندر ہی آگیا۔

"میں تمہیں پیار سے سمجھا رہا ہوں، مان جاؤ۔ ورنہ پھر مجھے زبردستی کرنی بھی آتی ہے۔ عزت سے بیاہ کر لو تب ہی ٹھیک ہے۔ ورنہ دوسری صورت میں بغیر نکاح کے ہی میرے ساتھ زندگی گزارنی پڑے گی۔ یاد رکھو اٹھا کر لے جاؤں گا۔"

وہ اپنی تمام تر خباثت سے بولتا ثانیہ کا ٹیمپرامنٹ لوز کر گیا۔ اتنی گھٹیا گفتگو کے جواب میں ثانیہ نے بھرے مجمع میں پلٹ کر اس کے منہ پر زوردار طمانچہ دے مارا۔ زناٹے

دار تھپڑ کی آواز سن کر آس پاس کے کئی لوگ متوجہ ہو گئے۔ جبکہ وارث گال سہلاتا دہشت ناک نظروں سے اسے گھور رہا تھا۔ ایک پل کے لیے تو ثانیہ بھی لرز گئی اس سے قبل کے اس کی رہی سہی طاقت بھی جواب دے جاتی۔ ثانیہ نے چیخ چیخ کر سیکیورٹی کو بلوا لیا۔ اسے باہر پھینکوانے کا حکم دیتے ہوئے ثانیہ کا دل کانپ رہا تھا۔

مگر آج اس میں مرحا کی روح گھس آئی تھی، طاقت ور کو مار گرانے والی۔ اس حرکت کا انجام اچھا نہیں ہوا تھا۔ سیکیورٹی اہلکاروں نے اسے دونوں بازوؤں سے دبوچ لیا تو وہ اسے دھمکی دینے لگا۔ ثانیہ نے انتہائی نفرت سے اسے دیکھ کر زمین پر تھوک دیا۔ سیکیورٹی اہلکار اسے گھسیٹتے ہوئے باہر لے گئے۔ ثانیہ سر تھام کر اپنے آفس کی جانب بڑھ گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ لاہور کی فلائٹ کے لیے اس وقت کراچی ائیر پورٹ پر موجود تھے۔ شہریار فیس بک پر کچھ رومانوی قسم کے اسٹیٹس ڈالنے میں مصروف تھا۔ روحہ بھی اس کے موبائل پر جھکی ہوئی تھی۔ فلائٹ میں تھوڑا ہی وقت بچا تھا، جبکہ جلال کو وہاں اپنی پرانی کلاس میٹ مل گئی تھی۔ جو اتفاق سے روحہ کی دور پرے کی کزن بھی نکل آئی تھی۔ تو جلال اس کے ساتھ ہی بیٹھا پرانے دنوں کی یادیں تازہ کرنے لگا۔ لیزا خاموش لاتعلق سی بیٹھی ہوئی تھی۔

"کیا خوبصورت دن تھے، ہر قسم کی مکمل آزادی تھی، یونیورسٹی میں ہمارے گروپ کے دم سے ہی رونقیں تھیں۔" جلال کہہ رہا تھا۔

"واقعی ہی تمہارے گروپ کی پوری یونیورسٹی میں دھوم تھی۔ مگر جانتے ہو کیوں؟

کیونکہ اس گروپ کی جان تم تھے۔ تمہاری وجاہت پر آدھی سے زیادہ لڑکیاں فدا تھیں۔" الشبہ ہنس کر بولی تو لیزا کو ایک آنکھ نہ بھائی۔ جلال کی بے رخی اور بے پروائی نے اسے توڑ کر رکھ دیا تھا۔

"ان فریفتہ پریوں میں سے ایک تم بھی تھیں، بھول گئیں؟ ایک لمبا چوڑا لو لیٹر تمہاری جانب سے بھی موصول ہوا تھا۔" جلال نے اسے کچھ یاد دلا کر چھیڑنے کی کوشش کی۔ اس بات پر لیزا کے چہرے پر شدید جلن کے احساس ابھرے۔ مگر جلال کو چہرے دیکھنے کی فرصت ہی نہیں تھی۔

"بھئی میں نے تو اپنی قسمت آزمائی تھی، کہ اگر گوہر نایاب نے ہاتھ آنا ہی ہے تو میرے ہاتھ آ جائے۔" وہ عجیب سی ہنسی ہنس دی۔ لیزا کو صاف محسوس ہوا کہ الشبہ کے دل میں جلال کے لیے اب بھی حسرتیں باقی ہیں۔

ماضی کے متعلق ہونے والی اتنی کھلی ڈلی گفتگو پر روحہ اور شہریار بھی متوجہ ہو گئے۔

" خیر اب تم نے اریجنڈ میرج کر ہی لی ہے، تو کوئی بات نہیں صبر کر ہی لیتی ہوں۔" اس کی باتوں سے اندازہ ہو رہا تھا۔ وہ بڑی بے باک قسم کی لڑکی تھی۔

"اسلام میں چار شادیوں کی اجازت ہے ، کیا پتا جلال بھائی کی زندگی میں دوسری شادی کی گنجائش بھی نکل آئے۔" اپنے بے ہنگم مذاق پر صرف روحہ ہی ہنسی۔ باقی سب چپ سے کر گئے۔

"کیا بات ہے بھئی۔۔۔ اسلام کا اتنا ہی علم ہے ،تو تھوڑا اپنے شوہر پر بھی کرم کرنا اور وادی کی کسی حسین پری کو اپنے شوہر نامدار کے لیے بھی بیاہ لانا۔ کیونکہ دوسری

شادی کی اجازت تو مجھے بھی ہے۔" بظاہر مذاق کے پیرائے میں مگر شہریار نے اسے بہت کچھ جتادیا۔ روحہ کا چہرہ خفت سے سرخ پڑ گیا۔

لیزا کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ وہاں سے اُٹھ کر بھاگ جائے۔ اپنی زندگی کا اس طرح سے تماشا بنانے پر وہ جلال کو بالکل بھی معاف نہیں کرنے والی تھی۔ یہ بات وہ ٹھان چکی تھی۔

بے رخی کا بدلہ بے رخی اور حقارت کا بدلہ وہ بھی نفرت سے دے گی۔ یہ فیصلہ پوری جانفشانی سے کر کے وہ اس پر قائم ہو گئی۔

فلائٹ میں بھی پورا وقت جلال الشبہ کے ساتھ بیٹھا گپیں ہی لگا تا رہا تھا۔ لیزا کے ماتھے پر پڑے بل اس نے نوٹس کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی۔ جلال سے لڑائی جھگڑا ایک طرف، مگر وہ کسی اور عورت کے ساتھ اس کا اتنا کھلا ڈلا رویہ برداشت نہیں کر پا رہی تھی۔

لیزا کا مسئلہ بہت آسان اور سمپل تھا۔ اس کی زندگی میں آنے والا پہلا مرد ہی اس کی زندگی اور دل دونوں میں آنے والا واحد مرد بن چکا تھا۔ نکاح کے دو بولوں نے تھوڑے ہی عرصے میں جلال کے لیے اس کے دل میں اتنی جگہ بنا دی تھی کہ اب وہاں کسی اور کی گنجائش ہی نہیں تھی۔ لیزا جلال کے بغیر جینے کا تصور ہی نہیں کر سکتی تھی، کجا کہ کسی اور کو اپنی زندگی میں شامل کرنا۔

اس کی ساری بے اعتنائیوں کے باوجود بھی لیزا اس کو کسی اور کے ساتھ نہیں دیکھ سکتی تھی۔ یہ انکشاف بھی اس پر ابھی ابھی الشبہ سے ملاقات کے بعد ہوا تھا۔ خدا خدا کر

کے لاہور ائیر پورٹ پر پہنچ کر الشبہ انہیں بربے دل سے خدا حافظ کہہ کر چلی گئی۔ تو لیزا کے دل کو بھی تھوڑا قرار آگیا۔ باقی جلال کے مزاج ٹھکانے لگانے کا منصوبہ تو وہ پہلے ہی بنا چکی تھی۔

بائے روڈ مری پہنچ کر وہ گیسٹ ہاؤس میں ٹھہرے۔ کمرے میں کسی قسم کا کوئی صوفہ نہیں تھا۔ مجبوراً جلال بیڈ پر لیزا کے برابر دراز ہوا تو وہ کرنٹ کھا کر اٹھ بیٹھی۔

"اُٹھیے یہاں سے۔" حکمیہ انداز میں بولی تو وہ حیران پریشان سا اٹھ بیٹھا۔

"کیا ہوا۔ کہیں اور جا کر سوئیں۔" لیزا تنتنا کر بولی۔

"مگر کیوں؟۔" جلال اچھنبے میں گھرا۔

"کیونکہ میں کسی ایسے انسان کے ساتھ نہیں سو سکتی، جسے میں اپنا شوہر ہی تسلیم نہیں کرتی اور نہ ہی آپ مجھے اپنی بیوی مانتے ہیں۔ آپ کو شرم نہیں آتی، پرائی عورت کے ساتھ ایک ہی بیڈ پر سوتے ہوئے۔" لیزا کے خطرناک انداز دیکھ کر وہ چکرا گیا۔

اس بات کا جواب اس کے پاس بھی نہیں تھا۔ تاہم صبر کا کڑوا گھونٹ بھر کر وہ باہر لابی میں چلا آیا۔ کاؤنٹر پر دوسرا روم بک کرنا چاہا، مگر تمام کمرے سارے فل تھے۔ وہ دانت پیس کر رہ گیا۔

مجبوراً تین چار کمبل آرڈر کرتا کمرے میں واپس آگیا۔ ساری رات فرش پر کمبل بچھا کر سویا رہا۔ مری کی شدید ٹھنڈ اور فرش کی سختی نے صبح تک اس کے ہوش ٹھکانے لگا دیئے۔

ناشتے کے بعد روحہ اور شہریار نتھیا گلی چلے گئے۔ لیزا بھی تیار ہو کر کہیں جانے لگی تو

وہ اس کے راستے میں بڑے استحقاق سے کھڑا ہو گیا۔

"کہاں جا رہی ہو؟"

"جہاں میرا دل چاہے، میں آپ کو جواب دہ نہیں ہوں۔" وہ تڑخ کر بولی۔

"تم جہاں بھی جا رہی ہو، اکیلی نہیں جا سکتیں۔" اس کے اکھڑے اکھڑے مزاج جلال کو بری طرح کلسا رہے تھے۔

"کیوں؟ کیا کراچی میں ہر جگہ آپ میرے ساتھ جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ میرے میکے میں بھی، میں اکیلی ہی جاتی ہوں۔ آپ جب وہاں میری کوئی ذمہ داری قبول نہیں کرتے تو یہاں بھی اس تردد کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں اکیلی جا سکتی ہوں۔" وہ کہہ کر اس کے چودہ طبق روشن کرتی، کمرے سے باہر نکل گئی۔ ایسے شکوے شکایات پہلے تو اس نے کبھی نہیں کیے تھے۔ وہ بھی اس کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔

"بھائی مال روڈ کس طرف ہے؟" راستے میں رک کر لیزا نے کسی راہ گیر سے پوچھا، پھر آگے بڑھی۔

" مجھ سے ہی پوچھ لیتی میں۔ یہاں ہزار دفعہ آ چکا ہوں۔ سارے راستوں کے بارے میں جانتا ہوں۔" وہ لیزا کی معلومات میں اضافہ کر رہا تھا۔

"جو کام راہ پر چلتا کوئی بھی انسان آرام سے کر سکتا ہے، اس کے لیے میں آپ کو کیوں زحمت دوں۔" وہ رکھائی سے بولی۔

"یعنی راہ گیر اور مجھ میں کوئی فرق ہی نہیں۔" جلال نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

اس کی مردانہ روح غیرت سے فوراً پھڑ پھڑائی۔

"راہ گیر بھی پرائے اور آپ بھی۔ پھر کیا فرق ہوا۔ اور یہ آپ میرے پیچھے پیچھے آنا بند کریں۔" وہ اس کے ساتھ ساتھ چلنے پر چڑ گئی۔ جلال نے ہاتھ پکڑ کر اسے روک لیا۔

ظبات سنو۔ یہاں آکر لگتا ہے تمہارے دماغ پر ٹھنڈ کا گہرا اثر ہو گیا ہے۔ شاید تم بھول رہی ہو ہمارا کیا تعلق ہے۔"

"مرد بھی عجیب شے ہے۔ خود تسلیم کرے یا نہ کرے، لیکن عورت کی دھتکار کبھی برداشت نہیں کر سکتا۔ ایک کاغذی رشتہ، جسے نہ کبھی آپ نے تسلیم کیا نہ یاد رکھا۔ اس لیے میں نے بھی سب کچھ بھلا دیا ہے اور اب میں اپنی زندگی میں آگے بڑھ چکی ہوں۔ جتنے دن ہم یہاں ہیں مجھے آپ کو برداشت کرنا پڑیگا۔ لیکن واپس جاتے ہی میں آپ کا گھر چھوڑ کر چلی جاؤں گی۔"

"ایں۔۔۔" اس بات کی تو جلال کو لیزا سے توقع ہی نہیں تھی۔ اپنے فیصلے کی بجلی اس پر گرا کر لیزا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کرنے لگی جبکہ جلال اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہاتھ مضبوطی سے پکڑے کھڑا رہا تھا۔

تبھی حلیے سے پٹھان نظر آتے دو آدمی ان کی طرف متوجہ ہوئے۔

"کیا بات ہے۔ کب سے تم کو دیکھتا۔ لڑکی کو کیوں چھیڑ رہے ہو۔ شرم ورم نہیں آتا تم کو۔" خان صاحب جلال پر بھڑک اُٹھے۔

"دیکھیے میں اسے چھیڑ نہیں رہا۔ تم بتاؤنا انہیں۔"

"میں کیا بتاؤں؟" اسے برا پھنستے دیکھ کر لیزا کو بڑا مزہ آیا۔

"لیزا۔۔ لیزا۔۔۔" وہ پکارتا رہ گیا۔ لیکن وہ اسے چوڑے چکلے پہلوانوں کے

حوالے کر کے چلی گئی۔

"دیکھئے بھائی صاحب! وہ میری بیوی ہے۔ میں اس کا شوہر ہوں۔" جلال نے یہ بات ایسے وقت میں تسلیم کی تھی جب وہاں یقین کرنے والا کوئی نہیں تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

مرحا نے اس بارے میں فارس سے بات کرنے کی کوشش کی، مگر ان دنوں وہ کسی ضروری کام سے لندن گیا ہوا تھا۔ یوں بھی اب چونکہ ثانیہ وارث کو کرارا جواب دے آئی تھی تو اس نے بھی فارس کو بتانے کی مزید کوشش ترک کر دی۔ اور ویسے بھی اس کے خیال میں اگر فارس کو علم ہوا اور اس نے ضرورت محسوس کی تو وہ اس سے خود بات کرے گا۔

آج کل وارث بھی منظر سے غائب تھا۔ اس لیے وہ دونوں مطمئن ہو چکی تھیں۔ کچھ دنوں بعد ثانیہ کے ذاتی کلینک کا افتتاح تھا وہ اس کی تیاریوں میں مصروف ہو گئی۔ مرحا کی یونیورسٹی بھی بس دوبارہ سے شروع ہونے ہی والی تھی۔ پہلے سمسٹر کا نتیجہ آچکا تھا اس نے نمایاں نمبروں سے کامیابی حاصل کی۔

ایک رات ثانیہ کو ہاسپٹل میں زیادہ دیر ہو گئی۔ مرحا کے کال کرنے پر اس نے بتایا کہ وہ بس کچھ دیر میں نکلنے والی ہے۔ ایمر جنسی کیسز میں اس قدر الجھی رہی کہ ضرورت سے زیادہ ہی دیر ہو گئی۔ اس وقت وہ پارکنگ میں اپنی گاڑی کے قریب کھڑی تھی۔ جب مرحا کی کال دوبارہ آنے لگی۔

"ہاں ہاں، بس پہنچ رہی ہوں۔ ہاسپٹل سے نکل چکی ہوں۔" اس نے کال اٹینڈ کرتے ہی مرحا کو بتایا تھا۔ مگر اسی وقت کسی نے اس کے ہاتھ سے موبائل چھین لیا۔

"وارث تم۔۔۔" اس کے خطرناک ارادوں کو دیکھ کر ثانیہ کی چیخ نکل گئی اور یہ وہ آخری الفاظ تھے جو مرحا نے سنے۔ اس کے بعد فون بند ہو گیا۔ مرحا کو لگا جیسے اس کا سارا خون رگوں میں منجمد ہو کر رہ گیا ہو۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

جلال کی بگڑی حالت دیکھ کر لیزا کا دل پتنگ ہوا۔ مگر اس نے پتنگ کٹ کر جلال کی جھولی میں گرنے ہرگز نہیں دی تھی۔ پٹھان بھائیوں نے جلال کی اچھی خاصی درگت بنا ڈالی تھی۔

بال بکھرے ہوئے تھے قمیض آستینوں سے پھٹ چکی تھی۔ جگہ جگہ سے درد کی ٹیسیں اٹھ رہی تھیں اور ماتھے پر چوٹ کا گہرا نشان پڑا ہوا تھا۔ لیزا اب گرم کپڑے سے اس کے ماتھے پر سیکائی کر رہی تھی۔ جبکہ وہ ہوٹل کے کمرے میں بے یقین سا بت بنا بیٹھا لیزا کو گھور رہا تھا۔ اسے لیزا کی اس حرکت پر غصہ نہیں آیا تھا بلکہ وہ شاکڈ تھا۔

"طبیعت بہتر ہوئی۔" کچھ دیر بعد لیزا نے اس سے پوچھا تو وہ اپنی خراب اور بکھری حالت کو بھلائے بے ساختہ ہنسنے لگا۔

"اچھا سبق سکھایا تم نے مجھے۔ لیکن یہ پریکٹیکل کروانا کیا ضروری تھا۔ تم ویسے ہی مجھے کہہ دیتیں میں تمہیں بیوی تسلیم کر لیتا۔ بات تو محبت کی تھی، رشتہ تو تسلیم کر ہی چکا ہوں۔ ورنہ تمہارے ساتھ کیوں رہ رہا ہوتا۔"

لیزا کو جلال کی ذہنی حالت پر شبہ ہوا، کہ کہیں اس کے دماغ پر کوئی گہری چوٹ تو نہیں لگ گئی۔ لیکن پھر اس کے مزاج کے چلبلے پن کو محسوس کرتے ہوئے لیزا نے مسکراتے

ہوئے کہا۔

"اگر پریکٹیکل نہ کرواتی تو آپ کو ٹھیک سے سمجھ میں نہیں آنا تھا۔"

شہریار اور روحہ نے اس کی چوٹ کے بارے میں استفسار کیا تو جلال سے بولا نہ گیا۔

"سیڑھیوں سے پھسل گئے۔" لیزا نے بہانہ گھڑ دیا۔

"اوہ! ہم تو سوچ رہے تھے کل وادی چلاس کی طرف نکل جائیں۔ مگر بھائی آپ کی تو حالت ہی سفر کرنے والی نہیں لگ رہی۔" شہریار نے فکر مندی سے کہا۔

"بالکل! جلال واقعی اتنا لمبا سفر نہیں کر سکتے۔ ایک کام کرو، تم لوگ آگے نکل جاؤ اور گھوم پھر لو اپنے پلان کے مطابق۔ ہمیں یہیں رہنے دو۔ یہاں کا موسم ہمیں کافی راس آیا ہے۔" لیزا نے کہا تو جلال نے بھی اس کی تائید کی۔

"بالکل! لیزا ٹھیک کہہ رہی ہے۔ ہم یہاں بہت آرام میں ہیں۔" جلال نے لفظ آرام پر کچھ زیادہ ہی زور ڈالا تو لیزا کو اپنی ہنسی کنٹرول کرنا مشکل لگنے لگا۔

ان کے اصرار پر شہریار اور روحہ نے ضد نہیں کی۔ اس لیے اگلے دن وہ چلے گئے۔ جبکہ وہ دونوں وہیں رہ گئے۔ آج وہ دونوں ساتھ ساتھ مال روڈ کی طرف آئے۔ لیزا شاپنگ کر رہی تھی اور جلال اسے دیکھ رہا تھا۔

"یہ کیسے ہیں؟" انتہائی خوبصورت ایئر رنگز اٹھا کر اپنے کان سے لگاتے ہوئے لیزا نے جلال سے پوچھا۔

"بہت اچھے ہیں۔" وہ فوراً مستعدی سے بولا۔ وہ ایئر رنگز واقعی اسے پسند آئے تھے۔ مگر لیزا نے وہ دکاندار کو واپس کر دیئے اور آگے بڑھ گئی۔ پیچھے سے جلال نے قیمت

پوچھ کر وہ خرید لیے مگر اسے دیئے نہیں، اپنی جیب میں اڑس لیے۔

لیزا نے جتنی بھی خریداری کی، سب کا بل اسی نے ادا کیا۔ لیزا نے اپنے کریڈٹ کارڈ سے بل دینا چاہا تو جلال نے اسے روکتے ہوئے کہا۔

"میں تمہارا شوہر ہوں اور یہ میرا فرض ہے۔ یہ سبق تم نے ہی مجھے یاد کروایا ہے اور اب خود ہی بھول رہی ہو۔"

"میرے لیے تو آپ لاتوں کے بھوت ثابت ہوئے ہیں۔" دوسرے دن شام کے کھانے پر ہنستے ہوئے لیزا نے اسے چھیڑا۔

"خیر اب یہ میری توہین ہے۔ میں ان کے مکوں گھونسوں سے نہیں سدھرا، بلکہ مجھے تمہارے آنسوؤں نے پگھلایا۔ جو کچھ بھی ہوا اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں۔ اس لیے ان سب باتوں پر مجھے تمہیں سزاوار نہیں ٹھہرانا چاہیے۔ بلکہ اچھے دوستوں کی طرح ہمیں ان ساری باتوں کا حل نکالنا چاہیے۔"

"کیسا حل۔" لیزا **اٹھٹھکی**۔

جلال کے جواب نے جیسے اس کے سر پر آسمان ہی گرا دیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

مرحا اسی وقت اپنی بائیک پر ثانیہ کے ہاسپٹل پہنچی۔ ثانیہ کی گاڑی وہیں کھڑی تھی اس کا موبائل گاڑی کے قریب ہی نیچے گرا ہوا تھا۔ مگر ثانیہ وہاں کہیں نہیں دکھائی دی۔ چوکیدار سے دریافت کرنے پر پتا چلا کہ کوئی شخص اسے اٹھا کر لے گیا تھا۔ وہ اس وقت کچھ بھی کرنے میں ناکام رہے تھے مگر پولیس کو اطلاع کر دی گئی تھی۔ پولیس ابھی وہاں پہنچنے ہی

والی تھی۔

"لیکن وہ شخص کون تھا۔" مرحا کے ہاتھ پاؤں بری طرح پھول چکے تھے۔ جلدی جلدی میں اس نے احسان صاحب کو بھی کچھ نہیں بتایا تھا۔

"بی بی وہ شخص اکثر مرحا بی بی کا پیچھا کرتا ہوا یہاں آیا کرتا تھا۔ بس اس سے زیادہ میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔" چوکیدار کے بتانے پر مرحا کو سو فیصد یقین ہو گیا کہ وارث ہی ثانیہ کو اٹھا کر لے گیا ہے۔ مگر کہاں، دماغ نے کام کرنا پوری طرح سے بند کر دیا تھا۔ اس نے اسی وقت احسان صاحب کو پورے واقعے سے آگاہ کیا۔ پولیس بھی وہاں پہنچ چکی تھی۔

پوری رات وہ ثانیہ کو تلاش کرتے رہے۔ شہر میں ہر جگہ ناکہ بندی کروادی گئی۔ حتی کہ فارس کے گھر پر بھی چھاپہ مارا گیا۔ لیکن وہاں سے بھی کوئی سراغ نہیں مل پایا۔ صبح کی سفیدی ہر سو پھیلنے لگی تو احسان صاحب زمین پر ڈھے سے گئے۔ بیٹی کی ایک رات گھر سے باہر گمشدگی میں گزر جائے تو باپ سر اٹھا کر چلنے کے قابل نہیں رہتا۔

مرحا کی اپنی حالت بہت خراب تھی وہ رات بھر وقفے وقفے سے فارس کا نمبر ٹرائے کرتی رہی۔ مگر اس کا نمبر پوری رات بند رہا۔ بڑی تلاش اور انتھک کوشش کے بعد انہیں ثانیہ اپنے ہی گھر میں پڑی ملی تھی۔ لیکن مردہ ایک لاش کی صورت میں۔ احسان صاحب اور مرحا پر قیامت ٹوٹ پڑی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

ثانیہ کی تدفین کو چوتھا روز تھا۔ مرحا کے صدمے اور شاک نے غصے، نفرت اور

بدلے کی آگ کی جگہ لے لی تھی۔ وہ تمام ہمت مجتمع کرتے ہوئے تھانے گئی اور وارث خاقان کے خلاف پرچا کٹوایا۔

عملی کاروائی کے طور پر وہ جیل کی سلاخوں کے پیچھے موجود تھا۔ اس حرکت کے بعد وہ کہیں بھی روپوش ہونے کی بجائے فارس کے گھر پر ہی رکا ہوا تھا۔ جب پولیس نے اسے گرفتار کر لیا۔

فارس کو یہ ساری اطلاعات اس کے دارجی نے اپنی منشاء کے مطابق پہنچائیں۔ وہ اتنا سب ہو جانے پر چکرا کر رہ گیا۔ اور پہلی فلائٹ سے فوراً پاکستان پہنچا تھا۔ احسان صاحب نے کسی بھی قانونی کاروائی میں حصہ نہیں لیا تھا۔ ان کا وجود تو بستر پر جم کر رہ گیا تھا اور آنکھیں پتھرا گئی تھیں۔ بڑی مشکل سے انہوں نے ثانیہ کی آخری رسومات ادا کی تھیں۔ ہاں مگر انہوں نے مرحا کو کسی بھی کاروائی سے روکا نہیں تھا۔

وارث کو ایک ہفتے بعد عدالت میں پیش ہونا تھا۔ مرحا اس دن فارس کے چیمبر میں موجود تھی۔ اس نے شروع سے لے کر آخر تک فارس کو ساری داستان روتے ہوئے سنائی تھی۔ وہ شخص اس کی زندگی میں انصاف کی واحد کرن تھا۔

"تمہارے ساتھ جو کچھ بھی ہوا مرحا، اس کے لیے مجھے بے حد افسوس ہے اور تم سے ہمدردی بھی۔ مگر کیا تمہارے پاس اس بات کا کوئی ثبوت بھی ہے کہ یہ سب کچھ وارث بھائی ہی نے کیا ہے۔" ساری باتوں کے جواب میں وہ بولا۔ صاف لگ رہا تھا اسے وارث کے گنہگار ہونے پر یقین نہیں آیا۔

"کیا مطلب ہے آپ کی اس بات کا؟ کیا میں آپ سے جھوٹ بول رہی ہوں؟"

مرحا کو یقین تھا جیسے اس کے الفاظ ہی فارس کے لیے ساری سچائی تھے۔ مگر وہ تو ثبوت مانگ رہا تھا۔ پہلی بار مرحا کو ہاتھ خالی ہونے کا احساس شدت سے ہوا تھا۔

"اس بات کا صاف مطلب ہے مرحا، کہ تمہارے پاس اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ دیکھو میں یہ نہیں کہہ رہا کہ تم جھوٹ بول رہی ہو، مگر یہ سب کچھ تمہاری غلط فہمی بھی ہو سکتی ہے نا۔ ہو سکتا ہے ثانیہ کو کسی نے ذاتی دشمنی میں نہ سہی، بلکہ کسی اغواء کار گروہ نے اٹھایا ہو۔ تم لوگ سادہ سے لوگ ہو۔ کسی سے دشمنی تو ہو نہیں سکتی۔" فارس کی قیاس آرائی پر مرحا کا خون کھول اٹھا۔

"موقع کے گواہ، اس ہسپتال کے چوکیدار نے مجھے خود بتایا ہے کہ آپ کے بھائی نے مرحا کو زبردستی ہاسپٹل کے باہر سے اٹھایا تھا۔ وہاں کے دو سیکیورٹی اہلکار بھی اس بات کے گواہ ہیں کہ وارث اکثر ثانیہ کو دھمکاتا تھا اور اس کا پیچھا کرتا تھا۔ آپ چاہیں تو ان کو بلوائیں اور میرے سامنے سارے معاملے کی تصدیق کریں۔" اس کی رندھی ہوئی آواز میں خار اُگ آئے۔

اس کی بات پر ایک پل کے لیے فارس تھم سا گیا تھا۔ مگر وہ کبھی یقین نہیں کر سکتا تھا کہ اس کا بڑا بھائی کسی لڑکی کو اغواء کر کے اسکا ریپ کرنے جیسا گھناؤنا جرم کر سکتا تھا۔ خصوصاً ثانیہ کی موت کے بعد احسان صاحب نے اس کا پوسٹ مارٹم بھی نہیں ہونے دیا تھا۔ اس بات نے ان کے کیس کو اور بھی کمزور کر دیا تھا۔ مگر ثانیہ جس حال میں انہیں ملی تھی وہ یقین سے کہہ سکتے تھے کہ اس کی عصمت کو بے دردی سے تار تار کیا گیا ہے۔

لوگوں میں بھی یہ بات پھیل چکی تھی۔ میڈیا بری طرح سے اس بات کو ہائی لائیٹ

کر رہا تھا کہ فارس خاقان حیدر کے اکلوتے بھائی وارث پر اغواء، عصمت زنی اور پھر قتل کا الزام درست ہے یا نہیں۔

دوسری طرف احسان صاحب اور مرحا سرِ بازار اپنی عزت کی دھجیاں بکھرتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ اس امید کے ساتھ کہ شاید انہیں انصاف مل سکے۔

وارث خاقان نے دار جی کے سامنے اپنے جرم کا اعتراف کر لیا تھا۔ اسے برا بھلا کہنے کے بعد انہوں نے اس کے جرم کے سارے ثبوت مٹا یئے تھے۔ وہ جانتے تھے فارس سچائی جان کر کبھی بھی اپنے بھائی کی رہائی کا سامان کرنے پر آمادہ نہ ہوتا۔ وہ اپنے وارث کو کھونا نہیں چاہتے تھے۔ اس لیے انہوں نے فارس کو اس معاملے میں پوری طرح اندھیرے میں رکھا۔

فارس نے ہر طرح کی چھان پھٹک کر لی تھی، مگر کوئی ثبوت وارث کے خلاف اس کے ہاتھ نہیں لگا تھا۔ حتیٰ کہ گواہان کا منہ بھی پیسے دے کر اور ڈرا دھمکا کر بند کرا دیا گیا تھا۔ وہ بلاشبہ ایک ماہر وکیل کی حیثیت سے ساری بات بھانپ جاتا، اگر اس کے دل اور آنکھوں پر باپ اور بھائی کی محبت اور اعتماد کی پٹی نہ بندھی ہوتی۔

پہلی ہی سنوائی پر اپنی قابلیت کے بل بوتے پر فارس وارث کو رہا کروانے میں کامیاب ہو گیا۔ مرحا سارا تماشا بے بسی سے دیکھتی رہی۔ اس کے پاس کوئی ثبوت نہیں تھا۔ سارے گواہ اسکے منہ پر فارس کے سامنے مکر گئے تھے۔ وہ بری طرح فارس سے بد ظن ہو گئی۔ اسے وہ جو انصاف پسند لگتا تھا، یکایک بڑا ہی بے انصاف لگنے لگا۔

بغیر کسی ثبوت کے کیس شروع ہوا تھا، سو فوراً ہی ختم ہو گیا۔ احسان صاحب پر

زندگی بری طرح تنگ ہو چکی تھی۔ مگر مرحا کی فکر انہیں مرنے بھی نہیں دے رہی تھی۔ دنیا میں اتنی رسوائی ہو چکی تھی کہ وہ اب کہیں آنے جانے کے قابل بھی نہیں رہے تھے۔

اگر کوئی گھر آتا تب بھی طرح طرح کی باتیں سننے کو ملتیں۔ غرض زندگی کے دروازے ان پر بری طرح سے تنگ ہو گئے تھے۔ مرحا نے یونیورسٹی جانا چھوڑ دیا تھا۔

وہاں پر بھی وہ بری طرح سے طنز و تضحیک کا نشانہ بن چکی تھی۔ کچھ طلبہ کو اس سے ہمدردی تھی تو وہیں کچھ ایسے بھی تھے جن کے خیال میں مرحا نے اپنی بہن کی موت کا الزام فارس خاقان کے بھائی پر ڈال کر اسے پھنسانے کی کوشش کی تھی۔ یہ الفاظ مرحا کی سماعت پر کوڑے کی طرح برستے تھے۔

ان ہی دنوں احسان صاحب شدید علالت کا شکار ہو گئے۔ مرحا کو اپنے گھر بار کا ہوتے دیکھنا ان کی آخری خواہش تھی۔ اپنے طور پر انہوں نے پوری کوشش کر دیکھی، مگر کوئی بھی ان کے ساتھ ہوئے حادثے کو سن کر ان سے رشتہ قائم کرنے پر آمادہ نہیں تھا۔ احسان صاحب کو دل کا شدید دورہ پڑا تھا مگر ان کی طبیعت اب کچھ بہتر تھی۔ فارس کو اپنے ذرائع سے علم ہوا تو وہ ان کی عیادت کو ہاسپٹل آیا۔

مرحا ان دنوں شدید ڈپریشن اور غم و غصے کا شکار تھی۔ اسے دیکھ کر بُری طرح بپھر گئی۔ "ہماری زندگیوں کو جہنم بنا کر اب تم ہمارا تماشا دیکھنے آئے ہو۔ فارس خاقان حیدر تم جیسا دوغلہ انسان میں نے اپنی پوری زندگی میں نہیں دیکھا۔ بات تمہارے بھائی پر آئی تو ساری ایمانداری ہوا ہوئی۔ مجھے تم سے نفرت محسوس ہونے لگی ہے۔ میں تمہاری شکل بھی دیکھنا نہیں چاہتی۔ چلے جاؤ یہاں سے۔"

مرحا اس پر غرائی تھی فرطِ جذبات سے فارس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

"مرحا تم غلط فہمی کا شکار ہو۔ وارث کا اس معاملے سے کچھ بھی لینا دینا نہیں ہے۔ میں تمہاری حالت اور تمہارے جذبات اچھی طرح جانتا اور سمجھتا ہوں۔ مگر میرا یقین کرو۔ تمہیں غلط فہمی ہو رہی ہے۔"

مرحا کو لگا اس کے دماغ کی رگیں پھٹ جائیں گی۔

" فارس یہاں سے چلے جاؤ۔ میں تم سے کوئی بات، کوئی بحث نہیں کرنا چاہتی۔"

مرحا نے ہاتھ اٹھا دیا۔ اس بات کا مطلب تھا کہ بس بات ختم۔

فارس وہاں سے چلا آیا تھا۔ مگر مختلف سوچیں اسے ہلکان کرتی رہی تھیں۔ اس کے جانے کے بعد مرحا پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ ایک بار پھر سے سارے غم اور زخم تازہ ہو گئے تھے۔ کچھ دیر بعد اس نے بڑی بے دردی سے اپنی گیلی آنکھوں کو رگڑ کر صاف کیا اور اندر احسان صاحب کے پاس آ گئی۔ اسی وقت اس کا موبائل بجا۔ مرحا نے دیکھا تو کسی انجان نمبر سے میسج آیا تھا۔ وہ ایک ایم ایم ایس تھا جسے کھولنے اور دیکھنے کے بعد مرحا وہیں قریبی صوفے پر ڈھے سی گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

احسان صاحب زیادہ دیر زندگی سے لڑ نہیں پائے اور شدید علالت کے بعد وہ انتقال کر گئے۔ روح پرواز کر گئی تو جسمِ خاکی کو بھی لحد میں اتار دیا گیا۔

مرحا کی تو پوری دنیا ہی اجڑ گئی تھی۔ وہ پچھلے تین دن سے بت بنی بیٹھی تھی۔ کچھ محلے داروں اور فارس نے مل کر ہی احسان صاحب کی تدفین کا انتظام کیا تھا۔ مرحا مسلسل

سکتے کی حالت میں تھی۔

نہ کچھ کھانے پینے کا ہوش تھا نہ ہی پہننے اوڑھنے کا۔ تین دن سے محلے کی ایک معزز خاتون بشریٰ بی اس کے پاس ٹھہری ہوئی تھیں۔ فارس بھی باقاعدگی سے روز ہی ان کی طرف آرہا تھا۔

اس کی اس حالت کو دیکھ کر وہ بے حد مضطرب تھا۔ وہ سمجھ ہی نہیں پا رہا تھا کہ وہ کیسے اس مشکل وقت میں مرحا کا ساتھ دے، اس کا خیال رکھے۔ جبکہ مرحا تو اس کی شکل دیکھنے کی بی روادار نہیں تھی۔

آج بھی وہ آیا تو مرحا لاؤنج میں بالکل اسٹیچو بنی، کارپٹ پر آلتی پالتی مارے بیٹھی ہوئی تھی۔ اسے دیکھتے ہی جیسے اس پر وحشت طاری ہوئی۔ مرحا اس پر پل پڑی تھی۔ اس کا گریبان مٹھیوں میں بھینچ کر وہ چیخنے چلانے لگی۔ گھر میں اس وقت کوئی بھی نہیں تھا۔ بشری بی اپنے گھر جا چکی تھی۔ تعزیت کے لیے بھی کوئی وہاں موجود نہیں تھا۔

"تم ایک گھٹیا انسان ہو۔ دوستی کی آڑ میں تم نے میری ساری زندگی برباد کر دی۔ تم نے اس دن فون کر کے مجھ سے مدد مانگی۔ میری اس نیکی کا صلہ تم نے یوں دیا فارس خاقان کہ تم نے مجھے پوری طرح سے برباد کر دیا۔ میری بہن تمہارے غلیظ بھائی کی ہوس کا نشانہ بن گئی اور میرا باپ اس غم اور بے عزتی کے احساس کے ساتھ ساتھ میری فکر لے کر منوں مٹی تلے جا سویا۔ یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔ تمہیں یقین نہیں ہے نا کہ تمہارے بھائی نے کوئی جرم کیا ہے؟ میں تمہیں دکھاتی ہوں۔"

مرحا کے دماغ میں جھماکا سا ہوا تھا۔ آخر کار دماغ نے کام کرنا شروع کر دیا تھا۔ وہ

اسے دور دھکیلتی کسی چیز کی تلاش میں اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔ فارس کی آنکھوں میں سرخی اتر آئی تھی۔ مرحا کی اس حالت اور بے یقینی پر اس کے دل کے ساتھ ساتھ آنکھیں بھی اشکبار تھیں۔ وہ اس کے پیچھے کمرے میں ہی چلا آیا۔ جہاں سے وہ موبائل برآمد کر کے اسی کی طرف پلٹ رہی تھی۔

اسے وہاں دیکھتے ہی مرحا کی آنکھوں میں نفرت اور حقارت در آئی۔ اپنے کانپتے وجود کو سنبھالتے ہوئے اس نے ویڈیو پر پلے کا بٹن دبایا اور موبائل فارس کے حوالے کر دیا۔

وہ ثانیہ کے ہاسپٹل کے باہر کی سی سی ٹی وی فوٹیج کا ایک چھوٹا سا کلپ تھا۔ جس میں ثانیہ فون کان سے لگائے کھڑی تھی اور پھر اچانک وارث وہاں پر وارد ہوا۔ اس کا موبائل چھین کر پھینک دیا اور ثانیہ کی تمام مزاحمت کے باوجود، وہ اسے کسی نشہ آور اسپرے کی مدد سے بیہوش کر کے اپنی گاڑی میں ڈال کر انجان راستوں پر گم ہو گیا۔

تین منٹ کی اس ویڈیو نے فارس کو ساری عمر کے لیے مرحا کی نظروں میں گر دیا۔ فارس پر دھماکا ہوا تھا۔ ذہن کی سب الجھی گتھیاں سلجھ گئی تھیں۔ جب فارس نے سی سی ٹی وی فوٹیج حاصل کرنا چاہی تھی، اس وقت اسے جو وڈیو دی گئی اس میں ایسا کچھ بھی نہیں تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ یہ ثبوت وہاں سے غائب کر دیا گیا تھا۔ پھر وہ گواہ انہیں بھی سچ کو جھوٹ میں بدلنے پر مجبور کیا گیا۔ ایسا کون کر سکتا تھا؟ اتنے اثر ورسوخ والے صرف اس کے دار جی ہی تھے۔

لیکن دار جی اس کے ساتھ اتنا بڑا دھوکا کر سکتے تھے وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ اور

وارث اتنی گری ہوئی حرکت کرنے والا شخص اس کا بھائی ہو سکتا ہے۔ فارس کو یقین نہیں ہو رہا تھا۔ مگر اب پورا سچ اس کے سامنے تھا، اپنی زندگی میں پہلی بار فارس مجرموں کی صف میں آکھڑا ہوا تھا۔ انجانے میں ہی صحیح، مگر وہ ظالموں کی فہرست میں شامل ہو گیا تھا۔

"اب میں چاہوں تو اس ویڈیو کو دنیا بھر میں نشر کر کے تمہاری پول پٹی کھول دوں۔ لیکن میں ایسا نہیں کرونگی۔ اس لیے نہیں کہ مجھے تم سے کوئی ہمدردی ہے بلکہ اس لیے کہ اب میرے پاس تو کوئی بچا ہی نہیں، جس کے لیے میں انصاف مانگوں۔ اب میرا کل اثاثہ میری نفرت ہے ۔ اس نفرت کو اپنی سانسوں کی طرح جیوں گی میں۔ فارس خاقان جس طرح تم نے مجھے برباد کیا۔ میں ویسے ہی تمہارے خاندان کو تباہ کر دونگی۔ میں تمہیں کبھی معاف نہیں کرونگی۔ میری بددعائیں ساری عمر تمہارا پیچھا کریں گی۔ تم تڑپو گے بلک بلک کر معافیاں مانگوں گے، میں تب بھی تمہیں معاف نہیں کرونگی۔ تم اس جرم کی پاداش میں تا عمر قید رہو گے۔" وہ بالکل بے رحم رویے سے کہی جارہی تھی۔ اور فارس شکست خوردہ سا سب کچھ سنتا جا رہا تھا۔

"ذلت کی جن پستیوں میں تم نے میرے خاندان کو دھکیلا ہے، اب تم ہی اس ذلت سے مجھے نکالو گے۔ اپنے دامن کی عزت سے باندھ کر۔ میرا باپ اس غم میں اس دنیا سے چلا گیا کہ اس کی بیٹی کو پوری عزت سے اپنانے والا اس دنیا میں کوئی نہیں تھا۔ لیکن فارس خاقان میں تمہاری دی ہوئی موت نہیں مروں گی۔ بلکہ میں تمہاری موت کا سامان بن جاؤنگی۔ اس بے عزتی اور رسوائی کے ذمے دار تم ہو، تمہارا خاندان ہے، اب تم ہی مجھے عزت کا کھوکھلا ٹیگ واپس دلاؤ گے۔"

مرحا فیصلہ کن لفظوں میں بول رہی تھی۔ جیسے یکدم ہی بہت کچھ سوچ لیا ہو۔ وہیں فارس زمین پر مجرموں کی طرح گھٹنے ٹیک کر بیٹھا تھا۔ اس کی آخری چند باتوں کا مطلب وہ صاف صاف نہیں سمجھا تھا۔

"تم کیا چاہتی ہو مرحا؟" بالآخر اس نے خاموشی توڑی۔

"اگر اپنے بھائی کو پھانسی کے پھندے پر لٹکتے دیکھنا نہیں چاہتے تو مجھ سے ابھی اور اسی وقت نکاح کر لو۔"

یہ کہتے ہوئے مرحا کے حلق میں کانٹے پڑ گئے۔ مگر اس کے خاندان کی تباہی کی طرف صرف یہ ہی ایک راستہ جاتا تھا۔

فارس اپنے جذبوں سے مجبور اپنی شرمندگی میں گڑھا جا رہا تھا۔ اس نے مرحا سے نکاح کر لیا مگر صرف اپنی محبت کی خاطر، اپنی غلطیوں کا ازالہ کرنے کی خاطر۔ لیکن مرحا یہ ہی سمجھتی رہی کہ فارس نے اس سے نکاح صرف اس کی دھمکی کے خوف میں آ کر لیا تھا۔

نکاح کے بعد مرحا اپنے ہی کسی ذرائع سے لندن چلی گئی تھی۔ ابھی اسے کچھ وقت درکار تھا۔ خود کو سنبھالنے کے لیے اگلا لائحہ عمل تو وہ طے کر چکی تھی۔ فارس اور اس کے خاندان کی بربادی کا مگر اس پر عمل پیرا ہونے کے لیے اسے ابھی پوری تیاری کرنی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

دو سال بعد وہ لندن سے آئی تو اس کی حالت قدرے بہتر تھی۔ مالی طور پر بھی وہ پہلے سے زیادہ مستحکم ہو چکی تھی۔ اس نے احسان صاحب کی ساری جائیداد بیچ دی۔ اپنی کمائی کی رقم شامل کرنے کے بعد اس نے فارس خاقان کی کمپنی کے 50٪ شیئرز خرید لیے تھے۔

اسے واپس آ کر ہی پتا چلا تھا کہ فارس خاقان حیدر نے وکالت چھوڑ دی تھی۔ اور اب ایک دوسرا بزنس شروع کر لیا تھا۔ اس کے اس عمل پر اسے حیرت ہوئی تھی۔

مگر اسے لگا کہ شاید فارس اپنے گناہوں پر پچھتا رہا تھا۔ لیکن وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ یہ پچھتاوہ ناکردہ گناہوں پر تھا۔

اس کی کمپنی میں برابر کا حصہ دار بننے کا صرف ایک ہی مقصد تھا، وہ حیثیت کے فرق کو مٹا کر برابری کی بنیاد پر اس سے بات کرنا چاہتی تھی۔ مرحا کے خیال میں پچھلی بار ان کی جیت ان کے رتبے کی وجہ سے ہوئی۔ اس حادثے کے بعد پیسے کی پاور پر مرحا کو بھی یقین ہو گیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

جلال نے طلاق دے کر اس زبردستی کے رشتے سے آزاد کروانے کی یقین دہانی کرواتے ہوئے ساتھ ساتھ اپنی پرانی محبت احمر سے شادی کرنے کا مفت مشورہ دیا تھا۔

ذلت کی پستیوں میں گری ہوئی اس کی اس بات پر لیزا سن رہ گئی تھی۔ قسمت نے جلال کی چاہ اس کے انگ انگ میں رچا کر اسے اس سے اس قدر بدظن کر دیا تھا۔ لیزا سے اپنی صفائی میں ایک لفظ بھی نہیں بولا گیا۔

اس نے جلال کو فوری واپس جانے کے لیے کہا تھا وہ اب وہاں اس کے ساتھ ایک پل بھی رکنا نہیں چاہتی تھی۔ جلال نے اس سے بات کرنے کی بڑی کوشش کی، مگر لیزا کچھ بھی سننے کے موڈ میں نہیں تھی۔ جلال کے اندر پل رہے اس شک سے آگاہی کے بعد، لیزا کو اس کے ساتھ ایک پل بھی گزارنا بہت مشکل لگا تھا۔

وہ وقت سے پہلے گھر آ گئے تو سب کو ان کی فکر لاحق ہونے لگی۔ مگر جلال نے لیزا کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں کہہ کر ٹال دیا۔ لیزا کے چہرے پر زردیاں گھلی ہوئی تھیں۔ وہ کہیں سے بھی خوش دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

جلال بھی چپ چپ سا تھا۔ مرزا صاحب نے محسوس کر لیا تھا مگر اس وقت کچھ بھی کہنا انہیں مناسب نہیں لگا تھا۔ لیزا کی رہی سہی طاقت بھی جلال کی اس بات سے جواب دے گئی تھی۔ اس نے بہت سی تاویلیں سوچی تھیں۔ جنہیں مرزا انکل کے سامنے پیش کر کے وہ یہاں سے آزادی کا پروانہ حاصل کر سکتی تھی۔ دو دن ہمت مجتمع کرنے کے بعد اس نے مرزا صاحب سے بات کرنے کا ارادہ کر ہی لیا، مگر تبھی غیر متوقع طور پر شہریار اور روحہ کی آمد ہو گئی وہ تین دن بعد آنے والے تھے۔

مگر اتنی جلدی کیسے آ گئے۔ سب کی طرح اس کے دل میں بھی سوالیہ نشان تھے۔ مگر یہ راز بھی فوراً ہی کھل گیا روحہ ماں بننے والی تھی۔ اس خوش خبری نے پورے مرزا ہاؤس میں خوشیاں اور رونق بکھیر دی تھی۔ ایسے میں وہ سب کی بدمزگی کا سامان نہیں بننا چاہتی تھی۔ اس لیے دل پر تھوڑے مزید عرصے کے لیے پتھر رکھ لیا۔

واپس آ کر وہ جلال سے کسی طرح کی بھی بات نہیں کر رہی تھی۔ اسکے سارے کام خاموشی سے کر دیتی اور اس کے کمرے میں آنے سے پہلے ہی سوتی بن جاتی۔ اس کی اس لاتعلقی کی وجہ جاننے سے جلال قاصر ہی تھا۔

آج بھی روحہ کے گھر والوں آئے ہوئے تھے۔ گھر بھر میں جشن کا سا سماں تھا۔ لیزا سب کے لیے کھانا تیار کر کے فارغ ہوئی تو کپڑے تبدیل کر کے نماز ادا کی۔ پھر ڈرائینگ

روم میں چلی آئی جہاں سب ہی محفل جمائے ہوئے تھے۔

"بس اب اللہ مجھے جلال کی طرف سے بھی خوشخبری سنائے۔ جلال کے بچوں کو اپنی گود میں کھلانے کا بڑا اس ارمان ہے۔" لیزا کو اندر داخل ہوتے دیکھ کر ساجدہ بیگم بولیں۔ تو چائے پیتے جلال کو زور کا اچھو لگا، جبکہ لیزا خفت سے سرخ پڑ گئی۔

"آپ کی بڑی بہو کی طرف سے ابھی کوئی خوشخبری نہیں آئی؟" روحہ کی والدہ صبیحہ خاتون یوں بولیں جیسے نا جانے کونسا گناہ سرزد ہو گیا ہو۔

"لیزا کی بڑی بہن کے ہاں تیسرا مہینہ چل رہا ہے۔ دونوں بہنوں کی قسمت بڑی اچھی ہے۔ بڑی اپنے سارے لچھن دکھا کر بھی اپنے شوہر کے ساتھ خوش بس رہی ہے اور چھوٹی آپ جیسے اعلیٰ خاندان کی بہو بن گئی۔ مقدر کی بات ہے ورنہ ایسی بدنام لڑکیوں کے ساتھ کون رشتہ جوڑتا ہے۔" وہ حارث چچی کی تھیں، اس لیے زارا اور حارث کی ساری خبر تھی۔

ان کی ایسی تلخ باتوں نے کمرے میں سکوت طاری کر دیا تھا۔ سب کو سانپ سونگھ گیا۔ صوفے پر جلال سے ذرا فاصلہ بنائے بیٹھی لیزا کو اپنا آپ زمین میں گڑھتا محسوس ہوا، تھا۔ آنسوؤں سے لبالب آنکھوں کے ساتھ وہ تذلیل کی گھٹڑی اٹھائے وہاں سے جانے لگی تو جلال نے اسے ہاتھ سے پکڑ کر روک لیا۔ خود طیش کے عالم میں اٹھ کھڑا ہوا۔

"آپ کی باتوں کا مقصد کیا ہے؟ آپ ذرا وضاحت کرنا پسند کریں گی۔ کس قسم کی لڑکیاں؟ جس لڑکی کو ابھی ابھی آپ مشکوک ٹھہرا رہی ہیں، وہ میری بیوی ہے میری عزت۔ درپردہ آپ نے میری عزت پر وار کیا ہے۔ آپ مہمان نہ ہوتیں تو یقیناً میں آپ کو ایسی

حرکت کرنے والوں کا انجام دیکھتا۔

رہی بات زارا کی تو کیا جرم کیا ہے اس نے۔ بس اپنی پسند کی شادی ہی تو کی ہے۔ آپ شاید بھول رہی ہیں آپ کی بیٹی نے بھی پسند سے ہی شادی کی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے آپ نے اپنی بیٹی کے اس جرم کا پردہ رکھا، اور زارا کے والدین نے نہیں رکھا۔ پسند کی شادی ہمارے معاشرے میں جرم ہی تو ہے۔" وہ بنا کسی لحاظ و مروت کے صبیحہ بیگم کو کرارا جواب دے رہا تھا۔ وہ تو انگلیاں دانتوں میں داب کر رہ گئیں۔

(اے یہ کمبخت ماری روحہ نے تو کہا تھا کہ اس کی جٹھانی کا شوہر اسے بالکل گھاس نہیں ڈالتا۔ پر یہاں تو منظر الٹا ہی نظر آ رہا تھا۔)

لیزا کو نیچا دکھا کر اپنی بیٹی کے نمبر اس کے سسرال میں بڑھانے کی یہ کوشش انہیں خاصی مہنگی پڑ گئی۔

"جلال بھائی آپ میری امی کے ساتھ گستاخی کر رہے ہیں اور میری بہن کا موازنہ گھر سے بھاگی ہوئی آپ کی بیوی کی بہن سے کرنے کی کوشش تو آپ کریں ہی مت۔ بیوی کی بھی خوب کہی آپ نے۔ اس زبردستی کی شادی کو تو آپ خود ہی نہیں مانتے۔ دوسروں کو باتیں بنانے کا موقع آپ نے ہی فراہم کیا ہے۔ اب جب لوگ بول رہے ہیں تو آپ کو کیوں تکلیف ہو رہی ہے۔"

روحہ سے اپنے گھر میں اپنی ماں کی بے توقیری دیکھی نہیں گئی۔ جلال سے تن کر بات کرتی روحہ شہریار کو بہت بے ادب لگی۔ شہریار کو تاؤ آ گیا۔

"روحہ بے ہیو یور سیلف۔"

"نہیں شہریار۔ آج نہیں۔ آج مجھے جلال بھائی کو من چاہی عورت اور زبردستی کے بوجھ میں فرق سمجھا لینے دو۔ سچ تو یہ ہی ہے کہ لیزا اس گھر میں کسی کی بھی خواہش پر نہیں۔ بلکہ آپ سب پر بری طرح مسلط ہو کر آئی ہے۔ جلال بھائی جب آپ اس رشتے کو مانتے ہی نہیں تو پھر اس سر درد سے ایک ہی بار میں چھٹکارا کیوں نہیں پا لیتے۔"

روحہ کے اندر پکنے والے حسد اور کینے پر سب ہی ششدر رہ گئے۔ لیزا نے کبھی بھی روحہ کے ساتھ کچھ ایسا برا نہیں کیا تھا کہ وہ اس سے اتنی نفرت کرنے لگی۔ روحہ کا انداز تکبرانہ تھا۔

"روحہ یہ میرا اور لیزا کا ذاتی مسئلہ ہے۔ تمہیں اس میں دخل اندازی کا حق کسی نے نہیں دیا۔ لیزا بھی اس عزت اور مرتبے کی مستحق ہے۔ جس کی تم۔ اس لیے خود کو لیزا سے برتر سمجھنے کی بھول چھوڑ دو۔ لیزا میری بیوی ہے۔ اس کو اس گھر میں وہی مقام حاصل ہے جو کسی بھی دوسری عورت کو ہے اور اس حقیقت کو کوئی جھٹلا نہیں سکتا۔"

اپنے حق میں لڑتے ہوئے اپنے شوہر کو لیزا نے بھیگی آنکھوں سے بڑی حسرت سے دیکھا۔ وہ اس کے لیے سب سے ٹکرا جائے گا لیزا نے کبھی سوچا ہی نہیں تھا۔ اس کو یک لخت ہی اپنا آپ ممتاز لگنے لگا۔ سچ کہتے ہیں عورت کا نام و مرتبہ اور عزت سب اس کے سر کے سائیں کی دین ہوتا ہے۔

دیر سے ہی سہی مگر جلال اسے یہ سب کچھ دے رہا تھا۔ مرزا صاحب اس وقت گھر پر نہیں تھے ورنہ شاید بات اتنی نا بڑھتی۔

"روحہ ایک لفظ بھی اور مت کہنا۔" شہریار اسے وارن کر رہا تھا۔ ساجدہ بیگم اور

صبیحہ بیگم کو معاملہ شدید گرم ہوتا محسوس ہو رہا تھا۔

"تم مجھے چپ ہونے کو کہہ رہے ہو۔ جب میری ماں کی بے عزتی تمہارا بھائی کر رہا تھا، تب تم نے انہیں نہیں روکا اور یہ تمہارے بھائی کی بیوی! اس سے میرا موازنہ کیا جا رہا ہے۔" تنفر، حقارت، احساسِ برتری، کیا کچھ نہیں تھا روحہ کے انداز میں۔

"واقعی لیزا بھابھی سے تمہارا کوئی موازنہ نہیں ہے۔ تمہاری گری ہوئی ذہنیت ان کا مقابلہ کبھی کرنے بھی نہیں دے گی۔ تم چاہے میری خواہش پر اس گھر میں بیاہ کر آئیں مگر آج تمہاری اس حرکت کے بعد مجھے اس لمحے پر پچھتاوہ ہو رہا ہے۔ جب میں نے تم جیسی سطحی سوچ کی مالک لڑکی کو اپنانا چاہا۔ کس بات پر غرور ہے تمہیں ہاں۔ کس بات پر اتراتی ہو تم ۔ٹھیک ہے تمہاری یہ خوش فہمی بھی میں دور کر دیتا ہوں۔"

شہریار نے بری طرح اسکا ہاتھ اپنے ہاتھ میں جکڑا اور پتھر بن کر کھلے منہ سے ساری باتیں سنتی روحہ کو کھینچ کر دروازے کی جانب بڑھا۔ جبکہ معاملے کی نوعیت کو سمجھتے ہوئے سب ہی اس کے پیچھے لپکے۔

" شہریار پاگل مت بنو۔" جلال نے آگے بڑھ کر شہریار کو روکا تو کلیجے پر پڑا ساجدہ بیگم کا ہاتھ بھی تھما۔ لیزا چکرا کر رہ گئی۔ جبکہ روحہ کو تو جیسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ شہریار اس کے ساتھ ایسے بھی کر سکتا ہے۔

"نہیں بھائی آج مجھے اسے سمجھا لینے دیں۔ اگر اس کی جگہ میرے دل میں ہے تو وہ ان حرکتوں سے ختم بھی ہو سکتی ہے۔ اس کے دماغ میں جو خناس بھرا ہے، وہ ایک ہی بار میں نکل جائے تو اچھا ہے۔" شہریار کسی طرح سے بھی قابو میں نہیں آ رہا تھا۔ جلال اسے

گھسیٹ کر اپنے کمرے میں لے گیا۔

روحہ کو پکڑ کر ساجدہ، ایمان اور صبیحہ بیگم اس کے کمرے میں لے گئیں۔ ان سارے واقعات کے بعد خصوصاً جلال کا اپنے لیے لڑ جانے والا انداز لیزا کے فیصلے کو پھر سے ڈگمگا گیا۔ وہ جو بس اب صبر کا دامن چھوڑ کر اس کی زندگی سے جانے والی تھی ایک بار پھر سے جذبات کی رو میں بہہ نکلی۔

دوسری طرف شہریار گھر سے چلا گیا تھا۔ ساجدہ بیگم کو روحہ کی خراب طبیعت کی فکر ہو رہی تھی۔ ایمان روحہ کے لیے دیسی گھی کا حلوہ بنا رہی تھی۔ صبیحہ بیگم بھی رات وہیں رک گئیں۔

ساری رات بیٹی کو سمجھاتی رہیں کہ وہ اب غصے میں آکر ان کے ساتھ چلنے کی ضد نہ کرے اور سسرال میں اپنے قدم جمائے۔ اپنا گھر کسی اور کے چکر میں برباد نہ ہونے دے۔ ان کی نصیحتوں کا صبح تک اس پر یہ اثر ہوا۔ کہ وہ واقعی اپنا گھر بچانے کی ہر ممکن کوشش کرنے پر آمادہ ہو گئی۔ مگر ساتھ ہی ساتھ اس نے کسی کا گھر توڑنے کا بھی مکمل عہد کر لیا تھا۔ اس بات سے بے نیاز کے کن فیکون سب دیکھ رہا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

سماجی آزادی، ذہنی پختگی، کردار کی استحکامت، سب کچھ اس حادثے میں ملیامیٹ ہو گیا۔ پیچھے بچی تھی نفرت کی زنجیریں، بدلے کا جنون اور ہر حد کو پار کروانے والا ارادہ۔

اپنے دشمنوں کے ساتھ مرحا کی کھلی جنگ شروع ہو چکی تھی۔ اب تک تو مرحا کو وار کرنے کا موقع ہی نہیں مل رہا تھا۔ مگر اب دار جی کی بڑی کمزوری اس کے ہاتھ لگی تھی۔

جائیداد اِن کی سب سے بڑی کمزوری تھی۔ پیسے اور خاندانی جاہ و جلال کے لیے وہ کچھ بھی کر سکتے تھے۔ مرحا سے فارس کی شادی ان کے خاندانی اصولوں کے خلاف تھی۔ وہ ہر ممکن کوشش کر کے فارس کو آمادہ کر رہے تھے کہ مرحا کو اپنی زندگی سے نکال پھینکے۔ مگر فارس ایسا نہیں کریگا وہ جانتی تھی۔ کیونکہ اس کے خیال میں مرحا کے قبضے میں وارث کی جو ویڈیو تھی وہ اس کے منظر عام پر آ جانے سے خوفزدہ تھا۔

حالانکہ سچ جاننے کے بعد بے شک وہ کچھ نہیں کر سکا تھا۔ مگر وارث سے ہر قسم کا تعلق توڑنے کے ساتھ ساتھ اس نے دار جی سے تعلقات تقریباً ختم کر لیے تھے۔ وہ تو حویلی آنے جانے تک کا روادار نہیں تھا۔ مگر ماں کی محبت اسے کھینچ لاتی۔

ان کی اس کاوش کے منظر عام پر آنے کے بعد سے مرحا خاص طور پر آج فارس کا ہاتھ تھام کر ان کے سامنے سے گزری تھی۔ یقیناً ان کے دل پر سانپ لوٹ گئے تھے۔

"باغیچے میں کون سا گل کھلانے کا ارادہ ہے۔" فارس نے اس کے ہاتھ پکڑنے کی طرف اشارہ کیا۔ وہ اس وقت حویلی کے باغیچے میں موجود ٹہل رہے تھے۔ تمہارے لیے میں کوئی گل کھلاؤں گی یہ تمہاری خوش فہمی ہے۔ تمہارے لیے مرحا احسان صرف کانٹے ہی اگا سکتی ہے۔ وہ اس کا ہاتھ تو ہنوز اپنے ہاتھ میں لیے ہوئے بولی۔

تو فارس نے اپنے چاروں اطراف نگاہ دوڑائی تو ذرا فاصلے سے دار جی کو اپنے خاص آدمی کے ساتھ گزرتے دیکھ کر سارا ماجرہ سمجھتے ہوئے وہ محفوظ کن سی ہنسی ہنس دیا۔ اس نے مرحا کی اس حرکت کو بہت انجوائے کیا۔

"دانت کیوں نکوس رہے ہو۔ یہ بتاؤ اندر اپنے والد ماجد کے ساتھ مل کر کیا کھچڑی

پکار رہے تھے۔" مرحا نے اب اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

"کچھ زیادہ نہیں بس دار جی مجھ سے پوچھ رہے تھے کہ وہ میری شادی کی تاریخ کون سی رکھیں۔" وہ بالکل سیریس لگ رہا تھا۔ لحظے بھر کو مرحا کا دل دہل سا گیا۔

" مگر تمہاری شادی تو ہو چکی ہے۔" مرحا اسے جتا رہی تھی، یا دھمکا رہی تھی۔ اسے سمجھنا مشکل لگا۔

"دوسری شادی۔۔۔" فارس نے انجان بنتے ہوئے وضاحت کی۔

"تو پھر تم نے کیا کہا؟" اندر ہی اندر مرحا کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔

"مجھے کیا کہنا چاہیے تھا؟" مرحا کو فارس کا دماغ خلاؤں میں محسوس ہوا۔

"تمہیں فوراً انکار کر دینا چاہیے تھا۔ و"ہ روانی میں کہہ گئی۔

فارس نے اسے کن اکھیوں سے دیکھا مرحا کے طوطے اُڑے ہوئے تھے۔

"دار جی بے حد سخت ہیں انہیں میں انکار نہیں کر سکتا۔ انکار کی صورت میں وہ حویلی کے پچھواڑے میں بنی کال کوٹھری میں مجھے اور تمہیں دونوں کو پھینکوا دیں گے اور زر مینے سے شادی کیے بغیر وہ ہمیں یہاں سے جانے نہیں دیں گے۔

بھاگنے کا بھی کوئی راستہ نہیں، ہر دروازے پر دار جی کے سدھائے ہوئے وفادار کتے پہرا دیتے ہیں۔ مجھے تو بچپن سے ہی کتوں سے بہت ڈر لگتا ہے۔"

"یعنی تم کسی بھی مزاحمت کے بغیر دوسری شادی کر لو گے؟" مرحا کی آواز صدمے میں ڈوب کر ابھری۔

"ہاں! اس کے سوا کوئی چارہ بھی تو نہیں ہے۔ ویسے بھی اب تم تو مجھے شوہر والا کوئی

حق دیتی نہیں، ایسے میں میں کب تک تنہا زندگی گزار سکتا ہوں۔ ہر مرد کو ایک ایسی عورت کی ضرورت ہوتی ہے جو اس سے محبت کرے ،اس کا خیال رکھے، اس کا ساتھ دے، اگر باغیچے میں ساتھ ٹہل رہی ہو تو دکھاوے کے لیے نہیں، بلکہ پورے دل سے اس کا ہاتھ تھامے۔" آخری جملہ اس نے مخمور سے لہجے میں ادا کیا۔ مرحا سٹپٹا گئی۔

"ٹھیک ہے۔ بھاڑ میں جاؤ اور کر لو شادی۔ ویسے بھی تم مردوں سے زیادہ بے وفا، بد دیانت انسان کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا۔ مردوں میں صرف وہی شریف ہیں جنہیں کبھی اپنی شرافت گنوانے کا موقع نہیں ملا۔ تمہیں موقع مل رہا ہے تو دکھا لو تم بھی اپنا اصل رنگ، اچھی طرح دکھا لو۔" مرحا پیر پٹختی وہاں سے چلی آئی۔ مگر اب کمرے میں بیٹھی نئے سرے سے کڑھ رہی تھی۔

"کمینہ ، آوارہ، دو نمبر انسان،۔" یہ الفاظ یقیناً فارس کی شان میں استعمال ہو رہے تھے، اس کی دوسری شادی کی بات مرحا سے برداشت نہیں ہو رہی تھی۔ یہ بات اسے واضح طور پر معلوم ہو گئی تھی کہ اس کے دل میں اب بھی فارس کے لیے محبت دبی ہے، جو اسے کسی اور کا ہوتا نہیں دیکھ سکتی۔

اور موقع ملتے ہی اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

" اتنا سب ہونے کے باوجود بھی۔۔۔ آخر کیوں۔۔۔" اس نے خود سے سوال کیا مگر فارس نے جو کچھ بھی کیا سچ سے انجان رہتے ہوئے کیا۔ دل اس کی وکالت پر اتر آیا۔

"لیکن سچ جاننے کے بعد بھی اس نے کیا کیا آخر؟" ایک اور سوال۔

مجھ سے شادی کی اپنی عزت بنایا یہ ہی تو کر سکتا تھا وہ۔ ایک اور وضاحت۔

"یہ سب کچھ اس نے تمہاری خاطر نہیں، اپنے بھائی کے لیے کیا۔" سوال وجواب کا لمبا چوڑا سلسلہ ہی چل نکلا۔ مرحا کے اندار ایک جنگ چھڑ چکی تھی۔ مگر فارس کی دوسری شادی کے اندیشے نے ایک بات تو ثابت کر دی کہ:

عشق آنے جانے والا جذبہ نہیں ہے، عشق تو ایک تسلسل کی طرح ہے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے قائم و دائم، بدگمانیوں اور نفرتوں کی کثافتیں لاکھ جم جائیں مگر محبت مٹی کا وہ دیا ہے، جس کی مدھم مدھم لو تمام تر کٹھنائیوں کے باجود جلتی رہتی ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

روح نے شہریار سے معافی مانگی، جس پر شہریار نے اسے لیزا اور جلال سے معافی مانگنے کو کہا،۔وہ بدکی تو ضرور مگر شہریار کا اعتماد اور پیار واپس پانے کے لیے اس نے جلال سے معافی مانگ لی۔

"روحہ تم بالکل میری چھوٹی بہن جیسی ہو اور چھوٹوں سے نادانیاں تو ہوتی رہتی ہیں۔ تمہیں اپنی باتوں کے غلط ہونے کا احساس ہو گیا۔ اس کے علاوہ ہمیں کچھ نہیں چاہیے۔" جلال نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر پورے احترام سے کہا۔

روحہ نے بڑی مشکل سے سب کچھ برداشت کیا۔ لیزا نے بھی اسے معافی مانگنے سے روک کر گلے لگا لیا۔ سب کچھ ٹھیک ہوتے دیکھ کر سب کا موڈ اچھا ہو گیا، ماسوائے روحہ کے کیونکہ اس کے اندر حسد کا پودہ بہت مضبوط جڑیں پکڑ چکا تھا۔

وہ اب صرف لیزا اور جلال کو نیچا دیکھانا چاہتی تھی۔ صرف ان دونوں کی وجہ سے ہی تو شہریار اسے گھر سے نکالنے والا تھا۔ سب کے بیچ ہوئی اپنی بے عزتی کا بدلہ تو وہ ہر

صورت لینا چاہتی تھی۔ لیکن فی الحال خاموشی سے وہ سب کچھ برداشت کر رہی تھی۔ ایسا کرنا مجبوری بھی تھا اور ضروری بھی۔

دوسری طرف لیزا ایک بار پھر سے اسی کشمکش میں مبتلا ہو چکی تھی کہ آخر اب وہ کیا فیصلہ کرے۔ جلال کی باتوں نے جہاں لیزا کو اس سے مزید متنفر کر دیا تھا، وہیں اس کی وکالت پر لیزا کو پھر سے ڈھارس سی محسوس ہوئی تھی۔

وہ بیڈ پر بیٹھی پیروں کی کیو ٹکس کھرچ رہی تھی جب جلال اندر آیا۔ حسبِ معمول سگریٹ کا دور چلا تو سگریٹ کی بدبو اور دھوئیں سے کمرا بھر گیا۔ اسی وقت جلال کو آفس سے ضروری کال آ گئی تو فون کان سے لگائے کمرے سے باہر نکل گیا۔ شاید اسے مرزا صاحب سے کچھ ضروری باتیں ڈسکس کرنی تھیں۔

لیزا نے اسے جاتے ہوئے دیکھا ساتھ ہی سگریٹ کے آدھے ادھورے ٹکڑوں سے بھرے ایش ٹرے پر نظر پڑی، دماغ میں ایک کوندا سا لپکا۔ اس نے اٹھ کر وہ سگریٹ اپنے ہاتھ میں لیا جسے جلال ادھورہ جلتا چھوڑ کر تیزی سے نکل گیا تھا۔

آخر سگریٹ میں ایسی کون سی لذت ہے جو جلال اس کا متوالا بنا رہتا ہے۔ آج وہ جان ہی لینا چاہتی تھی۔ سگریٹ ہونٹوں سے لگا کر اس نے گہرا کش لیا اور دھواں خارج کرنے کی کوشش میں کھانسی کا شدید پھندا اس کے گلے میں جا لگا۔ وہ سینے پر ہاتھ رکھے زور زور سے کھانسنے لگی۔ جلال نے دروازے میں کھڑے اس کی اس حرکت کو بخوبی دیکھا۔

(اسے کمرے سے کچھ ڈاکومنٹس چاہیے تھے انہیں کی تلاش میں الٹے قدموں لوٹا تھا)

جلال نے فوراً آگے بڑھ کر سائیڈ ٹیبل پر رکھے پانی کے جگ سے گلاس بھر کر اس کے لبوں سے لگایا۔

لیزا نے ایک ہی سانس میں آدھا گلاس خالی کر دیا۔ ساتھ ہی جلال نے اس کی کمر کو اپ نے ہاتھ سے تھپتھپا کر اس کی کھانسی کا زور کم کرنے کی کوشش کی تھی۔ لیزا کو اس طبی مدد سے فوری آرام ملا، وہ ہانپتی ہوئی صوفے پر بیٹھ گئی۔

"یہ تجربہ کرنے کو تمہیں کس نے کہا تھا؟" اب وہ سختی سے اسے ڈانتا ایش ٹرے کو ڈسٹ بن میں خالی کر رہا تھا۔

" آپ جو سگریٹ کے ساتھ اتنا پیار بھرا سلوک کرتے ہیں، اسے خود سے جدا ہی نہیں ہونے دیتے، میں نے سوچا اس تبرک سے میں بھی فیض یاب ہو جاؤں۔" وہ جل بھن کر بولی۔

"سگریٹ سے یاری خالصتاً مردانہ جذبہ ہے، اس لیے بہتر ہے تم اس سے دور ہی رہو۔" اسے تاکید کر کے جلال نے دراز سے اپنے مطلوبہ کاغذات نکالے اور باہر نکل گیا۔

لیزا نے نہایت کینہ توز نظروں سے سائیڈ ٹیبل پر پڑی سگریٹ کی ڈبی کو گھورا، ایک سوٹے سے ہی اس کے ہوش ٹھکانے آ گئے اور جلال سگریٹ پر سگریٹ پھونکے چلا جاتا تھا۔

انسانی صحت کے لیے یہ کس قدر خطرناک عمل ہے اس سے پہلے بھی وہ واقف تھی مگر آج عملی طور پر بھی اس بات سے آگاہ ہو گئی۔ مگر اب وہ جلال کو کس طرح اس سے روکے، اصل مسئلہ تو یہ تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

اس وقت فارس اپنے دار جی اور اماں بی کے ساتھ ہال کمرے میں بیٹھ کر کوئی میٹنگ کر رہا تھا۔ وارث کو مرحا کی آمد کا پتا تھا، دار جی نے اسے چند دن حویلی میں آنے سے روک دیا تھا۔ وہ زمینیوں پر ہی اوطاق میں ٹھہرا ہوا تھا۔ پہلے دن وارث کی بیوی اور بیٹی سے مرحا کی سرسری سی ملاقات ہوئی تھی، اس کے بعد سے وہ نظر ہی نہیں آئیں۔

مرحا کو وارث کی بیوی پر حیرت بھی ہوئی اور ترس بھی آیا، کیسے وہ ایک درندہ صفت انسان کے ساتھ زندگی گزار رہی ہے۔ کتنی لاچار اور مجبور عورت ہے، جسے اپنے حقوق کے لیے آواز تک اٹھانے کی اجازت نہیں، مرحا کو اس گھٹن زدہ ماحول میں آکر اچھی طرح سے سب سمجھ آنے لگا تھا۔

فارس کو سب کے نرغے میں گھرا دیکھ کر وہ بھی بنا اجازت، بنا کسی دستک اندر داخل ہو گئی۔ اسے دیکھ کر دار جی مزید سیخ پا ہو گئے۔

" فارس تمہارا نکاح ہم آج ہی زر مینے سے کریں گے اور یہ ہمارا آخری فیصلہ ہے، ہم نے اپنے بھائی کو زبان دے رکھی ہے۔ بارات آج اس کی حویلی ضرور جائے گی۔ "

انہوں نے فارس کو حکم صادر کرتے ہوئے درپردہ مرحا کو سنایا کہ اس کا پتہ جلد ہی کٹنے والا ہے۔ فارس صوفے پر اکڑوں بیٹھا ہوا تھا، برابر میں اس کی اماں جی بیٹھی تھیں جبکہ مرحا ہال کے وسط میں کھڑی تھی۔ دار جی پشت پر ہاتھ باندھے کھڑے تھے۔

"فارس یہ شادی ہرگز نہیں کرے گا۔" مرحا پورے یقین سے بولی۔

"تمہارا اس مسئلے سے کوئی تعلق نہیں لڑکی۔" وہ گرجے مرحا پر کوئی اثر نہیں ہوا۔

" اس معاملے سے آپ کا کوئی تعلق نہیں خاقان صاحب!" مرحا نے ان کو ان کے

نام سے مخاطب کیا وہ مر کر بھی ان سے کوئی رشتہ نہیں جوڑ سکتی تھی۔

"فارس میرا شوہر ہے اور میں اس کی بیوی۔ اپنی زندگی کا فیصلہ ہم خود کریں گے۔ آپ اس طرح منہ اٹھا کر کسی بھی لڑکی سے فارس کی شادی نہیں کروا سکتے۔"

"فارس تم دیکھ رہے ہو اس لڑکی کی زبان درازی،۔" دار جی کا خون جل گیا۔

"دیکھ رہا ہوں دار جی! اگر آپ کسی لڑکی کے شوہر کی دوسری شای کے پروگرام بنائیں گے تو وہ سکون سے تو نہیں بیٹھے گی، دل کو تکلیف پہنچے گی تو پھر زبان کا استعمال تو ضروری ہو گا۔" فارس نے بڑے اطمینان سے کہا تو مرحا کو تنہائی میں جیسے ایک سہارا میسر آ گیا۔

"ٹھیک ہے فارس! پھر تم بھی کان کھول کر سن لو اگر تم نے زر مینے سے آج شام نکاح نہ کیا تو میں تمہاری ماں کو نہ صرف طلاق دوں گا، بلکہ ملازموں سے بدتر زندگی اس کا مقدر بنا دوں گا۔" ان کے لہجے میں تکبر کی لہر دوڑ رہی تھی۔

"میرے جیتے جی میری ماں کے بارے میں ایسی بات کرنے کی دوبارہ جرات بھی مت کیجئے گا دار جی!" فارس ماں کی محبت میں تڑپ اٹھا جبکہ اماں بی کی پلکیں نم ہو گئیں۔

"میری جرات کا تمہیں اچھی طرح اندازہ ہے۔ میں کیا کیا کر سکتا ہوں۔" دار جی کا انداز بہت کچھ جتاتا ہوا اور چیلنجنگ تھا۔

"لیکن خاقان صاحب شاید آپ نہیں جانتے میں کیا کیا کر سکتی ہوں۔" دو پل رک کر مرحا نے کمرے میں پھیلے سکوت کو توڑا۔

"آپ کے غلیظ بیٹے کی غلاظت کا ٹھوس ثبوت ہے میرے پاس۔"

(میں نے تو سارے ثبوت مٹا دیئے تھے۔ پھر یہ کس بارے میں بات کر رہی ہے۔)

خاقان صاحب کے دماغ میں پورا ماضی فلم کی طرح چلنے لگا۔

"ہونہہ! آپ سوچ رہے ہوں گے آپ کے ثبوت مٹانے کے بعد بھی آخر ایسا کون سا ثبوت ہے جو میرے ہاتھ لگ گیا؟

انسان خدا نہیں ہے۔ آپ نے خدا کے اقتدار کو للکارا تھا، خدا نے آپ کی اوقات آپ کے منہ پر دے ماری۔ آپ نے سی سی ٹی وی فوٹیج غائب کروای تھی لیکن دیکھئے جس شخص سے آپ نے یہ کام کروایا اس نے ہی دوہری رقم وصول کر کے وہ ویڈیو مجھے بھیج دی۔ آپ کو میری بات کا یقین نہیں ہو رہا ناں۔ ٹھہریے۔" مرحا نے انہیں یقین دلانے کے لیے ہاتھ میں پکڑے موبائل پر ویڈیو آن کر کے موبائل ان کی آنکھوں کے سامنے لہرایا۔

مرحا کے پاس ثبوت تھا، اس لیے آج فتح اس کا مقدر ٹھہری۔ وہ زرد پڑتے دارجی کو استہزائیہ نظروں سے دیکھنے لگی، ان کی ایسی حالت دیکھنے کی تو اسے تمنا تھی۔

اگلے ہی ثانیے انہوں نے موبائل اس کے ہاتھ سے جھپٹ کر زمین پر بری طرح سے پٹخ دیا ایک پل کے لیے وہ ان کی اس حرکت پر سن ہوئی مگر پھر طنزیہ سی ہنسی ہنس دی۔

"حیرت ہے، اتنے بڑے وکیل کے باپ کو اتنا بھی علم نہیں۔ ایسی چیزیں دس دس جگہ پر رکھوائی جاتی ہیں۔ آپ کہاں کہاں سے ڈیلیٹ کریں گے۔ خیر آج کی گفتگو کا یہ نتیجہ نکلا کہ کسی بھی صورت میں آپ فارس کی دوسری شادی کرنے میں کامیاب نہیں ہونگے۔

اگر آپ نے ایسی کوئی کوشش کی تو میرے خفیہ لوگ میرے یہاں ہونے کے باوجو میرے بس ایک اشارے پر آپ کے بیٹے کی ساری پول پٹی کھول دیں گے۔

اس سے پہلے کہ میری جان پر کوئی حملہ کر کے یا مجھے قید کر کے آپ مجھ سے چھٹکارا پانے کی کوشش کریں، میں آپ کو یہ بھی بتا دوں کہ میری موت یا گمشدگی کی صورت میں یہ ویڈیو لیک ہو جائے گی۔ چونکہ مجھے آپ لوگوں سے جان خطرہ ہے لہذا میں ایک بیان ریکارڈ کروا چکی ہوں اس لیے ایسی بے وقوفی کے بارے میں سوچیے گا بھی مت۔"

آج کی عدالت میں وکیل، گواہ اور جج تینوں کے کردار اسی نے نبھائے تھے۔ اس لیے اپنا فیصلہ ان پر بجلی کی طرح گرا کر وہ چلی گئی۔ واپسی پر ایک بار بھی اس کے قدم ڈگمگائے نہیں کیونکہ بدلہ تو اب شروع ہوا تھا۔

اور بدلہ وارث کی لاش دیکھ ہی پورا ہو سکتا تھا۔ مر حا چاہتی تو وارث کو اپنے ہاتھوں سے قتل کر سکتی تھی مگر یہ خدائی صفت ہے، وہ کیسے اللہ کے اختیار کو اپنے ہاتھ میں لیتی۔ ہاں مگر جتنی تکلیف ان لوگوں کو پہنچا سکتی تھی پہنچا رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

الشبہ یہیں کراچی میں جاب کر رہی تھی، اس کا گھر لاہور میں تھا۔ لیزا کو برباد کرنے کے لیے روحہ کو الشبہ کی ضرورت تھی۔ سب سے پہلے اس نے الشبہ سے ملنا جلنا شروع کیا۔ جلال میں الشبہ کی دلچسپی روحہ نے واضح محسوس کی تھی اس لیے اس کے اندر کی ٹوہ لینے میں لگی رہی۔

"تم چاہو تو جلال اب بھی تمہارا ہو سکتا ہے۔" ایک دن باتوں باتوں میں روحہ نے الشبہ کی دکھتی رگ کو چھیڑا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب بہت سادہ ہے۔لیزا کے ساتھ جلال ایک زبردستی کا بندھن نبھا رہا ہے وہ خوش نہیں ۔اگر تم چاہو تو جلال کو وہ محبت دے سکتی ہو، جس کی اسے تلاش ہے۔بس ایک آسرہ چاہیے انہیں تاکہ وہ لیزا کو اپنی زندگی سے نکال باہر کریں۔" روحہ نے ساری تفصیل چند جملوں میں لپیٹ کر اس کے گوش گزار کی تو وہ گہری سوچ میں ڈوب گئی۔

"سوچنے کا وقت نہیں ہے، اگر سوئی ہوئی قسمت پھر سے جگانا چاہتی ہو تو اس سے اچھا موقع تمہیں نہیں ملے گا۔" روحہ کو اپنے آئیڈیے پر عمل ہوتا دیکھنے کی جلدی تھی۔

"لیکن میری اتنی فکر تمہیں کیوں ہے؟" الشبہ سوچ میں تھی آیا روحہ کی باتوں پر یقین کرے یا نہ کرے۔

"تم سچ کہہ رہی ہو! مجھے تمہاری فکر سے زیادہ اپنی پرواہ ہے، میں لیزا کو اس گھر میں برداشت نہیں کر سکتی۔" روحہ جس انتقام کی آگ میں جل رہی تھی، اس نے الشبہ کو بھی اس سے آگاہ کرنے کی ٹھان لی، یوں بھی اسے اپنا راز بتا کر ہی روحہ کو اعتماد میں لے سکتی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

جلال آفس میں بیٹھا انتہائی ضروری امور نبٹا رہا تھا، جب پی اے نے فون پر الشبہ کی آمد کی اطلاع دی۔

جلال نے اسے فوری اندر بھیجنے کا کہا تو دو منٹ کے وقفے سے وہ اس کے روم میں داخل ہوئی۔جلال نے اپنی سیٹ سے کھڑے ہو کر اس کا پرتپاک استقبال کیا۔

"آج یہاں کا راستہ کیسے بھول گئی۔" کچھ دیر بعد جلال نے خوش مزاجی سے پوچھا۔

"راستہ تو تم بھول گئے ہو، میں تو بس یاد دلانے آئی ہوں۔" الشبہ کی ذو معنی بات کا مطلب وہ سمجھ نہیں سکا مگر شانہ جھٹک کر اس موضوع کو مزید نہ چھیڑا۔

"دراصل مجھے تمہاری مدد درکار ہے۔" جلال کافی آرڈر کر کے واپس اس کی جانب متوجہ ہوا تو وہ بولی۔ انداز میں تھوڑی سی رقت طاری کر لی۔

"خیریت!" بحیثیت دوست وہ اس کے لیے فکر مند ہوا۔

"دراصل میں جس فلیٹ میں رہ رہی تھی۔ وہ جگہ اب بک چکی ہے اور نئے مالک وہاں خود شفٹ ہو رہے ہیں۔ اتنی ایمر جنسی میں یہاں کوئی موزوں جگہ نہیں ہے، اگر تمہیں کوئی اعتراض نہ ہو تو کیا میں صرف چند دن کے لیے تمہارے گھر پر رہ سکتی ہوں؟

تم سے قبل میں نے روحہ سے بات کی تھی، آخر وہ میری کزن ہے مگر وہ جھجک رہی ہے، اس کی سسرال کا معاملہ ہے، سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا اس کی مجبوری ہے۔ لیکن وہ گھر چونکہ تمہارا اپنا ہے اس لیے تم چاہو تو چند دن کی پناہ دے سکتے ہو۔" یہ شاطرانہ آئیڈیا اس کے اپنے دماغ کی پیداوار تھا۔

جلال تذبذب کا شکار ہوا۔ وہ اسے انکار نہیں کرنا چاہتا تھا جبکہ گھر پر بھی یہ بات شاید سب کو ناگوار گزرتی ایسے میں وہ تھوڑا پریشان ہوا۔

"اگر تم نہیں چاہتے تو کوئی بات نہیں۔ میں کہیں اور کوشش کر لیتی ہوں۔" الشبہ بیچاری بنی بیٹھی تھی۔ مجبوراً جلال کو حامی بھرنی پڑی۔ شام کو جب وہ گھر پہنچا تو اس کے ہمراہ سامان باندھے کھڑی الشبہ کو دیکھ کر لیزا کے رنگ اڑے۔

"یہ چند دن کی مہمان ہیں، مجبوری میں یہاں ٹھہرنے آئی ہے۔" وہ سب کو الشبہ

کے بارے میں بتا چکا تھا مگر لیزا کو خصوصاً سب کے سامنے پتا نہیں کیا سوچ کر وضاحت دی۔
لیزا کو الشبہ کا وہاں آنا کھٹکا گیا، وہ کیسی لڑکی ہے ایک پرائے مرد سے اس کے گھر رہائش کی ڈیمانڈ کرنے والی۔ مگر جلال نے بھی تو اسے انکار نہیں کیا۔
لیزا کی ٹوٹتی بکھرتی زندگی میں ایک نئی مصیبت کا اضافہ ہو گیا۔ الشبہ کو گیسٹ رومک میں ٹھہرایا گیا، روحہ اس کی آؤ بھگت میں لگی ہوئی تھی۔ لیزا یوں ظاہر کر رہی تھی جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔
"شہریار بھائی آج آپ ہمیں گول گپے کھلانے لے کر چلیں۔" ایمان نے شام کے اوقات میں شہریار سے فرمائش کی۔
" ایک تو تم لڑکیوں کی سمجھ نہیں آتی مجھے۔ فرمائش بھی کرنی ہو تو اتنی لو اسٹینڈرڈ یعنی اب مجھ جیسا ہیرو آدمی ایک معمولی ریڑھی پر کھڑا ہو کر گول گپے کھا رہا ہو گا۔ تو لڑکیوں پر کیسا تاثر پڑے گا۔"
"شہریار بھائی زیادہ مت بولیں، میں نے ابھی روحہ کو بتا دیا ناں تو عقل درست کر دیں گی آپ کی وہ۔"۔۔ ایمان نے آنکھیں دیکھائیں تو شہریار نے باقاعدہ ہاتھ جوڑ دیئے وہ چلنے پر تیار ہو گیا۔ روحہ کو بھی اس پروگرام میں شامل کر لیا گیا۔
"گھر پر کوئی نہیں ہے۔ مرزا انکل واک پر گئے ہیں اور ساجدہ آنٹی اپنی کسی سہیلی کی عیادت پر۔ تمہارے پاس اچھا موقع ہے۔" روحہ نے کہتے ہوئے اشارے کنایوں میں اسے کچھ سمجھانا چاہا تھا۔
"اور لیزا۔۔۔" جواباً پوری بات سمجھ کر الشبہ نے لیزا کی موجودگی کا پوچھا۔

"اس کی تم فکر مت کرو۔" روحہ نے تسلی دی۔ روحہ نے لیزا کو مجبور کیا کہ وہ ان کے ساتھ چلے۔

"میں پھر کسی وقت جلال کے ساتھ چلی جاؤں گی۔" لیزا کو روحہ سے کوئی خار نہیں تھی مگر گزری تمام باتوں کے بعد وہ اب روحہ اور شہریار سے کچھ فاصلے پر ہی رہتی تھی۔ لیزا نہیں چاہتی تھی کہ اس کی کسی بھی مداخلت سے روحہ اور شہریار کی زندگی میں کوئی بدمزگی پیدا ہو۔

"میرے سر میں شدید درد ہے لیزا۔ ورنہ میں تمہارے ساتھ چلتا، جلال بھی وہیں موجود تھا۔ تم ابھی چلی جاؤ سب کے ساتھ، میں تمہیں پھر کبھی لے جاؤں گا۔ اس وقت تو نہیں جا پاؤں گا۔"

جلال کے واقعی سر میں درد کی ٹیس اٹھ رہی تھی، کچھ دیر پہلے ہی اس نے خاص فرمائش پر لیزا اسے چائے بنوا کر پی تھی۔ سب کے اصرار پر اسے ماننا پڑا۔

"الشبہ سے بھی پوچھ لیتے۔" لیزا کو خیال گزرا۔ بے شک وہ اسے اچھی نہیں لگتی تھی مگر آدابِ میزبانی اپنی جگہ۔

"وہ تو سو رہی ہے۔" روحہ نے فوراً کہا۔ مبادا کوئی اندر اسے بلانے نہ چلا جائے۔ اتنی جلدی الشبہ کے سونے کا سن کر لیزا کو حیرت ضرور ہوئی مگر بنا کچھ بولے وہ شہریار، ایمان اور روحہ کے ساتھ چل پڑی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

اس شام واقعی فارس کا نکاح نہیں ہوا، کچھ بھی تھا دارجی مرحا کے رعب میں آگئے

تھے۔ بیٹے کی جان اور خاندان کی عزت نے انہیں مرحا کی بات ماننے پر مجبور کر دیا تھا۔

جبکہ فارس نے مرحا کی دھواں دھار پرفارمنس پر اسے کمرے میں آکر تالیاں بجا کر داد دی۔

"آج تم نے ثابت کر دیا، تم بیرسٹر فارس خاقان حیدر کی بیوی ہو۔" درمیان میں اگر اتنے نشیب و فراز حائل نہ ہوئے ہوتے تو یقیناً مرحا کو اس کی اس بات پر فخر محسوس ہوتا۔

"ویسے میری دوسری شادی کا سن کر تم اتنا جذباتی کس لیے ہو رہی تھیں؟" پوچھ گچھ کا سلسلہ شروع ہوا۔

"تمہارے معاملے میں میرے سارے جذبات ابدی نیند سو چکے ہیں۔" جواب ٹھاہ کر کے لگا۔

"کوئی بات نہیں ان سوئے ہوئے جذبوں کو میں کبھی نہ کبھی جگا ہی لوں گا۔" وہ پُر عزم تھا۔

"بھول ہے تمہاری۔ تم دھوکے باز آدمی ہو تمہارے لیے میرے دل میں کوئی جگہ نہیں۔" وہ گردن اکڑا کر بولی جیسے ناک سے مکھی اڑائی ہو۔

"جو ناممکن کو ممکن نہ بنا سکے وہ فارس ہی کیا۔" وہ بھی ترنگ میں گویا ہوا۔

"تو پھر جاؤ، پہلے میرے لیے انصاف مانگ کر لاؤ۔ میرے مجرموں کو کڑی سے کڑی سزا دلواؤ۔ جس کے وہ مستحق ہیں۔ تم اتنے سچے اور پاکباز بنتے ہو تو آج تک اپنے بھائی کو قانون کے کٹہرے میں لا کر کیوں کھڑا نہیں کیا تم نے؟ اب تو میں ثبوت بھی مہیا کر چکی

ہوں تمہیں۔ اب کون سا بہانہ بناؤ گے۔"

وہ اسے آزمار ہی تھی اور اس بار فارس بھی اس کی آزمائش پر کھرا اترنا چاہتا تھا۔ ویسے بھی مجرموں کے حق میں کھڑا ہو کر وہ اتنا دلبر داشتہ ہوا تھا کہ اس کے بعد سے کبھی کورٹ نہیں جاسکا۔ اس پیشے کو ہی خیر باد کہہ دیا مگر اب وہ پھر سے اس قابل بننا چاہتا تھا کہ کمرہ عدالت میں کھڑا ہو کر بنا گھبرائے، جج کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے پورے سچ کو مکمل ایمانداری سے بیان کر سکے۔

"نکاح کے فوراً بعد تم منظر عام سے غائب ہو گئی تھیں مرحا! جب انصاف مانگنے والے ہی انجان راستوں پر گم تھے تو پھر انصاف بانٹنے والے کیا کرتے اور جب سے تم واپس آئی ہو۔ بس مجھ سے ہی بدلے لینے پر تلی ہوئی ہو، اصل مجرموں کو ان کے کیفرِ کردار تک پہنچانے کی تم نے کوئی کوشش ہی نہیں کی۔"

اس کے ایک ایک لفظ پر مرحا کو یقین کرنا جگر گردے کا کام لگا۔ کیا واقعی وہ اس کا ساتھ دینے کی بات کر رہا ہے وہ بھی اپنے ہی بھائی کے خلاف اور مرحا کے حق میں۔

"مرحا یہ مت سوچو، کہ میں اپنے خون، اپنے بھائی کے خلاف اس محاذ پر کیسے لڑوں گا۔ کیونکہ میں اپنے بھائی کے خلاف نہیں کھڑا، میں ایک گھناؤنے جرم کے خلاف کھڑا ہوا ہوں، مظلوموں کے حق میں انصاف کے ساتھ ایک منصف کی حیثیت سے کھڑا ہوں۔ کوئی بھی چیز مجھے پیچھے ہٹنے پر مجبور نہیں کر سکتی۔" یہ سب کہتا ہوا وہ بالکل پرانا فارس لگا، شروع شروع میں وہ اس کی ایسی باتوں سے متاثر ہوا کرتی تھی، آج بھی اس کی باتوں نے سحر سا طاری کر دیا۔ مرحا نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"مجھے سبز باغ دکھا کر اگر تم مکر گئے تو۔" مرحا کے دل و ماغ میں بے یقینی پھیلی ہوئی تھی۔ فارس نے اس کا ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھوں میں لیا۔

"بس ایک آخری مرتبہ مجھ پر اعتماد کر کے دیکھو۔" فارس ملتجی تھا۔ اس کے انداز و اطوار میں کوئی ایسی بات ضروری تھی جس نے مرحا کو یقین کر لینے پر مجبور کر دیا۔

خصوصاً دو ہی روز بعد جب فارس نے کیس ری اوپن کروانے کا پورا بندوبست کیا تو مرحا کا یقین کچھ مضبوط ہوا۔ وہ دونوں صبح سویرے ہی حویلی کو خیر باد کہہ کر یہاں سے جانے والے تھے۔

مرحا گہری نیند سو رہی تھی جب یکدم گھٹن کے احساس سے اس کی آنکھ کھلی۔ دیوار گیر وال کلاک پر نظر پڑی تو رات کے دو بج رہے تھے۔ ساتھ ہی نظر چھت سے ٹکرائی جہاں پیلی سی چھپکلی رینگ رہی تھی مرحا کرنٹ کھا کر اٹھ بیٹھی۔

فارس کو دیکھا تو وہ گہری نیند سو رہا تھا وہ حسبِ معمول صوفے پر سوئی تھی اور فارس پلنگ پر۔ سوتے ہوئے وہ ہر غم و پریشانی سے بالکل غافل لگ رہا تھا۔ مرحا کا دل اسے جگانے کو نہیں چاہا اس لیے مرحا گرم چادر اوڑھ کر کمرے سے باہر نکل آئی۔

باہر پھیلی ٹھنڈک نے تازگی کا احساس بخشا۔ مرحا نے طویل راہداری سے گزر کر بائیں طرف بنا ہوا چھوٹا سا باغیچہ طے کیا اور حویلی کی پچھلی طرف نکل آئی۔ وہ پہلی بار اس طرف آئی تھی،۔ رات کے اندھیرے اور خوفناک سناٹے کی پرواہ کیے بغیر حویلی کی پچھلی طرف کئی چھوٹے چھوٹے کمرے بنے ہوئے تھے۔ جن میں سے ایک کا دروازہ کھلا تھا اور اندر زیرو وولٹ بلب نیم تاریک روشنی پھینکنے میں تقریباً ناکام ہو رہا تھا۔

فطری تجسس نے سر ابھارا تو یہ دیکھنے کے لیے کہ اندر کون ہے، وہ نیم وا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی۔ کمرہ اس وقت خالی تھا جبکہ کمرہ کی حالت سے اندازہ ہو رہا تھا کہ یہ کسی کے زیرِ استعمال ہے۔ اس کی سوچ یہاں آکر منجمند ہو گئی۔

معاً اسے اپنے پیچھے کی جانب کھٹر پٹر محسوس ہوئی، یہ محسوس کرتے ہی اس کے حلق میں کانٹے پڑ گئے، وہ پوری طرح لرز گئی۔

"کون ہے۔" وہ کرنٹ کھا کر پلٹی نیم اندھیرے میں آنے والے شخص کا چہرہ واضح نہیں ہو رہا تھا مگر مردانہ قدموں کی چاپ وہ محسوس کر سکتی تھی۔

اپنے کمرے سے نکل کر یہاں تک آتے مرحا کو خیال تک نہیں آیا تھا کہ چہار سو کس قدر اندھیرا ہے۔ رات کی تاریکی میں ہونے والے کئی حادثات مرحا کی سوچ کو لرزا گئے۔

آنے والے نے کوٹھڑی کا دروازی اندر سے بند کر دیا، مرحا کا دل دھک سے رہ گیا، ہتھیلیوں میں پسینہ اتر آیا اور خوف کے مارے وہ کوئی بھی حرکت نہ کر سکی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

الشبہ اپنا دائرہ جلال کی زندگی میں دھیرے دھیرے وسیع کرتی جا رہی تھی۔ صبح وہ اسی سے لفٹ لے کر اپنے دفتر جاتی اور شام کو بھی اسی کے ساتھ واپس آتی۔ جلال کو یہ پک اینڈ ڈراپ کی ڈیوٹی کرتے لیزا خاموشی سے دیکھ رہی تھی۔ گھر پر بھی جب جلال فارغ ہوتا الشبہ کافی کے بہانے اس کے ساتھ باتیں کرنے بیٹھ جاتی۔ دو ہفتوں کی اس روٹین میں ایک تسلسل قائم ہو چکا تھا۔

لیزا کی مداخلت جلال کی زندگی میں بالکل زیرو ہو کر رہ گئی تھی۔ دن میں بس

ضرورت کے وقت دونوں کا آمنا سامنا ہوتا اور پھر جیسے لاتعلقی کی رسم دوبارہ قائم ہو جاتی۔
بہت دنوں سے لیزا اپنے گھر ملنے نہیں گئی تھی۔ اس لیے آج ساجدہ بیگم کی اجازت سے اپنے میکے جانے کا پروگرام بنایا۔
"جلال مجھے ابا کی طرف جانا ہے،۔ آپ ساتھ چلیں گے۔" تیار ہونے سے پہلے اس نے رات کو جلال سے پوچھا۔ لیزا دو تین دن کے لیے جا رہی تھی اس لیے چند جوڑے بھی باندھ لیے۔ اسے لمبی تیاری کرتے دیکھ کر جلال کا دل بری طرح سلگا، جہاں وہ جا رہی تھی وہاں احمر رہتا تھا۔ اس خیال نے ہی جلال کی روح کو تڑپایا۔
"تم کیا ہمیشہ کے لیے جا رہی ہو۔" اس نے جان بوجھ کر فقرہ کسا۔
"چلی بھی جاؤں تو آپ کو کیا فرق پڑتا ہے۔" وہ دکھ کے حصار میں مگر بظاہر سرسری سا بولی۔
"تمہارے جانے سے مجھے فرق پڑے نہ پڑے، لیکن تمہارے نہ جانے سے اس کو تو اب تک بہت فرق پڑا ہو گا۔" لیزا جانتی تھی جلال کس کی بات کر رہا ہے۔ جلال کے اس حد تک شکی مزاج ہونے پر وہ ضبط کے کڑوے گھونٹ پی کر رہ گئی۔
"کس کو۔" لیزا کو انجان بننے کی اب اچھی پریکٹس ہو گئی تھی۔
"تمہارے کزن کو۔ حیرت ہے۔ جس کو دل میں بسایا ہے اس کے بارے میں مجھ سے پوچھ رہی ہو۔"
"آپ کی سوچ بہت زیادہ گری ہوئی ہے جلال مرزا۔ آپ کی اس سوچ پر میں کم از کم کوئی تبصرہ نہیں کروں گی، اس لیے اگر ساتھ چلنا ہے تو بتا دیں۔"

لیزا اس وقت اپنا موڈ خراب نہیں کرنا چاہتی تھی اس لیے اس نے بحث سمیٹ لی۔
جلال بھی اٹھ کر لباس تبدیل کرنے چلا گیا۔ فریش ہو کر گیلے تولیے سے منہ رگڑا ہوا واپس آیا ہوا تو وہ گلابی رنگ کے سوٹ میں ہلکا پھلکا میک اپ کیے تیار دکھائی دی۔
خود پر پرفیوم اسپرے کر کے وہ بیڈ پر اس کے قریب آ بیٹھا اس کے کلون کی دل موہ لینے والی خوشبو پورے کمرے کو معطر کر رہی تھی۔
"اتنی خوبصورت لگ رہی ہو کہ چھوڑ کر آنے کو دل ہی نہیں کر رہا۔" اس کے قریب ہوتے ہوئے جلال نے فوراً ہی رنگ ڈھنگ بدلے۔ یہ بندہ لیزا کی سمجھ سے باہر ہو چکا تھا۔
کبھی اسے سِرے سے اپنی بیوی ہی تسلیم نہیں کرتا اور اگر تسلیم کرتا بھی تو علیحدگی کی شرط پر۔ ایک طرف بیگانگی تو دوسری طرف دوستی کا ہاتھ اور اب یہ خالصتاً شوہروں والا انداز وہ بوکھلا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔
"آپ کو مجھ سے ایسی بات کہنے کا کوئی حق نہیں۔" لیزا اکڑ کر بولی۔
"تو پھر کسے ہے۔" جلال نے ہاتھ سے کھینچ کر اسے واپس اپنے ساتھ بٹھا لیا۔
"جس کے لیے اتنی تیاری کی ہے۔" جلال نے ادھورا جملہ پورا کیا تو لیزا کا دھک دھک کرتا دل جل کر راکھ ہو گیا۔
"آپ انتہائی تنگ دل شخص ہیں۔ آپ کے اس مرض کا میرے پاس کوئی علاج نہیں۔" لیزا نے تیوری چڑھا کر ہاتھ چھڑا لیا۔ جلال اسے دیکھتا رہا۔
"ویسے ہم دونوں کے تعلقات کبھی اتنے کشیدہ نہ ہوتے، اگر درمیان میں تمہارا احمر

نہ ہوتا۔" لیزا کو اس کی بات سراسر کمینگی لگی۔

خیر جلال جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا وہ بھی اس کے پیچھے پیچھے ہو لی۔

"وہ درد، وہ وفا، وہ محبت تمام شُد

لے! دل میں ترے قرب کی حسرت تمام شُد

یہ بعد میں کھلے گا کہ کس کس کا خُون ہوا

ہر اِک بیان ختم، عدالت تمام شُد

تُو اب تو دشمنی کے بھی قابل نہیں رہا

اُٹھتی تھی جو کبھی وہ عداوت تمام شُد

اب ربط اک نیا مجھے آوارگی سے ہے

پابندئ خیال کی عادت تمام شُد

جائز تھی یا نہیں، ترے حق میں تھی مگر

کرتا تھا جو دل کبھی وہ وکالت تمام شُد

وہ روز روز مرنے کا قصہ ہوا تمام

وہ روز دل کو چیرتی وحشت تمام شُد

محسنؔ میں کُنجِ زیست میں چُپ ہوں پڑا

مجنوں سی وہ خصلت و حالت تمام شُد"

گاڑی میں جلال نے میوزک آن کیا ہوا تھا۔ غزل کے بول کسی حد تک جلال کے دلی جذبات کی عکاسی کر رہے تھے۔ اس لیے وہ گاہے بگاہے لیزا پر بھی ایک نظر ڈال لیتا۔

کیا تھا، اگر لیزا کا دل بھی اس کے دل کی تال پر دھڑکتا۔ اِک ہوک سی اٹھی تھی دل میں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

روحہ اس وقت الشبہ کے ساتھ گیسٹ روم میں دروازہ بند کیے بیٹھی تھی۔

"جس رفتار سے تم اس مشن پر لگی ہوئی ہو الشبہ! اس سے کام نہیں بنے گا۔ لیزا تمہیں شکل سے ہی بھولی لگتی ہے مگر اندر سے بہت مکار ہے۔ کس طرح دن بدن وہ جلال کو اپنے جال میں پھانستی چلی جا رہی ہے تمہیں کچھ نظر نہیں آ رہا۔ اس سے پہلے کہ وہ تمہیں ناکام بنا دے، کچھ ایسا کرو جس سے وہ اپنے آپ راستے سے ہٹ جائے۔ وہ ایک بار اس گھر سے چلی گئی تو تمہارے لیے سارے دروازے کھل جائیں گے۔" روحہ اسے اپنی طرف سے گر سکھا رہی تھی۔

الشبہ کے والدین حیات نہیں تھے، وہ اکلوتی تھی، اسے پھپھو نے پال پوس کر جوان کیا۔ جب سے تعلیم مکمل ہوئی تھی وہ روزگار کے لیے کراچی میں دھکے کھا رہی تھی۔ وہ انتہائی واجبی سی شکل والی عام سی لڑکی تھی، یہی وجہ تھی کہ آج تک کوئی اچھا لڑکا نہیں ملا۔

ان تمام حالات نے ملکر اسے نیگیٹیو بنا دیا۔ اوپر سے جلال جیسے امیر اور شاندار آدمی کو حاصل کرنا اسے خواب جیسا لگا۔ کچھ روحہ نے بھی یہ راہ سجھائی تو وہ اسی ڈگر پر چل نکلی۔ اس گھر میں آئے اسے کافی دن بیت چکے تھے۔ قریب تھا کہ اسے گھر سے نکل جانا پڑتا جبکہ وہ اس عالیشان بنگلے کو چھوڑ کر اب واپس معمولیل فلیٹس کے دھکے نہیں کھانا چاہتی تھی۔ اس لیے روحہ کی باتوں پر غور کرنے لگی، اسے واقعی اب پوری منصوبہ بندی، کوئی

ٹھوس قسم اٹھانے کی ضرورت تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

احمر، جلال، ہاشم صاحب، زیب النساء اور لیزا اس وقت ڈرائنگ روم میں بیٹھے چائے سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ چائے گو کہ زیب النساء نے بنائی تھی مگر پیش لیزا نے کی تھی۔

"لیزا تم تو اپنے سسرال جا کر ہمیں بھول ہی گئی۔ میں نے تو سوچا تمہاری زندگی میں اب ہماری کوئی جگہ ہی نہیں رہی۔" احمر کے ہلکے پھلکے سے مذاق پر جلال نے جتاتی ہوئی نظروں سے لیزا کو دیکھا تو وہ بل کھا کر رہ گئی۔ خواہ مخواہ ہی اپنا آپ مجرم سا لگا۔

"ارے کہاں یار! بے شک لیزا وہاں ہمارے ساتھ ہوتی ہے مگر اس کا دل ہمیشہ یہیں اٹکا رہتا ہے۔ اب لیزا چاہے تسلیم کرے نہ کرے سچ تو یہی ہے کہ اس کا پورا دھیان یہاں نہ ہو کر بھی آپ سب میں ہی لگا رہتا ہے۔"

طنزیہ اندازِ تخاطب کو احمر تو نہ سمجھ سکا لیکن لیزا کا دل چاہا کہ زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے، وہ شخص آخر لیزا کے بارے میں کیا سوچ رکھتا ہے۔

"ارے بیٹا کباب لو نا!" داماد کو ہشاش بشاش نارمل دیکھ کر زیب النساء کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔

"اپنے ہنی مون کی تصویریں تو تم نے بھیجی ہی نہیں۔" احمر کے اگلے سوال نے لیزا کو کوفت میں مبتلا کر دیا۔

"بس یاد نہیں رہا احمر! دکھا دوں گی۔"

"ہاں بھئی ضرور دکھانا۔" کباب سے پوری طرح انصاف کر کے وہ جانے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔

"تفصیل سے احمر کو ایک ایک تصویر دکھانا۔ ویسے بھی اب تم یہیں جو ٹھہرنے والی ہو۔ ظاہر ہے اتنے دن کی جدائی کے بعد اداس تو ہوگی۔ میرے ساتھ رہ رہ کر اکتا جو گئی ہو۔" اکیلے جانے میں جلال کو شدید تکلیف ہو رہی تھی اس لیے اس نے کھلم کھلا لیزا پر چوٹ کی۔ حالانکہ وہ اس سے یہ ہی تو مطالبہ کر رہا تھا کہ وہ اسکے گھر سے چلی جائے، اب جب وہ کچھ دن کے لیے ہی سہی اسے چھوڑ کر آئی ہے تو دل میں کسک سی جاگ اٹھی۔ شاید جلال کو اس کی واپسی کی امید نہیں، اس لیے بھی اندر ہی اندر بلبلا رہا تھا۔

"کیسی باتیں کر رہے ہو بیٹا! بھلا بیویاں بھی کبھی اپنے شوہر کی ہمراہی میں اکتائی ہیں۔" زیب النساء نے فوراً لیزا کی صفائی پیش کی۔ جلال نے بھی مزید کوئی بات نہ کی اور خدا حافظ کہہ کر چلا گیا۔

ہاشم صاحب اور زیب النساء بھی باہر نکل گئے، احمر اس کے قریب آ بیٹھا۔

" یہ جلال مرزا تو تمہارے عشق میں گوڑے گوڑے ڈوب گیا ہے۔ اکیلے واپس جاتے ہوئے قدم ساتھ ہی نہیں دے رہے تھے اس کے۔"

"ہاں تم نے تو محبت پر پی ایچ ڈی کر رکھی ہے۔" وہ تنک کر بولی۔

"محبت میں پی ایچ ڈی کی ڈگری فالتو سی چیز ہے بہنا! محبت تو گلاب ہے جسکی خوشبو کا کوئی مول نہیں، محبت وہ شباب ہے جسے دیکھ کر ہر کوئی مدہوش نظر آتا ہے، تجربے کے پیش نظر ہی بتا رہا ہوں۔ جلال مرزا تم سے محبت کرتا ہے۔" وہ لہک لہک کر بولا۔

خاک محبت !لیزا کہہ نہ سکی محبت کی عدم موجودگی نے ہی تو ان کی زندگیوں میں سیاپا ڈالا ہوا تھا۔

"تم بڑا چہک رہے ہو؟" لیزا نے پہلی مرتبہ اس کے کھلے کھلے چہرے پر توجہ دی۔

"مجھے محبت ہو گئی ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ مجھے محبت میں کامیابی بھی حاصل ہو گئی ہے مسز جلال مرزا۔"

"ایں۔۔۔" لیزا کی آنکھیں پھیلیں۔

"مجھے تو کسی نے بتایا ہی نہیں۔" اس نے شکوہ کیا۔

"اگر تم آج نہ آتی تو میں تمہاری طرف آنے والا تھا اپنی منگنی کا پیغام لے کر۔" احمر نے زبردستی شرمانے کی کوشش کی تو لیزا کو ہنسی آگئی۔

"لڑکی برادری کی ہو گی۔" لیزا نے یقین سے کہا۔

"نہیں خاندان سے باہر کی ہے۔" احمر کی بات پر لیزا سیدھی ہو گئی۔

"کیا؟ ابا میاں مان گئے۔" ہونٹوں پر انگلی رکھ کر بڑی بوڑھیوں کی طرح حیرت سے استفسار کیا۔

"زارا آپی کی بغاوت نے ابا میاں کو بدل دیا ہے، اسی لیے شاید وہ ایک اور بغاوت سے ڈر گئے یا پھر ذات پات کو غیر اہم سمجھتے ہوئے ابا میاں نے میرا رشتہ سارہ سے طے کر دیا۔

اگر زارا آپی اپنے حق کے لیے ساری حدیں نہ پار کرتیں تو آج شاید مجھے بھی اسی گھٹن سے گزرنا پڑتا جس سے وہ گزر رہی تھیں۔" بات کرتے کرتے وہ سنجیدہ ہوا۔

"احمر سنو!" وہ رازدرانہ انداز میں اس کے قریب ہوئی۔ مبادہ ابا میاں یا زیب النساء میں سے کوئی سن نہ لے۔

"ہاں بولو!" احمر پوری طرح متوجہ ہوا۔

"زارا کی کچھ خیر خبر ملی۔ تمہاری کوئی ملاقات ہوئی۔" لیزا کے سوال کا احمر کے پاس تفصیلی جواب تھا۔

"لیزا صاف بات یہ ہے کہ میں کبھی بھی زارا آپی سے ناراض نہیں تھا کیونکہ ان کے چیخ چیخ کر دہائیاں دینے پر بھی ہم میں سے کسی نے ان کا ساتھ نہیں دیا۔ انہوں نے خوشی سے نہیں مجبوری سے ایسا قدم اٹھایا تھا۔

اس لیے زیب اماں کے کہنے پر میں ان سے ملنے گیا تھا وہ کراچی میں ہی ہیں اور بہت خوش و خرم ہیں بلکہ اب تو جلد ہی میں ماموں اور تم خالہ بھی بننے والی ہو۔ اس خوشخبری کو سن کر زیب اماں زارا آپی سے ملنے گئی تھیں۔ اچھا خاصا ایموشنل سین ہو گیا وہاں۔ اب بس سب کو ابا میاں کی ناراضگی کا خوف کھائے جا رہا ہے۔ ورنہ تو کب کے زارا آپی کے لیے اس گھر کے دروازے کھل چکے ہوتے۔"

"حیرت ہے اماں نے ابا میاں کے خلاف جا کر زارا سے مراسم رکھے، اس صدی کا سب سے ناممکن کام ہے۔"

"سنو! مجھے بھی ملنا ہے زارا سے، مگر میں اس سے ابا میاں سے چھپ کر نہیں ملوں گی۔ اسے کہو جہاں اتنا بڑا قدم اٹھا لیا اس نے اب تھوڑی ہمت اور کرے اور ابا میاں سے آکر معافی مانگ لے"۔

"لیزا لگتا ہے جلال کے ساتھ رہ رہ کر تمہاری یاداشت بھی کمزور ہو گئی ہے۔ ابا میاں کی ضد کو بھول گئی ہو تم۔ وہ کبھی زارا آپی کو معاف کریں گے کیا؟" اس سوال کا جواب نفی میں ہے۔ احمر جانتا تھا مگر اس کے باوجود لیزا اسے سوال کرنے لگا۔

وہ کیا کہہ سکتی تھی، خاموش ہو گئی۔ اگلے دن زیب النساء نے لیزا کو زبردستی بازار بھجوایا وہ چاہتی تھیں کہ احمر کی منگنی کے لیے ساری شاپنگ لیزا اور احمر کریں۔

اس نے پس و پیش کی تو احمر برا مان گیا۔ آخر میں اسے احمر کے ساتھ جانا ہی پڑا۔ لیزا نے ہر چیز کو تنقیدی نگاہوں سے جائزہ لینے کے بعد خریدا۔ ہر چیز ایک سے بڑھ کر ایک تھی۔

اس وقت وہ دونوں جوتوں کی ایک برینڈ میں گھسے ہوئے تھے۔

"تھکا ڈالا ہے تمہارے نخروں نے احمر۔ تم اپنی ہونے والی دلہن کو ہی لے آتے ساتھ، کم از کم مجھے اتنی خواری تو نہ ہوتی۔" ایک تو لیزا کو بھی کچھ آرام سے پسند نہیں آتا تھا۔ دوسرا احمر بھی بڑے زنانہ قسم کے نخرے کر رہا تھا۔

وہ دونوں مرجنڈا کلر کے سوٹ کے ساتھ جوتا میچ کر رہے تھے مگر کسی کا ڈیزائن پسند نہیں آتا تو کبھی رنگ ہی پوری طرح میچ نہیں ہو پاتا۔ نتیجہ لیزا اکتا گئی۔

"اکلوتے بھائی کی شادی کی یہ خوشی ہے تمہیں؟" احمر نے اسے اس کی عدم دلچسپی کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے آخر کار ایک نہایت خوبصورت پنسل ہیل جوتوں کا جوڑا پسند کر کے نکلوا لیا۔

"تمہاری دلہن کے جوتوں کا نمبر پتہ ہے تمہیں۔" لیزا نے خیال آنے پر پوچھا۔

"وہی نمبر ہے جو تمہارا ہے، اس لیے یہ پہن کر دکھاؤ۔" احمر نے اسے جواب دیتے ہوئے نئی فرمائش جڑ دی۔

لیزا نے سینڈل لیے اور پہن کر بالکل ماڈلز کی طرح چل کر دکھانے لگی۔ اس کے اس انداز پر احمر اور وہ دونوں ہی کھلکھلا رہے تھے۔ اب یہ اتفاق ہی تھا کہ اسی وقت شاپنگ مال کی اسی شاپ میں جلال الشبہ کے ساتھ داخل ہوا۔ انہیں ایک ساتھ اتنا خوش دیکھ کر جلال اندر ہی اندر سلگنے لگا۔ اس کی یہ فیلنگس اس کے چہرے پر بھی صاف نمایاں ہو رہی تھیں۔

"واہ پہلی بار تمہیں اتنا خوش دیکھ رہا ہوں۔ شکریہ احمر تمہاری بدولت ہی سہی لیزا کے چہرے پر خوشی کی جھلک آئی تو سہی۔" جلال کی کاٹ دار آواز پر وہ دونوں ہی متوجہ ہوئے۔

"آپ!" لیزا کو لگا وہ ابھی گر جائے گی۔ اس کی اس طرح اچانک اور غلط موقع پر آمد نے لیزا کے قدم لڑکھڑا دیئے۔ عین ممکن تھا کہ وہ بری طرح گرتی کہ جلال نے ہائی ہیل میں چمکتا اس کا پاؤں مڑتے دیکھ کر فوراً شانوں سے تھام کر اسے سہارا دیا۔ ان دونوں نے ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھا۔

"خیریت جلال بھائی آپ یہاں؟"

"جلال دراصل میرے ساتھ شاپنگ کے سلسلے میں آیا ہے۔" جلال کی پشت سے الشبہ کو نمودار ہوتے دیکھ کر لیزا بھی دانت پیس کر رہ گئی۔ وہ اب اپنے سہارے کھڑی ہو چکی تھی۔ فوراً ہی ہائی ہیل سے اپنے پاؤں آزاد کیے۔

"ہمیں ضروری کام ہے چلو احمر!" سختی سے کہہ کر لیزا نے احمر کا ہاتھ تھاما اور کاؤنٹر پر جا کر بل پے کرنے لگی۔

"ایکسکیوزمی!" الشبہ اور احمر کو وہیں ٹھہرنے کا کہہ کر جلال لیزا کی جانب بڑھا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر کافی دور ایک کونے میں آ کھڑا ہوا۔

"یہ جو ستی ساوتری بنی ہوئی تھیں تو وہ صرف مجھے دکھانے کے لیے تھا۔ میری نظروں سے اوجھل ہو کر تو تم کھل کر کھیل رہی ہو۔"

وہ لیزا کو اس طرح بے پرواہ دیکھ کر بری طرح جھنجلا گیا حالانکہ یہ اس کی اپنی سجھائی ہوئی راہ تھی۔ جس پر اس کے خیال میں لیزا چل نکلی تھی۔

"آپ کو تو خوش ہونا چاہیے۔ ویسے بھی آپ کا ہی مشورہ تھا کہ مجھے اس ڈگر پر چلنا چاہیے تو پھر اب کس بات کا اعتراض ہے۔" وہ دوبدو بولتی جلال کے ہوش اُڑا گئی۔

یہ پہلی بار تھا جب لیزا نے رشتہ توڑنے کی بات اپنے منہ سے اس کے سامنے تسلیم کی تھی ورنہ اس سے قبل تو وہ کبھی بھولے سے بھی ایسا کوئی تاثر نہیں دیا کرتی تھی۔

"مجھے اعتراض ہے لیزا۔ کیونکہ تم ابھی تک مسز لیزا جلال ہو اور میرے نام کے ساتھ تم اس طرح کی حرکتیں نہیں کر سکتیں۔" وہ تنک کر بولا لیزا کو مزید غلط فہمی میں ڈال گیا۔

"یعنی آپ کا مطلب ہے کہ پہلے مجھے آپ سے طلاق لے لینی چاہیے۔ تو ٹھیک ہے اب آپ سے میرا وکیل ہی بات کرے گا۔" کہہ کر لیزا تیز رفتاری سے مال کے خارجی دروازے سے باہر نکل گئی۔ جلال بھی اس کے پیچھے دوڑا۔

"لیزا میری بات سنو!" وہ اسے بتانا چاہتا تھا کہ اس کی بات کا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا۔ روڈ کے کنارے پر جلال نے لیزا کو بازو سے پکڑ کر زبردستی روکا۔ وہ جھلا گئی۔

" آپ کے ساتھ کیا کیا مسائل ہیں ؟ایک ہی بار میں بتا کیوں نہیں دیتے اور کون کون سے راز اپنے دل میں دبا کر رکھے ہیں ایک ہی بار اگل دیں۔ یہ روز روز کی بریکنگ نیوز مجھ سے برداشت نہیں ہوتی۔"لیزا کی باتوں میں تلخی گھلی ہوئی تھی۔

جلال نے جس وقت لیزا کا ہاتھ پکڑا اسی وقت اس کا موبائل روڈ پر جا گرا تھا مگر اس بات سے بے نیاز وہ اس پر آگ برسا رہی تھی۔

جلال نے کچھ بھی کہنے سے پہلے اس کا ہاتھ چھوڑا اور اس کا موبائل لینے کے لیے آگے بڑھا۔ جونہی وہ موبائل اٹھا کر مڑا تیز رفتاری سے ایک گاڑی اسکی جانب بڑھی، قبل اس کے کہ وہ اس کو کچلتی ہوئی آگے بڑھ جاتی۔ آن کی آن میں لیزا نے اسے بازو سے پکڑ کر واپس فٹ پاتھ پر کھینچ لیا۔

اس چکر میں توازن کھو کر وہ نیچے گر گئی۔ جس کے نتیجے میں اسکے پاؤں پر شدید چوٹ آئی۔ وہ درد کی شدت سے کراہنے لگی، جلال گھٹنوں کے بل اس کے قریب ہی بیٹھ گیا۔

اس نے لیزا کے پاؤں کو اپنی ہتھیلی میں تھام کر دیکھا تو اس کے پاؤں کی ہڈی نیلگوں ہو چکی تھی۔ یقیناً وہ چل نہیں سکتی تھی اس لیے جلال نے اسے بازوؤں میں اٹھایا اور بنا لوگوں کی پرواہ کیے گاڑی تک چلا آیا۔ اسے پچھلی نشست پر لٹا کر خود ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔

جلال کا رخ ہاسپٹل کی طرف تھا۔ جبکہ لیزا پچھلی نشست پر سوں سوں کرتی درد کی

شدت سے بڑی جانفشانی سے رونے کا شغل فرماتی رہی۔ ڈاکٹر نے پیر کی پٹی کر کے پین کلر کا انجکشن لگا دیا۔ تب کہیں جا کر اس کا رونا بند ہوا۔

بچپن ہی سے وہ کوئی بھی چوٹ لگ جانے پر یونہی رویا کرتی تھی کو کہ اسے رونا پسند نہیں تھا مگر اس مقام پر آ کر اسے کسی چیز کا خیال نہیں رہتا تھا۔

واپسی پر جلال اسے گھر لے آیا۔

"مجھے اپنے گھر جانا ہے۔" وہ گاڑی سے اترنے سے انکاری ہو گئی۔

"یہ بھی تمہارا ہی گھر ہے۔" جلال کی بات سن کر لیزا کا دل چاہا کوئی چیز اٹھا کر اس کا سر پھاڑ دے۔ اب وہ اس سے یہ بات کہہ رہا تھا۔ لیکن اب مجبوری تھی فی الحال اسے اندر جانا ہی پڑا۔

"مجھے گھر کیوں نہیں چھوڑ کر آئے؟" سب لیزا کا حال احوال دریافت کر کے کمرے سے جا چکے تو اس نے جلال سے پھر وہی بات کہی۔

"تمہاری سوئی اب بھی وہیں پر اٹکی ہوئی ہے۔ ٹھیک ہو جاؤ پہلے پھر دونوں پیروں پر خود سلامتی سے چل کر جانا جیسے پہلے گئی تھیں۔ اس حالت میں تمہیں لنگڑاتے ہوئے چھوڑ کر آیا تو سب پھر سے مجھے ظالم جابر ٹھہرائیں گے۔" لیزا نے ایک رعونت بھری نگاہ سے اسے دیکھ کر رخ بدلا اور سوتی بن گئی۔

دو سے تین دن لگے تھے اس کے پاؤں کو ٹھیک ہونے میں، اس دوران جلال اسے باقاعدگی سے وقت پر دوا کھلاتا رہا۔ دو دفعہ اس کے پاؤں کی پٹی بھی تبدیل کی۔ واش روم وغیرہ بھی وہ ایمان کے سہارے سے ہی جاتی رہی تھی۔ اب وہ تقریباً ٹھیک ہو چکی تھی مگر

پریشانی نے نیا روپ دھار لیا وہ جلال کی زندگی سے جانا نہیں چاہتی تھی لیکن اب یہ ضروری ہو چکا تھا۔

وہ اب مزید اس تعفن زدہ ماحول میں رک کر گھٹ نہیں سکتی تھی اپنے حصے کی توجہ وہ الشبہ کو ملتے دیکھتی تو دل اور دکھ سے بھر جاتا۔ چناچہ ٹھیک ہوتے ہی لیزا نے اپنا بیگ تیار کر لیا۔ وہ احمر کو کال کر کے بلانے ہی والی تھی جب ایمان اس کے کمرے میں چلی آئی۔ جلال اس وقت آفس میں تھا۔

"کیا پلان بنائے جا رہے ہیں۔" اندر آ کر بیڈ پر دھپ سے گرتے ہوئے ایمان نے پوچھا تو لیزا نے رک کر اسے سوالیہ دیکھا۔

"جلال بھائی کی برتھ ڈے ہے نا۔" ایمان نے اسے یاد دلانا چاہا۔ مگر لیزا کو تو علم ہی نہیں تھا اس لیے یاد رکھنے اور بھول جانے کا تو سوال رہتا ہی نہیں تھا۔

"ایں کب؟"

"کل۔ کمال ہے بھابھی آپ کو نہیں پتا ایسی ہوتی ہیں بیویاں؟ ا" یمان نے اسے سرزنش کرنے کی کوشش کی۔ ایسے ہوتے ہیں شوہر جواباً لیزا پوچھ نہ سکی۔

"بھابھی میں نے سوچا ہے، ہم بھائی کے لیے سرپرائز پارٹی پلان کرتے ہیں۔ کیا خیال ہے؟" ایمان کی آنکھیں چمکی۔

لیزا اس کی آنکھوں کی جوت بجھتے دیکھنا نہیں چاہتی تھی اس لیے اثبات میں سر ہلا دیا۔

ویسے بھی وہ اس گھر کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر جانے والی تھی، ایسے میں وہاں کے

مکینوں کے ساتھ ایک یادگار دن گزارنا اس کا حق تھا۔

آہستہ آہستہ خود بخود ہی سب کی جگہ لیزا کے دل میں بنتی چلی گئی۔ مرزا انکل کتنے اچھے ہیں، اس کی خاطر اپنے ہی بیٹے کے خلاف کھڑے ہو گئے۔ ایمان اور شہریار سے گھر میں کیسی رونق ہے۔ روحہ نے جو کچھ بھی کیا یا کہا، لیزا نے اسے معاف کر دیا تھا۔ حتیٰ کہ ساجدہ بیگم کو بھی ان کے سخت رویے کے لیے وہ قصوروار نہیں سمجھتی تھی۔

ایمان اور شہریار کی مدد سے لیزا نے ڈرائنگ روم کو بہت سے بلونز اور موم بتیوں سے سجایا۔ کیک بھی لیزا اور ایمان نے مل کر بیک کیا۔ شام تک ساری تیاری مکمل کر کے وہ بے نیاز ہو گئے۔ کیونکہ جلال کے لیے یہ ایک سرپرائز تھا۔ سب رات کو اسے بارہ بجے وش کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔

الشبہ الگ سے موقع کی گھات لگائے بیٹھی تھی، وار کرنے کے لیے اسے اس سے موزوں کوئی اور وقت نہیں لگا۔ روحہ بھی بس لیزا کی بربادی کی منتظر تھی۔

رات کو جلال آیا تو سب نے معمول ہی کی طرح مل کر کھانا کھایا۔ اس کے بعد وہ نائیٹ ڈریس پہن کر بستر پر دراز ہو گیا۔ لیزا صوفے پر بیٹھی کافی کا شغل فرما رہی تھی۔ ساتھ ساتھ اپنے موبائل پر کھٹاکھٹ انگلیاں چلاتی سوشل میڈیا کی رونق کا حصہ بنی ہوئی تھی۔

جلال چونکہ بہت تھکا ہوا تھا اس لیے لائٹ بند کر کے سونے کے لیے لیٹ گیا کچھ دیر بعد لیزا ابھی سوتی بن گئی۔

تقریباً ساڑھے گیارہ بجے جلال کے موبائل نے تھرکنا شروع کر دیا وہ نیند کا بہت کچا تھا۔ فوراً ہی آنکھ کھل گئی تو اس نے موبائل کی روشن اسکرین کو دیکھا۔ الشبہ کا میسج تھا جسے

پڑھتے ہی جلال دنگ رہ گیا۔

"جس محبت کی تمہیں تلاش ہے وہ تمہاری منتظر ہے۔

please come to my room"

الشبہ کے اس پیغام نے جلال کو شش و پنج میں مبتلا کر دیا، اسے سمجھ نہ آئی آخر الشبہ نے اسے یہ میسج کیوں بھیجا ہے۔ یہی پوچھنے کے لیے وہ الشبہ کے کمرے میں چلا آیا۔

"یہ کیسا میسج ہے؟ اور کیوں بھیجا ہے مجھے؟" وہ سراپا سوال بنا۔

"یہ میسج نہیں ہے جلال۔ میرے دل کی آرزو ہے۔ میں تم سے بے حد محبت کرتی ہوں آج بھی۔ اور یہ سب جان لینے کے بعد کہ تم لیزا کے ساتھ خوش نہیں ہو میرا ارادہ اور بھی مضبوط ہو گیا ہے۔ میں تمہیں حاصل کرنے کے لیے کسی بھی حد تک جا سکتی ہوں، بس تم ایک بار اپنے ساتھ کا یقین دلاؤ۔" الشبہ نے آگے بڑھ کر جلال کا بھاری مردانہ ہاتھ اپنے ہاتھوں میں پکڑ لیا۔

جلال بری طرح بدک کر پیچھے ہٹا۔

" تمہارا دماغ ٹھیک ہے؟ یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ کیا کبھی میرے کسی بھی انداز سے تمہیں کبھی کچھ ایسا لگا کہ میں تم میں دلچسپی رکھتا ہوں اور یہ فضولیات تمہارے دماغ میں کہاں سے گھسی ہیں کہ میں اپنی بیوی کے ساتھ خوش نہیں۔ ایک بات میں تمہیں صاف صاف بتا دوں الشبہ! میں صرف لیزا سے محبت کرتا ہوں۔

اس کے سوا کسی دوسری عورت کے لیے میری زندگی میں کوئی جگہ نہیں۔ اس لیے اس قسم کے وہم پالنا بند کر دو اور جتنا جلدی ممکن ہو سکے یہاں سے چلی جاؤ۔" جلال کا انداز

الشبہ کو پتھر کھینچ مارنے کے مترادف لگا۔

رات کے اس پہر اس کی نسوانیت کو ٹھکرانے والا وہ بے شک ایک باکردار مرد تھا مگر بہت سے منظر اس کے اصل رخ سے یکسر مختلف نظر آتے ہیں۔ جلال پلٹا تو لیزا کو دروازے میں بت بنا کھڑا پایا۔

الشبہ نے اسی وقت رو رو کر کہرام مچا دیا، یکے بعد دیگرے سب وہاں جمع ہو گئے۔

"لیزا تمہارا شوہر تم سے نہیں مجھ سے محبت کرتا ہے۔ اس نے تمہیں چھوڑ کر مجھ سے شادی کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ اسی وعدے کی بنیاد پر جلال مجھے اس گھر میں لے کر آیا، تمہارا شوہر تمہارا کبھی نہیں تھا، تم اس کے لیے اس کی خوشیوں کا صرف ایک کانٹا ہو۔ جسے ہٹانے کی اب تک وہ ہر ممکن کوشش کرتا آ رہا ہے۔"

"کیا بکواس کر رہی ہو تم۔" تیزی سے جھوٹ پر جھوٹ گھڑتی الشبہ کو جلال نے کھا جانے والے انداز میں ٹوکا۔

"یہ اب تمہیں بکواس لگ رہا ہے؟ جب تنہائیوں میں مجھ سے ملاقاتیں کرتے تھے تب تمہیں کچھ بکواس نہیں لگا۔ لیزا تمہارا شوہر ایک بدکردار مرد ہے۔ اس نے تو میری عزت کو داغدار کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ مگر غلطی میری ہے جو میں اس کی باتوں کے جال میں پھنس گئی۔"

وہاں موجود تمام نفوس اس بات پر منجمد ہو کر رہ گئے۔ سب کے چہروں پر جیسے سایہ سا لہرا گیا۔ کوئی بھی خود کو بولنے کے قابل محسوس نہیں کر رہا تھا۔ اپنی ہی دوست کو خود پر اتنا گھناؤنا الزام لگاتے دیکھ کر جلال کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

الشبہ جس مکاری سے یہ سارا ڈرامہ گھڑ کے سب کے سامنے لائی تھی کوئی بھی اس کی بات کو جھٹلا نہیں سکتا تھا۔

"اگر میں جھوٹ کہہ رہی ہوں تو پوچھو اپنے شوہر سے یہ آدھی رات کو میرے کمرے میں کیا کرنے آیا ہے۔ اس نے کیوں مجھے اپنے گھر میں رکھا ہوا ہے۔ جواب مانگو اس سے۔ مگر یہ مکر نے کے سوا اور کیا کر سکتا ہے۔" الشبہ پورے اعتماد سے کھڑی آنسو پونچھتی لیزا کو جلال کے احتساب کے لیے پکار رہی تھی۔

جلال نے لمحے میں خود کو سب کی نظروں میں گرتے محسوس کیا اور لیزا اس کا تو بھروسہ ہی مجھ پر سے اٹھ چکا ہو گا۔ اس سب کے بعد تو وہ کبھی مجھے نہیں اپنائے گی اور نہ ہی میری کسی وضاحت پر یقین کرے گی۔ جلال نے بے بسی سے سوچا۔

"لڑکی ہوش میں رہ کر بات کرو۔ تمہیں علم ہے تم کیا کہہ رہی ہو۔" مرزا صاحب نے آنکھوں ہی آنکھوں میں دھاڑتے ہوئے اسے یوں دیکھا کہ الشبہ پہلی بار پل بھر کے لیے ڈگمگائی۔

"میں باہر والی ہوں۔ میرا یقین تو یہاں ویسے بھی کوئی نہیں کرے گا، لیکن لیزا سچ یہی ہے کہ تمہارا شوہر ایک زانی اور بدکردار آدمی ہے۔ اور اپنی اس گندگی میں وہ مجھے بھی گھسیٹ چکا ہے۔" الشبہ لیزا کے روبرو کھڑی ہو گئی۔

اس ساری صورتِ حال میں ایک روحہ ہی تھی جو اپنے اندر کمینی سی خوشی محسوس کر رہی تھی کیونکہ اس کے خیال میں ابھی لیزا جلال کو دھتکار کر چلی جائے گی اور پھر جلال کو پتا چلے گا ذلیل ہونا کسے کہتے ہیں۔

لیزا زمین پر نظریں گاڑھے کھڑی تھی۔یکدم ہی آنکھ اٹھا کر مضبوط نظروں سے الشبہ کو دیکھا۔اگلے ہی پل ایک زوردار تھپڑ لیزا نے اس کے گال پر جڑ دیا۔پورا کمرہ ساکت رہ گیا، حتی کہ جلال بھی اسکا یہ ردِ عمل سمجھ نہیں سکا۔

"تم جیسی جھوٹی اور مکار لڑکی میں نے اپنی زندگی میں نہیں دیکھی۔اپنی غلاظتوں کا بوجھ تم میرے شوہر کے کندھوں پر ڈالنا چاہتی ہو۔اس گھر میں تم آئیں۔میرے شوہر پر الٹے سیدھے ڈورے تم نے ڈالے اور اب سب کی نظروں میں جلال کو گرا کر تم ان کی زندگی میں شامل ہونا چاہتی ہو۔ تمہیں کیا لگا؟ تم مجھ سے کہو گی میرا شوہر ایک برا آدمی ہے اور میں آنکھیں بند کر کے مان لوں گی؟ تمہاری بھول ہے یہ۔میرا شوہر ایک شریف النفس آدمی ہے اور اس کی پاکیزگی کا سرٹیفکیٹ مجھے تم جیسی دو ٹکے کی لڑکی سے نہیں چاہیے۔

تم شاید بھول رہی ہو میاں بیوی ایک دوسرے کا لباس ہوتے ہیں جلال کی بیوی ہونے کے ناطے ان کی شرافت کو مجھ سے اچھی طرح اور کوئی نہیں پہچان سکتا۔معذرت کے ساتھ الشبہ زمان تم میں ایسی کوئی خاصیت مجھے نظر نہیں آتی جس کی بنا پر جلال مجھے چھوڑ کر اپنی ضرورت پوری کرنے تمہارے دروازے کا رخ کریں۔

جلال محبت پر یقین رکھنے والا پاکیزہ انسان ہے، جب محبت کے بنا انہوں نے اپنی بیوی سے کوئی بھی تعلق قائم نہیں کیا تو پھر وہ کسی بھی دوسری عورت کیساتھ کس طرح کوئی رشتہ قائم کر سکتے ہیں۔" لیزا نے الشبہ کو اس کی اوقات اچھی طرح یاد دلائی۔

جلال دنگ کھڑا اپنی سماعتوں پر یقین کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔اس پر لیزا کا اتنا اعتماد۔ایسا اٹوٹ یقین۔جس وقت جلال نے خود کو ہارتا ہوا، ناامید محسوس کیا۔اس وقت وہ

اس کی ذات پر اعتماد کیے اس کے حق میں کھڑی ہو گئی۔

جلال کے سارے شکوک وہ شبہات کے جواب میں لیزا نے ایک اعتماد کی دولت لوٹائی تھی۔یکایک جلال نے خود کو بہت نیچے اور لیزا کو اپنی نظروں میں بہت اوپر اٹھتے محسوس کیا۔آج تک کہیں نہ کہیں وہ اس فخر میں مبتلا تھا کہ لیزا جلال کو ڈیزرو نہیں کرتی مگر آج پہلی بار اسے لگا وہ لیزا کو ڈیزرو نہیں کرتا۔

بہو کے شاندار کرارے جواب پر مرزا صاحب کا چہرہ اطمینان سے شاد ہوا تو وہیں ساجدہ بیگم بھی لیزا کے اس حوصلے کی معترف ہوئیں۔ ورنہ آج کل کے زمانے میں کسی کو بھی بد ظن ہونے میں کتنا وقت لگتا ہے۔ روحہ کے سارے گمان اور ارادے ملیا میٹ ہو گئے۔ اب اسے اپنا پول کھل جانے کی فکر لگ گئی۔ اللہ یہ الشبہ کچھ پھوٹ ہی نہ دے۔ آخر اسی رب کو پکارہ جس کے حکم کا وہ انکار کرتی آ رہی تھی۔

"یقیناً مجھے تمہیں یہاں سے جانے کے لیے نہیں کہنا پڑے گا۔" اسے سر جھکائے سن کھڑا دیکھ کر اس کی ہار پر گہری سانس خارج کرتے ہوئے لیزا نے کہا اور جلال کا ہاتھ تھام کر پوری سرخروئی سے اپنے کمرے میں چلی آئی۔ باقی سب بھی الشبہ پر ملامتی نظریں ڈال کر اپنے اپنے کمرے میں چلے گئے۔

کمرے میں آ کر لیزا نے جلال کا ہاتھ چھوڑ دیا مگر جلال نے اسے دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر اپنے قریب کھینچ لیا اس کے انداز میں لیزا کو ایک والہانہ پن سا محسوس ہوا۔ لیزا اس کے سینے سے آ ٹکرائی جلال نے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ اس کے خیال میں اسے کچھ بھی مزید کہنے کی ضرورت نہیں مگر یہ محض اس کا خیال تھا۔

"آپ آدھی رات کو ایک پرائی عورت کے کمرے میں کیا کرنے گئے تھے۔" لیزا کے غضبناک تیور دیکھ کر جلال کا گلنار چہرہ بجھا۔

"اس وقت یہ جاننا ضروری ہے۔" مدہم شیریں لہجے میں استفسار ہوا۔

"بے حد ضروری ہے۔" لیزا اسے بخشنے پر بالکل تیار نہیں تھی۔

مجبوراً جلال اس سے جدا ہوا اور اپنا موبائل اٹھا کر میسج لیزا کی نظروں کے سامنے کر دیا۔

"تو جایئے جا کر محبت سمیٹیں۔ یہاں کون سی ریوڑیاں بٹ رہی ہیں۔" لیزا نے غصے سے کہہ کر اسے کمرے سے باہر دھکیل دیا۔

"ارے سنو میری عمر ریوڑیاں کھانے کی تو نہیں ہے۔" بند دروازے کے پیچھے سے آواز آئی۔ لیزا نے ان سنی کر دی، برتھ ڈے پارٹی بھی اس تماشے کی نظر ہو گئی تھی۔

آدھی رات کا خیال کر کے جلال نے دروازہ پیٹ کر زیادہ مزاحمت دکھانے کی کوشش نہیں کی۔ اس لیے سونے کے لیے ڈرائینگ روم چلا آیا مگر یہاں ایک اور حیران کن سرپرائز اس کا منتظر تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

مرحا اس اندھیری کوٹھڑی میں بند وارث کے نرغے میں پھنس چکی تھی۔

"کون ہو تم؟" کانپتے وجود کے ساتھ مرحا نے پوچھا

"جس کی جانی دشمن بنی پھرتی ہو حیرت ہے اسے نہیں پہچانتی تم۔" وہ کمرے میں ایک بتی روشن کر رہا تھا۔

کمرے میں روشنی ہوئی تو وارث کو اور خود کو وہاں تنہا پا کر مرحا کا ہاتھ دل پر جا پڑا۔ ساتھ ہی اسے اپنے سامنے پا کر نفرت کا احساس امنڈ آیا۔ مرحا نے اس کے منہ پر تھوک دیا۔ تو وہ اس پر بری طرح جھپٹا مرحا کی نازک کلائیاں اس کے شکنجے میں آچکی تھیں۔

"خدا کے قہر سے ڈرو وارث خاقان۔ چھوڑو مجھے گھٹیا، ذلیل انسان۔" مرحا اس کے شکنجے میں تڑپ اٹھی۔

"بچاؤ۔ کوئی ہے فارس۔ فارس" ساتھ ہی اپنی مدد کے لیے چلانے لگی۔ وارث نے اپنے مفلر سے اس کا منہ باندھ دیا اور دونوں کلائیاں مرحا کی پشت پر جکڑے کھڑا ہو گیا۔ جبکہ نفرت اور خوف سے مرحا کی آنکھیں ابل پڑیں۔ وارث ٹھٹھہ لگا کر ہنسنے لگا۔

"بالکل ایسے ہی میں نے تمہاری بہن کو بھی باندھ کر قابو کیا تھا۔ تو نے میری زندگی حرام کر دی۔ میرے ہی بھائی کی زندگی میں گھس کر مجھے برباد کرنے کا ارادہ تھا۔ لڑکی ہو کر تجھ میں اتنا دم ہے۔ ویسے دم تو تیری بہن میں بھی بڑا تھا اسی لیے تو زندگی کم پڑ گئی اسکی۔ وارث سے مقابلہ مہنگا پڑتا ہے۔ یہ بات تجھے اپنی بہن کا انجام دیکھ کر سمجھ جانی چاہیے تھی، لیکن تیری موت تجھے پکار رہی تھی تو خود ہی چل کر اپنا آپ لٹانے میرے گھیرے میں آگئی۔

تیرا بھی وہی انجام ہو گا جو تیری بہن کا ہوا، تو بھی مرے گی مگر اس سے پہلے اپنی غلطیوں کا بھگتان بھگت۔ اپنی عزت کی نیلامی کا درسہہ، پھر جب تو مرے تو تیرے اندر زندگی پہلے سے مر چکی ہو۔" وہ فرعونیت سے کہتا خدا کے قہر کو للکارے مار رہا تھا۔

مرحا اس کی قید میں بلبلائی مگر وہ مرد تھا اس میں مرحا سے کئی گنا زیادہ طاقت تھی۔

اس جیسے چھوٹی ذہنیت کے حیوانیت پرست مرد اپنی اس اضافی طاقت پر ہی تو اتراتے ہیں۔

وارث نے مرحا کے گلے سے بڑی بے دردی سے دوپٹہ کھینچ کر زمین پر پھینکا، اگلا حملہ اس نے مرحا کی آستین پر کیا۔ اس بربریت پر مرحا آنکھیں بھینچے دل سے خدا کو پکار رہی تھی۔ اتنے میں باہر کسی کے قدموں کی چاپ ابھری۔ پھر دروازے پر دھڑ دھڑ ہونے لگی جیسے کوئی پوری قوت سے دروازہ توڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔

مرحا کے رکے دل کو یک گونہ ڈھارس ملی، حارث چونک کر دروازے کی جانب دیکھنے لگا۔ دوسرے پھر تیسرے وار پر نحیف و نزار دروازے کی چٹخنی ٹوٹ گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

الشبہ وہاں سے اپنی ہار اور اپنے جھوٹ کا انبار سمیٹ کر جا چکی تھی۔ پھر بھی سب کو ایک گہری چپ لگ گئی تھی۔

لیزا نے احمر کو کال کر کے بلوایا اس وقت وہ باہر مرزا صاحب کے پاس بیٹھا چائے پی رہا تھا اور لیزا اپنی پیکنگ مکمل کر رہی تھی۔ جلال آج آفس سے جلدی آگیا۔

باہر احمر سے ملاقات پر اس کا ماتھا ٹھنکا، وہ فوراً کمرے میں چلا آیا۔

"تم کہاں جا رہی ہو؟" لیزا کی لمبی چوڑی پیکنگ دیکھ کر جلال اس کے ارادے بھانپ چکا تھا مگر پھر بھی پوچھا۔

"میں آپ کی زندگی سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جا رہی ہوں۔" جلال کے متضاد لیزا کی جانب سکون ہی سکون تھا۔

"لیکن کیوں؟" لیزا نے جلال کے اس سوال پر اسے یوں دیکھا جیسے اس کی یاداشت

کے چلے جانے کا شبہ ہو۔

"جب سے اس گھر میں آئی ہوں۔ آپ یہ ہی فرما رہے ہیں، میری زندگی سے چلی جاؤ۔ میں تمہارے ساتھ بنا محبت کی زندگی نہیں گزار سکتا۔ اب جب میں جا رہی ہوں تو آپ پوچھ رہے ہیں کیوں جا رہی ہو۔" لیزا بیگ کی زپ بند کرتے ہوئے بڑے عام سے انداز میں بولی۔

جلال اس کی پشت پر کھڑا تھا اس کو دونوں شانوں سے تھام کر اس کا رخ اپنی جانب موڑا۔ "میں جانتا ہوں میں نے تمہیں یہ سب کہا، لیکن لیزا اب میں ہر حال میں تمہارے ساتھ ہی زندگی گزارنا چاہتا ہوں۔ میں اتنا جان گیا ہوں بغیر محبت کے بھی وفا شعاری اور بھروسے کے سہارے ایک بہترین زندگی گزاری جا سکتی ہے۔"

جلال کی تان پھر وہیں اٹکی، وہ یہ سمجھ رہا تھا کہ لیزا اس سے محبت نہیں کرتی، لیزا نے بے تاثر نظروں سے اسے دیکھا۔

"اگر تم میرا یونہی ہمیشہ ساتھ نبھاتی رہو تو ہم دونوں کے لیے صرف میری محبت ہی زندگی گزارنے کے لیے کافی ہے۔ ہاں لیزا جانے انجانے میں، میں تمہیں کب اپنے دل میں بسا بیٹھا مجھے اندازہ ہی نہیں ہو پایا۔ میری پوری زندگی تم سے جڑ چکی ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ اب میں اور تم جدا جدا رہیں۔"

وہ بڑے تحمل سے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہہ رہا تھا، لیزا اس کے منہ سے یہ سارے اعترافات سننے کے لیے کب سے ترس رہی تھی۔ لیکن اس موڑ پر آ کر جلال نے اس سے یہ سب کچھ کہا جب وہ اپنے فیصلے سے ہرگز پیچھے نہیں ہٹ سکتی تھی۔

"دیکھیے جلال مرزا! زندگی کا پل پل بدلتا موڈ نہیں ہے۔ جسے آپ اپنی مرضی سے جو چاہے رخ دے دیں؟ آپ کے خیال میں میری مرضی میرے جذبوں کی کوئی وقعت نہیں ہے۔

جب چاہا دل میں بسا لیا اور جب چاہا دھتکار کر چلے گئے لیکن میں اپنے ساتھ اب یہ نا انصافی اور نہیں ہونے دوں گی۔ ویسے بھی بقول آپ کے میں آپ سے محبت نہیں کرتی تو پھر میں آپ کے ساتھ رہ کر کیا کروں گی۔ اور یہ علیحدگی کی راہ بھی آپ کی دکھائی ہوئی ہے ورنہ میں تو آپ کی زندگی میں پورے خلوصِ نیت سے شامل ہوئی تھی۔

پھر جس مرد کے لیے عورت کے دل میں ہی کوئی جگہ باقی نہ ہو وہ اس کے ساتھ ایک پل گزارنا بھی اپنی توہین سمجھتی ہے۔"

کیا اس کا ساتھ لیزا کے لیے توہین کا باعث ہے۔ جلال کا دل رک کر دھڑکا۔ وہ لب بھینچے کھڑا رہا۔ لیزا اب اس سے دور اپنا ہینڈ بیگ اٹھا کر کاندھے پر لٹکا رہی تھی۔ جلال کی روح نے چیخ چیخ کر اسے پکارا۔ رک جاؤ۔ مت جاؤ۔۔۔

"لیزا تم جانا چاہتی ہو، میں تمہیں نہیں روکوں گا۔ میں نہیں چاہتا کہ تم یہاں سے جاؤ یا مجھ سے علیحدگی اختیار کرو، لیکن میں تمہیں روکوں گا بھی نہیں۔ اس لیے کہ تمہارے ہر فیصلے ہر جذبے کا میری نظروں میں بہت احترام ہے۔ اب تک وہ ہوتا آیا ہے جو میں چاہتا تھا لیکن اب صرف وہی ہو گا جو تم چاہتی ہو۔"

جلال کی بھاری آواز پل بھر کو اس کے قدموں کی زنجیر بنی۔ وہ جاتے ہوئی رکی مگر پھر گہری سانس خارج کر کے جلال کے کمرے اور شاید اس کی زندگی کی دہلیز بھی پار کر گئی

اور جلال بے بس سا وہیں کھڑا رہ گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

مرحا کو آدھی رات میں کمرے سے غائب دیکھ کر فارس اس کی تلاش میں نکلا۔ اسے ایک سایہ سا حویلی کے پچھلے احاطے کی جانب گم ہوتا دکھائی دیا تو وہ اسی جانب بڑھ گیا، اس کا خیال درست ثابت ہوا، وارث کی قید میں بلکتی مرحا ہی تھی۔

دار جی کی راتوں کی نیند تو بڑھاپے میں ویدے ہی اڑ گئی تھی وہ باہر ہی ٹہل رہے تھے اب یہ اتفاق ہی تھا کہ مرحا کی چیخ اور پہلے فائر پر وہاں آموجود ہوئے۔ وارث نے فارس پر گولی چلائی تھی۔ اس انکشاف نے ان کا خون رگوں میں برفا دیا۔ اب فارس اس پر بندوق تانے اپنی عزت کا حساب مانگ رہا تھا۔ فارس کے انداز میں کہے کو سچ دکھانے کا حوصلہ دیکھ کر ان کی روح تک کانپ گئی۔

فارس اگر وارث پر گولی چلا دیتا تو بعد میں فارس کو بھی شاید سزا ہو جاتی۔ ان کے دونوں وارث ہی صفحہ ہستی سے مٹ جاتے ۔ اس خیال کے آتے ہی برف پگھل کر گرم سیسہ بنی۔ ان کے خاندان اور پرکھوں کی وراثت کے لیے ایک ولی کا زندہ ہونا ضروری تھا اور بڑھاپے میں دونوں بیٹوں کی لاشوں کا بار اٹھانا ان کے بس کا کام نہیں تھا۔ وارث گنہگار تھا اور فارس ان کی نیک اولاد۔ نیک اولاد تو صدقہ جاریہ کہلاتی ہے۔ بہت ساری سوچوں نے ایک ہی پل میں بوچھاڑ کر دی۔ دار جی نے اپنا پستول نکال لیا۔

پستول پر ان کی گرفت اگر مضبوط نہ ہوتی تو قریب تھا فارس گولی چلا دیتا انہوں نے لمحے کی تاخیر کیے بغیر وارث کے سینے پر وار کیا۔ اپنے ہی ہاتھوں اپنی اولا کی سزا و جزا کا فیصلہ

کرنا از حد کٹھن ہوتا ہے۔ مگر ایک اولاد کی محبت پر وہ دونوں بیٹوں کی بلی نہیں چڑھا سکتے تھے۔

حویلی میں کہرام برپا ہو گیا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے طوفان کے بعد کا سناٹا چھا گیا۔ ایک تیز آندھی چلی تھی اور حویلی کے مضبوط درو دیوار لرزا کر گزر گئی۔

مرحا کو وارث کی موت پر کوئی دکھ نہیں پہنچا مگر اپنا بدلہ پورا ہو جانے کی کوئی خوشی بھی نہیں ہوئی تھی۔ فارس کی گہری خاموشی سے مرحا کے اندر ہول سے اٹھ رہے تھے۔ اسی خاموشی کے ساتھ وہ دونوں حویلی کو خیر باد کہہ آئے۔

فارس کی حالت مرحا سمجھ سکتی تھی جو کچھ بھی ہوا اس نے ایک طرح سے فارس کو ہلا دیا تھا۔ وارث کے ساتھ ہی مرحا کے فارس سے تمام تر گلے بھی اپنی موت آپ مر گئے۔

وارث کو قدرت نے اس کے گناہوں کی سزا دینے کے ساتھ ساتھ دار جی کو بھی ان کے کیے کا پھل دے دیا۔ مرحا کو پہلی بار دار جی پر ترس آیا مگر وہ اپنا کیا بھگت رہے تھے۔

کراچی واپس آکر زندگی ایک ہی ٹائم سپیس میں پھس کر رہ گئی تھی۔ صبح آفس اور آفس سے گھر۔ فارس اب بھی علیحدہ کمرے میں رہ رہا تھا کسی بھی ضروری کام سے زیادہ وہ مرحا سے بات چیت نہیں کرتا تھا۔

اس کا یہ روپ مرحا کو بہت کھل رہا تھا۔ نفرت کے بادل چھٹ چکے تھے وہ اب محبت کی برسات میں فارس کو بھگو دینا چاہتی تھی مگر کوئی راستہ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔

مرحا نے آفس جانا بھی چھوڑ دیا تھا۔ وہاں جانے کی اب اسے ضرورت ہی نہیں

تھی۔ آج فارس آفس سے آیا تو بخار کی حدت سے تپ رہا تھا۔ وہیں صوفے پر گر کر تقریباً بے سدھ ہو گیا۔ مرحا نے اسے دیکھا تو متفکر سی اس کی جانب بڑھی۔ جھک کر ماتھے کو چھوا تو فارس بخار میں پھنک رہا تھا۔

"فارس تمہیں تو بہت تیز بخار ہے۔" بیویوں والی ازلی پریشانی امنڈ کر آئی۔

"ہونہہ!" اس کی آواز سن کر بمشکل آنکھیں کھول کر فارس نے ہنکارہ سا بھرا پھر مرحا اس کے بھاری بھر کم مردانہ فولادی بدن کو اپنے ناتواں بازوؤں سے سہارا دے کر کمرے تک لائی اور بستر پر لٹا کر اس پر کمبل اوڑھا دیا۔

باہر نکل کر اس نے دینہ کو پکارا۔

"جی باجی!" وہ گیراج میں گاڑی دھو رہا تھا فوراً حاضر ہوا۔

"جلدی سے ڈرائیور کو لے کر جاؤ اور ڈاکٹر صدیقی کو لے کر آؤ۔" ایک ایڈریس اسے SMS کرتے ہوئے مرحا نے حکم دیا۔

"خیریت باجی؟" دینہ نے پوچھا۔

"فارس کو بہت تیز بخار ہے۔" مرحا نے عجلت میں جواب دیا اور واپس مڑ گئی۔ وہ اب فارس کے سر پر ٹھنڈے پانی کی پٹیاں لگا کر اس کے بخار میں کمی کرنے کی کی کوشش کر رہی تھی۔ تھوڑی ہی دیر بعد ڈاکٹر صاحب بھی آ گئے۔ تفصیلی معائنہ کر کے انہوں نے ایک پرچے پر دوائیاں لکھ دیں۔

"آپ گھبرائیں نہیں۔ بیرسٹر صاحب کو صرف موسمی بخار ہوا ہے۔ دوا کی پہلی خوراک پر ہی انشاء اللہ افاقہ ہو گا۔ آپ بس ذرا ان کا خیال رکھنے کی کوشش کریں۔ ان پر

کچھ ڈپریشن کا اثر بھی محسوس ہو رہا ہے۔" جاتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے مرحا کو ہدایات دیں تو اس نے صرف سر ہلا دنے پر ہی اکتفا کیا۔

فارس کو کس چیز کی پریشانی ہے اس بات نے مرحا کے اعصاب جکڑ لیے تھے۔ مرحا نے خود فارس کے لیے سوپ بنا کر اسے اپنے ہاتھوں سے پلایا اس کے بعد ترتیب سے اسے دوا کھلا دی تو وہ سو گیا۔ خود مرحا ساری رات اس کے سرحانے بیٹھی سوچتی رہی فارس جس حال میں جی رہا ہے، اس کی ذمے دار خود مرحا ہے۔

اس کا کیس تو خود اللہ نے ہی لڑ کر اسے پورا پورا انصاف دے دیا پھر اب وہ فارس کو کیوں زندگی کی اس کشمکش سے نہیں نکال رہی جس میں وہ مبتلا ہے۔

اس کی خاطر مرحا کچھ بھی کرنے کو تیار تھی، ایک طرح سے وہ جانتی تھی کہ اسے کیا کرنا ہے۔ اس لیے کچھ سوچ کر مسرور سی ہو کر وہیں پلنگ سے ٹیک لگائے فارس سے ہاتھ بھر کے فاصلے پر سو گئی۔

صبح جب فارس کی آنکھ کھلی تو مرحا کو اپنے سرہانے بیٹھے بیٹھے سوتا پا کر وہ رات بھر کی کہانی سمجھ گیا۔ یقیناً وہ ساری رات اس کے لیے جاگتی رہی تھی ا۔س سوچ نے فارس پر بہت مثبت اثر ڈالا۔ کچھ یوں بھی بخار کا زور اب ٹوٹ چکا تھا۔ بس وہ نقاہت محسوس کر رہا تھا۔

"مرحا!" اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے فارس نے اسے جگانے کی کوشش کی وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔

"کیا ہوا؟ تم ٹھیک ہو؟"

"میں ٹھیک ہوں۔"

"تم سیدھی ہو کر سو جاؤ۔" فارس نے نرمی سے کہا تو مرحا بستر پر چت ہو کر اس کے برابر میں لیٹ کر آنکھیں موند گئی فارس اسے دیکھ کر مسکرا دیا۔ خود بستر چھوڑ کر جانے لگا تو مرحا نے اسے ہاتھ سے پکڑ کر کھینچ لیا۔ فارس اس کے پہلو میں آ گرا۔

اس کی اس حرکت پر فارس نے آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھا۔ مرحا نے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر اسے بڑی شرارت سے آنکھ ماری۔

"یا اللہ! یہ اس لڑکی کا دماغ تو ٹھیک ہے۔" فارس کا دماغ بری طرح گھوما۔ مرحا اب اس کے سینے پر کہنی ٹکائے اس کے چہرے پر جھکی اسے دیکھ رہی تھی۔ فارس مٹی کی مورت بن چکا تھا بے حس و حرکت، پھر مرحا نے بڑی نرمی سے اس کی بڑھی ہوئی شیو کو اپنے ہاتھ سے چھوا۔ مرحا کے ہر ہر انداز نے اسے تحیر میں مبتلا کر دیا مگر اس کا یہ روپ دل موہ لینے والا تھا۔ ان دونوں کی آنکھوں میں محبت کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ فارس نے مرحا کو اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا۔

"حویلی چلیں۔" مرحا کی بات پر فارس نے الجھ کر اسے دیکھا جیسے اس کی بات کا مقصد جاننے کی کوشش کر رہا ہو۔

"میں چاہتی ہوں ہم دونوں مل کر گاؤں کی ظلم و بربریت سے لبریز جہالت زدہ زندگی کو بدلیں۔ وہاں پر علم کی روشنیاں پھیلائیں۔ حق اور بے انصافی کا فرق لوگوں کو سکھلائیں تاکہ آئندہ نسلوں میں کوئی واث خاقان پیدا نہ ہو اور نہ ہی تمہارے دار جی کی طرح کوئی سخت گیر بے جا روایتی قسم کا باپ اٹھ کھڑا ہو۔ ویسے بھی تمہاری اماں بی بھی تو حویلی میں ہیں ناں۔" وہ اسے بڑے آرام سے ایک ایک کر کے سارے دلائل بتا رہی تھی۔

"پھر تمہاری بھابھی۔" مرحا کہتے ہوئے اٹکی تھی بے اختیار اس کی نظروں میں زرگل کا سپاٹ سا چہرہ گھوم گیا وارث کی موت پر مرحا نے اسے ایک بھی آنسو بہاتے نہیں دیکھا۔ وہ سنجیدہ و سپاٹ چہرہ لیے لوگوں کے ہجوم میں بیٹھی رہی۔

"تمہاری ساری باتیں ٹھیک ہیں مرحا۔ لیکن تم ایک بات بھول گئی ہو۔" مرحا کی چہرے پر جھولتی لٹوں کو سنوارتے ہوئے فارس نے اسے کچھ یاد دلانے کی کوشش کی۔

"کیا؟" مرحا نے پوری طرح دماغ پر زور دیا مگر کچھ بھی یاد نہ آنے پر پوچھا۔

"وہاں گاؤں میں زر مینے بھی ہے۔" فارس کے لبوں پر شرارت مچلی۔ مرحا نے ایک دھموکا اس کے سینے پر جڑ دیا وہ کراہ کر دوہرا ہوا۔

"تمہاری سوچ بھی اگر بھٹکتی ہوئی کسی اور کی طرف گئی تو بہت برا انجام ہو گا۔" وہ اسے دھمکاتی ہوئی اٹھ کر بیٹھی کھلے ہوئے بالوں کو کیچر میں جکڑنے لگی۔ فارس نے اسے بغور دیکھا۔

"تم جیسی خطرناک لڑکی سے میرا پالا پڑا ہے کہ اب تو میں واقعی ایسا کچھ نہیں کر سکتا۔" ٹھنڈی گہری افسوسناک آہ بھری۔

"اٹھ کر فریش ہو جاؤ میں ناشتہ لے کر آتی ہوں۔ پچھتانے کے لیے ابھی ساری زندگی پڑی ہے۔" اس بار مرحا پر ذرا اثر نہیں ہوا تھا وہ کہہ کر کمرے سے باہر نکل گئی تو صبح صبح مرحا کی بدلتی جون کی بدولت وہ شاداب ہو گیا۔ زندگی کی سنگِ راہ میں اب ان کے لیے صرف خوشیاں ہی خوشیاں تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

لیزا کو گئے کئی دن گزر چکے تھے۔ جلال کا حال مجنون جیسا ہی تھا۔ نہ بھوک لگ رہی تھی نہ ہی اتنے دنوں سے نیند آ رہی تھی اور نہ ہی دل کو کسی پل قرار تھا۔

آج بھی سونے کے لیے لیٹا تو گھبرا کر تھوڑی ہی دیر میں اٹھ بیٹھا اب وہ سگریٹ کے کش پر کش لگا رہا تھا۔ ساتھ ساتھ اسے لیزا کی سگریٹ پینے والی حرکت یاد آئی۔ اس کی زندگی کے ساتھ ساتھ ہر چیز اور ہر جگہ کے ساتھ لیزا کی یادیں جڑ چکی تھیں۔

جو مٹائے نہیں مٹتی تھیں اور سچ تو یہ تھا کہ وہ مٹانا ہی نہیں چاہتا تھا۔ کئی بار وہ اپنے موبائل سے لیزا کا نمبر ڈائل کرتے کرتے رہ گیا مگر آج بے سکونی حد سے سوا ہوئی تو اٹھ کر باہر لان میں ٹہلنے لگا۔ کھٹ کھٹ موبائل پر انگلیاں چلائیں اور اس کا نمبر ملا لیا۔ بیل جا رہی تھی۔ جلال کا دل بڑی ردھم پر دھڑکنے لگا۔ چوتھی بیل پر کال اٹھا لی گئی۔

"ہیلو!" ایئر پیس سے لیزا کی آواز ابھری جس میں نیند کا شائبہ تک نہ تھا یعنی وہ بھی جاگ رہی ہے۔ دل خوش گمان ہوا۔

"کچھ دن اگر یونہی بیگانگی رہی
دستک جو دینے آؤ گے در بھول جاؤ گے"

"کیسے ہیں آپ؟" اس کو بے حال کرنے والی اس کا حال دریافت کر رہی تھی۔

"تمہارے رحم و کرم پر ہوں۔ چاہے تو اچھا کر دو۔" وہ لان میں چکر کاٹتا لیزا سے فون پر محوِ گفتگو تھا۔ دوسری طرف لیزا اپنے کمرے کے خاموش کونے میں کھڑی کھڑکی سے نظر آتے ادھورے چاند کو تک رہی تھی۔

"جلال مرزا آپ کو ایسی باتیں زیب نہیں دیتیں۔ آپ تو حکم چلانے والوں میں سے

ہیں یہ التجائیں تو مجھ جیسے کمزور دل لوگوں کے لیے بنی ہیں۔ ویسے ایک بات بتا دوں آپ کو۔ کل احمر کی منگنی ہے۔ اس لڑکی سے جسے وہ چاہتا ہے۔ ابا میاں نے کہا کہ میں آپ کو انوائیٹ کرلوں۔"

جلال کے سر پر دھماکہ ہوا۔ یعنی احمر لیزا میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتا تھا۔ یقیناً پھر لیزا کے دل میں بھی احمر کے لیے ایسا ویسا کچھ بھی نہیں ہو گا۔ محض اپنے ہی مفروضے کی بنیاد پر وہ اس سے کٹا رہا اور اب لیزا وہ اس سے بدلہ لے رہی ہے۔ ہاشم صاحب نے اسے بلانے کو کہا۔ تھا تو اس بات کا بھی صاف صاف مطلب ہے اس نے اپنے گھر میں کسی سے بھی جلال سے علیحدگی کی بات نہیں کی۔ شک کی عینک اتار کر دیکھنے پر جلال کو ہر ایک بات صاف صاف نظر آ رہی تھی۔ کچھ دیر فون پر دونوں جانب خاموشی چھائی رہی۔

"میں تم سے ملنے آ رہا ہوں۔" پھر جلال بولا تو لیزا کی ہوائیاں اُڑنے لگیں۔

"آدھی رات کو آپ ملنے آئیں گے تو کیا سوچیں گے سب۔ پلیز مت آئیں۔"

"میں تمہارا شوہر ہوں۔ مجھ سے ملاقات پر کس کی جرات ہے جو اعتراض کرے۔"

جلال کہے پر ڈٹ گیا اور پھر اس نے جو کہا وہ کر دکھایا۔

آدھے ہی گھنٹے بعد وہ لیزا کے گھر کے گیٹ پر کھڑا تھا۔

"دروازہ کھولو!" جلال نے ہوا کی ہتھیلی پر لیزا کو پیغام بھیجا۔ میسج پڑھتے ہی وہ سر پٹ نیچے دوڑی۔ سب کی نیند کا خیال کرتے ہوئے جلال نے ڈور بیل نہیں بجائی تھی۔ لیزا نے دروازہ کھولا تو اسے ننگے پاؤں دیکھ کر جلال نے تھوڑی کھجائی۔

"اتنی شدت سے انتظار تھا میرا؟ میرے آنے کی خوشی میں تم نے جوتا بھی نہیں ہیں

پہنا۔" اس کے اس طرح کہنے پر لیزا خجل سی ہو گئی۔ اپنے گھر میں دونوں چوروں کی طرح دبے پاؤں چلتے ہوئے کمرے میں پہنچے۔لیزا نے فوراً دروازہ لاک کر دیا۔

"اتنی کیا آفت آن پڑی تھی جو صبح ہونے کا بھی انتظار نہ ہوا آپ سے۔" لیزا نے ڈانٹا جلال اس کے بیڈ پر ترچھا ہو کر لیٹ چکا تھا۔

"پہلے ہی بہت دیر ہو چکی ہے محترمہ! مزید ایک پل گنوانے کی بھی گنجائش نہیں۔" وہ لیٹے لیٹے ہی آرام سے بولا۔

"کیوں آئے ہیں آپ یہاں؟" لیزا ناراضگی سے بولی اور بیڈ کی پائنتی کی جانب رخ موڑ کر بیٹھ گئی۔جلال نے صبر آزما حوصلے سے کام لیتے ہوئے مدھم سی دھن میں گیت گنگنایا۔

"روٹھے ہو تم، تم کو کیسے مناؤں پیا!

بولو نا، بولو نا

سینے سے لگ جاؤں، بانہوں میں مر جاؤں

کیسے تم کو مناؤں۔۔۔"

وہ اٹھ کر اس کے برابر میں آ بیٹھا اور اس کے شانے پر ٹھوکا دیتے ہوئے اس پر جھکا۔

"ہاہاہا۔۔۔" بے اختیار لیزا کو شدید ہنسی کا دورہ پڑا۔

"کیا ہوا۔" وہ رک کر پوچھنے لگا۔

"اتنی جاہ و جلال والی پرسنلٹی ہے آپ کی اور اتنا رومانوی گانا آپ گائیں گے تو ہنسی

تو آئے گی ناں۔" وہ اٹھلائی۔

"بڑے بڑے سورما بیوی کے سامنے ڈھیر ہو جاتے ہیں۔ حیران ہونے والی کیا بات ہے اس میں۔" جلال پوری جانفشانی سے اپنا وقار اسے سونپ رہا تھا۔ مگر اسی شخص نے اسے بے وقار بھی کیا تھا، اتنی آسانی سے وہ کیسے مان جاتی فوراً ہی اکڑوں ہو گئی۔

"آپ یہ ہرگز مت سمجھیں کہ اگر میں آپ کی باتوں پر ہنسی ہوں تو آپ کو معاف بھی کر دوں گی اور آپ کے جال میں پھنس جاؤں گی۔" لیزا نے اپنی ناراضگی اس پر جتائی۔

"تو پھر کیا طریقہ ہے آخر تمہیں پھنسانے کا۔ میرا مطلب ہے تمہاری ناراضگی دور کرنے کا، تمہیں منانے کا۔" جلال نے فوراً زبان پھسلنے پر خود کو ٹوکا۔

"میری چیدہ سی چند شرائط پر عمل کر کے آپ معافی پا سکتے ہیں۔" لیزا فوراً تیار ہوئی۔

"شرائط۔۔۔" یہ لفظ سن کر ہی جلال کا حلق خشک ہوا۔

"کس قسم کی شرائط۔۔۔" اب وہ اس کی شرطوں کے بارے میں استفسار کر رہا تھا۔

"سوچ لیں پوری کر پائیں گے آپ؟" لیزا نے اسے جوش ہی تو دلایا تھا۔

"تم کہہ کر دیکھو سویٹ ہارٹ تمہارے لیے تو میں آگ کا دریا بھی پار کر لوں۔" جلال میں فلمی قسم کے عاشقوں کی روح گھس آئی۔

"تو پھر میری سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ آئندہ آپ کبھی سگریٹ نہیں پئیں گے۔" لیزا کے پہلے ہی وار پر جلال کے غبارے سے ہوا نکل گئی۔ کیونکہ سگریٹ اور

جلال کا تو چولی دامن کا ساتھ تھا۔ بھلا وہ اتنی بڑی بے وفائی کیسے کر سکتا تھا۔

اس کے صدمے والے تاثرات دیکھ کر لیزا نے کچھ سمجھتے ہوئے سر ہلایا۔

"سگریٹ نہیں چھوڑ سکتے تو پھر مجھے چھوڑ دیں۔ بھلا اتنی قباحت والی کیا بات ہے۔" لیزا کی دھمکی کارگر ثابت ہوئی جلال فوراً بول اٹھا۔

"نہیں اب سگریٹ تم سے زیادہ اہم تو نہیں۔ آگے بولو۔" جلال بڑے دھکے دل سے کہہ رہا تھا۔ لیزا نے بڑی مشکل سے چہرے پر اڈتی مسکراہٹ کو روکا۔

"دوسری شرط یہ ہے کہ ہم ہنی مون پر دوبارہ جائیں گے۔" لیزا کی دوسری شرط تو جلال کو دل و جان سے قبول تھی فوراً حامی بھر لی۔

"لیکن وائف اس بار میری بھی ایک شرط ہے۔"

"کیا؟" لیزا نے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔

"تم مجھے لوگوں سے پٹواؤ گی نہیں۔" جلال اسے وارن کر رہا تھا۔

"آپ کی قسم! ایسا کچھ نہیں کروں گی۔" لیزا نے اسے یقین دلایا۔

"اب باری ہے میری سب سے بڑی شرط کی۔" جو بے حد سنجیدہ اور قابلِ غور ہے لیزا بولتے ہوئے ہچکچائی۔

"بے جھجک کہو لیزا ایسی کیا بات ہے۔"

جلالنے اسے اطمینان دلایا کہ جو کچھ بھی ہے وہ بے دھڑک کہہ سکتی ہے۔

"ابا میاں سے زارا کی سفارش کر دیں۔ ابا میاں آپ کی بات کبھی نہیں ٹالیں گے۔ کیا آپ میرے لیے اتنا کر سکتے ہیں جلال۔" آس و امید بھری نظروں سے لیزا نے جلال کو

کہا۔

وہ اس معاملے سے پہلو تہی نہیں برت سکتا تھا۔ جو کچھ بھی ہوا وہ اچھا نہیں تھا لیکن جلال کو اس کی زندگی کی سب سے بڑی خوشی ملی تھی۔ زارا اگر یہ قدم نہ اٹھاتی تو شاید جلال کی تلاش عمر بھر ختم نہ ہوتی۔ جلال تو اب زارا کا مشکور تھا۔

اگلی صبح سب جلال کو لیزا کے کمرے سے برآمد ہوتے دیکھ کر حیران ہوئے۔ سب کو اس کی برآمد کی از حد خوشی ہوئی۔ وہ پہلی بار اپنے سسرال میں ٹھہرا تھا۔ سب ہی اس کی خاطر داری میں لگے ہوئے تھے۔ جبکہ اتنے پروٹوکول پر جلال لیزا کے سامنے اترایا، تو اس نے پرواہ ہی نہ کی۔

"وائف یہ تو زیادتی ہے ساری شرائط ماننے کے بعد بھی تم گھاس نہیں ڈال رہیں۔" وہ سب تیار ہو رہے تھے ابھی انہیں احمر کی منگنی کے لیے ہال پہنچنا تھا۔ جہاں لڑکی والے انکے منتظر تھے۔ لیزا مسلسل جلال کو اگنور کر رہی تھی جو بات جلال سے بالکل برداشت نہیں ہو رہی تھی۔ وہ اس کی مکمل توجہ چاہتا تھا۔

"ابھی ایک شرط باقی ہے۔ جب وہ پوری ہو جائے تو مجھ سے رجوع کریں۔" کمال کا ایٹی ٹیوڈ دے کر وہ اپنے راستے نکل گئی۔ جلال صبر کر کے رہ گیا مگر شام میں جب سب رخصت ہونے لگے تو جلال نے جان بوجھ کر اپنی شرٹ کا بٹن توڑ دیا اور معصومیت زیب النساء سے مخاطب ہوا۔

"آنٹی میری شرٹ کا بٹن ٹوٹ گیا ہے کیا آپ لگا دیں گی؟"

"ارے یہ کیسے ٹوٹا۔ اچھا بیٹا تم یہیں رکو میں ابھی لیزا کو بھیجتی ہوں وہ لگا دیتی

ہے۔" حسبِ توقع جواب ملا تو وہ سرشار ہو گیا۔

لیزا کو مجبوراً اس کی شرٹ میں بٹن لگانا ہی پڑا جتنا وقت وہ اس کی شرٹ پر بٹن لگاتی رہی جلال اس کے سلجھے ہوئے بالوں کو الجھاتا رہا۔

"کیا مسئلہ ہے؟" اس کی بچکانہ حرکت پر وہ چڑ گئی۔

"لٹ الجھی، سلجھا جا رہے بالم۔۔۔

میں نہ لگاؤں گی ہاتھ رے۔۔۔

یہ لائنز گنگناؤ ناں۔" جلال کی چھیڑ خانیاں ختم ہونے میں ہی نہیں آرہی تھیں۔ وہ بٹن ٹانک چکی۔ جان چھٹی سو لاکھوں پائے کے مترادف اپنے بال سنوارنے لگی وہ لیٹ ہو چکے تھے۔ سب ان سے پہلے ہی نکل گئے وہ دونوں ایک ساتھ تاخیر سے روانہ ہوئے۔

" ویسے اتنے عرصے میں جتنا میں نے آپ کو دیکھا۔ اس سے آپ انتہائی خود پسند، اکڑو، کھڑوس اور گھمنڈی قسم کے مرد لگے ۔ مگر اندر سے آپ بڑے فرینڈلی، سوفٹ سپوکن قسم کے انسان ہیں یہ میں تب بھی جان گئی تھی۔"

لیزا کے کامپلیمنٹ پر ڈرائیونگ کرتا جلال جھوم اٹھا۔

" پہلے اتنی خوبصورتی سے تم مجھے الٹے سیدھے القابات سے نوازا اور بعد میں اس طرح تعریف کی کہ میں کچھ کہہ بھی نہیں سکتا۔"

" دنیا کا ہر مرد اتنا اکڑو کیوں ہوتا ہے۔"

" دنیا کی ہر عورت اپنے شوہر ہی سے عاجز کیوں ہوتی ہے۔" دوبدو سوال ہوا۔

"کیونکہ ہر عورت کا شوہر اس کا سب سے بڑا امتحان بنا ہوتا ہے۔ پھر چاہے وہ آپ کا

پہلا روپ ہو۔ شدید غصیلہ، ناقابلِ تسخیر یا پھر آپ کا اصل رنگ انتہائی محبت کرنے والا خیال رکھنے والا۔ مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ سارے مرد بہت ڈیمانڈنگ ہوتے ہیں۔" لیزا نے آسان سا تجزیہ بیان کیا۔

"اور تمہیں کیا لگتا ہے میری تم سے کیا ڈیمانڈز ہیں؟" احتیاط سے موڑ مڑتے ہوئے جلال نے پوچھا وہ جاننا چاہتا تھا لیزا کے خیالات کے بارے میں کتنے فیصد درست ہیں۔

"آپ میرے خوابوں خیالوں حتیٰ کہ حواسوں پر بھی ہمہ وقت چھائے رہنا چاہتے ہیں۔ آپ کی ڈیمانڈ سب سے مشکل ہیں۔ جلال آپ کو صرف عشق نہیں عشقِ جنون کی طلب ہے۔"

لیزا کے جواب پر جلال معترف ہوا واقعی وہ حرف بہ حرف سچ کہہ رہی تھی۔ وہ ہال میں پہنچ چکے تھے اس لیے گفتگو ملتوی ہو گئی۔

جلال کی پوری فیملی بھی وہاں پر مدعو تھی۔ زارا بھی آئی ہوئی تھی حارث کے ساتھ۔ لیزا نے اسے آگے بڑھ کر گلے سے لگا لیا۔ دونوں نے ایک دوسرے سے کسی قسم کا سوال نہیں پوچھا۔ انہیں ایک دوسرے کے چہرے پر جھلکتی شادابیاں بتا رہی تھیں کہ وہ دونوں ہی اپنی اپنی زندگی میں کتنی خوش ہیں۔

زیب النساء نے دونوں دامادوں کو ایک ساتھ ایک ہی ٹیبل پر نہایت احترام سے بیٹھے دیکھ کر شکرانے کے نفل ادا کرنے کا عہد باندھا۔ ایک ہاشم صاحب تھے بالکل چپ نہ زارا سے ملے اور نہ ہی اس کی آمد پر کسی قسم کا کوئی اعتراض کیا۔

جلال حارث کے ساتھ کچھ دیر گپ شپ کرنے کے بعد مرزا صاحب اور ساجدہ بیگم

کے پاس چلا آیا۔

" تمہیں اس لڑکی کی کرتوت بھول گئے ہیں کیا؟" ساجدہ بیگم کو جلال کا زارا اور حارث سے اتنے نارمل طریقے سے ملنا ایک آنکھ نہ بھایا۔

"امی سچ یہی ہے کہ مجھے اب اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میری بیوی لیزا ہے اور میں اپنی زندگی میں اب اتنا آگے بڑھ چکا ہوں کہ ان معمولی باتوں پر رک کر سوچنا مجھے معیوب لگتا ہے۔ زارا لیزا کی بہن ہے اور اس حوالے سے میرے لیے بہت قابلِ عزت ہے۔ میں لیزا سے جڑے رشتوں کی عزت نہیں کروں گا تو پھر آخر کیسے اس سے اپنی فیملی کے لیے عزت ایسپیکٹ کروں گا۔ لیزا نے بھی روحہ کی بدتہذیبی بھلا کر اسے گلے سے لگایا تھا۔" جلال انہیں سمجھا رہا تھا۔

"بالکل! ساجدہ بیگم جلال ٹھیک کہہ رہا ہے اور اب جو کچھ بھی ہو چکا اسے آپ بھول جائیں یہ ہی بہتر ہے۔" مرزا صاحب نے بھی تائید کی تو ان کی رائے سے اتفاق نہ کرتے ہوئے بھی ساجدہ بیگم خاموش ہو گئیں۔ یوں بھی اختلافِ رائے کر کے بھی کچھ حاصل ہونے والا نہیں تھا۔

لیزا کو روحہ باہر کی جانب جاتی دکھائی دی تو وہ ٹھٹکی۔ اندر ہی اندر اسے کچھ کھٹکا تو وہ بھی اس کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔

"تم نے اگر جلال کی زندگی میں میرے لیے جگہ بنانے کی کوشش نہ کی روحہ! تو میں تمہارا پول سب کے سامنے کھول دوں گی۔" اندھیر کونے سے اسے الشبہ کی دبی دبی آواز آئی۔

"لیکن الشبہ !میں اس سلسلے میں اب کچھ نہیں کر سکتی۔ لیزا اور جلال بھائی اپنی زندگی میں ایک ساتھ بہت خوش ہیں انہیں جدا کرنا اب ناممکن ہے۔ میں مانتی ہوں میں نے تمہیں اس راستے پر ڈالا تھا مگر میں تب غصے میں تھی۔ اب مجھے پوری طرح احساس ہو چکا ہے ایسا کر کے میں خود کو بھی تباہ کر رہی ہوں۔" روحہ الشبہ کو سمجھا رہی تھی۔

"تم سدھر گئی ہو یا نہیں۔ اس سے مجھے کوئی سروکار نہیں ہے۔ مجھے بس جلال چاہیے اور اگر تم اس تک مجھے رسائی نہیں دلاؤ گی تو میں لیزا اور شہریار کو سب سچ بتا دوں گی۔ کس طرح تم نے لیزا کا گھر اجاڑنے کی کوشش کی۔" الشبہ شاید اور بھی کچھ کہتی کہ لیزا اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

"کیا بتانا چاہتی ہو مجھے ؟" سینے پر بازو باندھ کر لیزا نے الشبہ کی سٹی گم کر دی۔

"جو کچھ تم کر چکی ہو ہمارے لیے، ہم تمہارے بے حد مشکور ہیں۔ اب اتنا حد سے مت بڑھو الشبہ۔ کہ تمہیں بعد میں پچھتانا پڑے۔ روحہ کے بارے میں جو کچھ بھی تم جانتی ہو اس پر تم اسے مزید بلیک میل نہیں کر سکتیں کیونکہ میں یہ سب جان چکی ہوں۔

اب جو کچھ بھی ہمیں کرنا ہو گا یہ ہمارا ذاتی معاملہ ہے۔ اس سے پہلے کہ میں کوئی بڑا قدم اٹھاؤں کہ تم یہاں سے واپس جانے کے قابل بھی نہ رہو۔ بہتر ہو گا کہ تم خود ہی چپ کر کے چلی جاؤ۔

دوسروں کے شوہروں پر ڈورے ڈالنے کی بجائے اگر تم اپنی زندگی پر توجہ دو تو یہ تمہارے لیے زیادہ اچھا ہو گا۔" لیزا نے روحہ کو پوری طرح ڈیفینڈ کرتے ہوئے الشبہ کے اس ہتھکنڈے کو ناکام بنا دیا۔

وہ ایک بار پھر بری طرح سے مات کھا کر شاید اس بار ہمیشہ کے لیے ان کی زندگیوں سے چلی گئی۔ لیزا نے مڑ کر روحہ کو دیکھا جو سر اٹھانے کے قابل نہیں رہی تھی۔

"میں شہریار کو اس بارے میں کچھ نہیں بتاؤں گی۔ لیکن یاد رکھنا تمہارے لیے میری آخری وارننگ ہے۔ میں اب مزید اپنی اور جلال کی زندگی میں کسی بھی قسم کی مداخلت برداشت نہیں کروں گی۔" لیزا کے دوٹوک کہنے پر روحہ اس کی احسان مند ہوئی۔ اسے اپنے برے رویے پر حقیقتاً پچھتاوہ ہوا۔ دور کھڑا جلال سب کچھ دیکھ چکا تھا لیزا کے ظرف پر وہ جتنا فخر کرتا شاید کم تھا۔

واپسی پر جلال نے ہاشم صاحب کو زبردستی اپنی گاڑی میں بٹھا لیا۔ وہ واپس ہاشم صاحب کے گھر کی طرف ہی آئے تھے۔ جہاں اب زارا اور حارث بھی معافی کے طلب گار بنے موجود تھے۔

ہاشم صاحب انہیں نظر انداز کر کے جانے لگے تو جلال ان کے راستے میں آ کھڑا ہوا۔

"انکل جو کچھ بھی ہوا میں مانتا ہوں غلط تھا، لیکن جب اب سب کچھ ٹھیک ہو گیا ہے تو کیا آپ اپنی بیٹی کو معاف کر کے سب کی خوشیوں کو مکمل نہیں کر سکتے۔ میں آپ سے پہلی بار کچھ مانگ رہا ہوں۔ پلیز زارا کو معاف کر دیں۔"

"ابا میاں مجھے معاف کر دیں۔ اس وقت حالات ہی ایسے تھے مجھے مجبوراً یہ قدم اٹھانا پڑا۔ پلیز مجھے معاف کر دیں۔" شرمندہ کھڑی زارا آنسوؤں سے ڈوبی آواز میں منمنائی۔ ہاشم صاحب اب بھی ٹس سے مس نہ ہوئے۔

مجبوراً لیزا کو مداخلت کرنا پڑی وہ ہاشم صاحب کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑی ہو گئی اور ہاشم صاحب پہلی بار ڈگمگائے۔

"ابا میاں! ایک بار یونہی ہاتھ جوڑ کر آپ نے اپنی عزت کی خاطر مجھ سے التجا کی تھی تب میں نے آپ کا مان رکھا تھا۔ رکھا تھا نا؟" اپنی بات کو دوبارہ سوالیہ انداز میں پیش کر کے اس نے جیسے تصدیق چاہی۔

ہاشم صاحب کی آنکھوں میں تیرتی نمی ان کا مثبت جواب بتا رہی تھی۔

"پلیز ابا میاں آج آپ میرا مان رکھ لیں۔"

لیزا کی فریاد پر ہاشم صاحب کا دل پگھل گیا۔ ویسے بھی وہ باپ تھے اور انہیں اپنی دونوں بیٹیوں سے بہت پیار تھا۔ اب ان سے بھی بیٹی کی جدائی سہارنا بہت مشکل ہو رہا تھا۔

"میں نے زارا کو معاف کر کے خوشیوں کے دروازے کھول دیے ہیں۔" انہوں نے آگے بڑھ کر زارا کو گلے لگا لیا تو اس خوشی کے پر مسرت موقع پر سب کی آنکھوں میں نمی تیر گئی۔

اسی وقت زارا کی طبیعت خراب ہو گئی۔ ایمرجنسی میں اسے ہاسپٹل لے جانا پڑا۔ صبح صادق کے قریب نرس نے ننھے منے سے بچے کی آمد کی نوید سنائی تو سب نے شکر کا سانس لیا۔

زارا بھی بالکل ٹھیک تھی۔ لیزا زیب النساء اور جلال، حارث کے ساتھ ہی رات بھر ہاسپٹل میں رہے۔ ابھی ابھی ہاشم صاحب اور احمر بھی پہنچے تھے۔ زارا کو ہوش آ چکا تھا۔ سب اسی کے کمرے میں جھمگٹا لگائے بیٹھے تھے۔

"میں نے زارا کو معاف کر کے خوشیوں کے دروازے کھول دیے ہیں۔

"حارث بھائی اور زارا سن لو۔ اپنے بھانجے کا نام میں خود رکھوں گی۔" لیزا نے سب کے بیچ میں اعلان کیا۔

"ضرور رکھیے۔" حارث نے کھلے دل سے کہا۔

"'عون' نام کیسا ہے زارا؟" لیزا نے زارا کی رائے لی۔

"بہت اچھا۔" سب نے تائید کی۔

عون ابھی ہاسپٹل کی نرسری میں تھا۔ ورنہ لیزا تو اسے اٹھانے اور کھیلنے کے لیے اتاؤلی ہوئی جا رہی تھی۔ عون کو اپنی گود میں لینے کا شوق تو سب کو ہو رہا تھا مگر فی الحال سب صرف دیدار سے ہی فیض یاب ہو پائے تھے۔

اس وقت تو جلال چلا گیا مگر شام کو جب زارا کو ڈسچارج کیا تو وہ بھی لیزا کو لینے پہنچ گیا۔

گھر سے دوری اب لیزا سے بھی برداشت نہیں ہو رہی تھی۔ اسے اپنا کمرہ اور اس کمرے سے جڑی جلال کی یادیں بے چین رکھتی تھیں۔ اس لیے پھر آنے کا کہہ کر سب سے اجازت طلب کرتی وہ جلال کے ساتھ گھر آ گئی۔

پہلی بار اس گھر میں وہ پورے استحقاق کے ساتھ داخل ہوئی۔ دل کی خوشی سنبھالے نہیں سنبھل رہی تھی۔ لیزا نے جونہی کمرے کی لائیٹ آن کی ایک خوبصورت سے سرپرائز نے اس کا استقبال کیا۔

پورے کمرے میں گلاب کی پتیاں بکھری ہوئی تھیں۔ وہ ننگے پاؤں پھولوں پر سج

سہج کر چلتی ہوئی اندر داخل ہوئی جلال بھی اس کے ہمقدم تھا۔

بیڈ کے درمیان میں ایک خوبصورت سا کارڈ جس پر ''بیسٹ وائف'' تحریر تھا اس کا منتظر تھا۔ لیلزا نے کارڈ اٹھالیا۔

" آپ تو بڑے رومینٹک نکلے۔" وہ چہکی۔

" تھوڑی تم بھی ہو جاؤ۔" جلال اس کی زلفوں کی مہک کو محسوس کرتے ہوئے اسے مفت مشورہ دے رہا تھا۔

" ویسے اب تک تم نے مجھ سے اظہارِ محب نہیں کیا۔" جلال نے کہا اور خود ہی جاندار قہقہہ مارا۔

" آپ پر تو وہ کہاوت فٹ آتی ہے۔ رسی جل گئی مگر بل نہیں گیا۔"

" میں تو کہتا ہوں کہ آج سارے کس بل تم نکال ہی دو۔" جلال کے انداز سے لگ رہا تھا کہ وہ آج اپنا سب کچھ لیزا کے قدموں میں نچھاور کرنے کو تیار ہے۔ بڑے جذب سے بولا۔

" آپ کی اتنی بے شمار جلی کٹی باتیں سننے کے باوجود میں آپ کو چھوڑ کر نہیں گئی کیونکہ مجھے آپ سے محبت تھی۔ سب کچھ چپ کر کے برداشت کرتی گئی بھلا کس لیے؟ اس لیے جناب کہ مجھے آپ سے محبت تھی۔

الشبہہ کے ساتھ آپ کی بڑھتی بے تکلفی مجھے ایک آنکھ نہ بھاتی تھی، اس لیے کہ مجھے آپ سے محبت تھی۔ آپ کی خاطر سڑک پر میں نے اپنا پاؤں تڑوایا۔ صرف اس لیے کیونکہ مجھے آپ سے محبت تھی جلال مرزا۔

آپ کے کردار پر کسی کا کیچڑ اُچھالنا مجھ سے برداشت نہیں ہوا۔ کیونکہ مجھے آپ سے جتنی زیادہ محبت ہے آپ پر اتنا ہی زیادہ بھروسہ ہے۔"

آج اجنبیت کی ساری دیواریں گرائے لیزا نے سب کچھ صاف صاف کہہ دیا۔ لیزا کے ہر لفظ نے جلال کے اندر تسکین کے احساس کو نیا جنم دیا۔

"بس آپ کی آنکھوں پر ہی شک و شبہات کی پٹی پڑی تھی۔ جس میں آپ کو اور کچھ دکھائی ہی نہیں دیا۔" آخر میں وہ شکوہ کناں ہوئی تو جلال نے اسے اپنی آغوش میں بھر لیا۔

"گزرا ہوا زمانہ بھول جاؤ وائف ،۔ایک نئی شروعات کرتے ہیں۔ جس میں ہم دونوں ہی ایک دوسرے کے سامنے پوری طرح سے دل ہارے ہوئے ہیں۔" وہ بولا تو اس کے رویں رویں میں محبت وصل بن کر دوڑنے لگی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆